بسم الله الرحمن الرحیم

سال سوم ۞ شمارہ (۱۲) ۞ رجب،شعبان،رمضان ۱۴۳۱ھ ۞ جولائی،اگست،ستمبر ۲۰۱۰ء

پیشکش: مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی

نگران اعلیٰ: آیۃ اللہ محمد علی تسخیری

مدیر مسؤل: علی اصغر اوحدی

علمی گروہ کی زیر نگرانی

چیف ایڈیٹر: سید احتشام عباس زیدی

سہ ماہی ''شعور اتحاد'' مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مستحکم بنانے نیز عالم اسلام کو فقہی، حقوقی، کلامی، فلسفی، تاریخی و... میدانوں میں درپیش مشکلات اور دشواریوں کے حل کے لئے نئی راہیں کھولتا ہے۔

یہ مجلّہ مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کے متعلق لکھے جانے والے علمی مقالوں کا استقبال کرتا ہے۔

یہ مجلّہ مقالات کی ایڈیٹنگ اور تلخیص میں آزاد ہوگا۔

مجلّہ کے مطالب نقل کئے جاسکتے ہیں لیکن حوالہ ضروری ہے۔

ایڈریس: تہران، خیابان آیۃ اللہ طالقانی، شمارہ ۳۵۷ ''مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی'' معاونت فرہنگی و پژوہشی

ٹیلی فون: ۳_۸۸۳۲۱۴۱۱_۸۸۸۲۲۵۳۲_فیکس: ۸۸۳۲۱۴۱۴_۸۸۳۲۱۶۱۶_۲۱_۰۰۹۸

قم: خیابان ساحلی، نبش لوا سانی ۱۷، پلاک ۱۶۱/کوڈ پوسٹ ۳۷۱۶۶۳۶۵۷/ٹیلی فون ۶/۷۷۵۵۴۶۴_۷۷۵۵۴۴۵_۲۵۱_۰۰۹۸

ای میل andisheh@taqhrib.org

قیمت فی مجلّہ		سالانہ
ہندوستان ۱۰۰/ روپے	.....	۴۰۰، روپے
پاکستان ۱۰۰/ روپے	.....	۴۰۰، روپے
یورپی ممالک ۵، ڈالر	.....	۲۰ ڈالر

فہرست

روزہ ..... اداریہ	۵
فکر و شعور	
تقریب کی راہ کے مشکلات ..... آیۃ اللہ محمد علی تسخیری	۱۱
مسلحانہ مدافعت کے بارہ میں فقہی نظریات.....محمد مہدی آصفی	۲۵
فقہ مقارن .....شاہد حسین رضوی	۳۹
امام موسیٰ صدر .....محمد جواد اخگر	۷۹
اسلام اور زیبائی..... محمد علی قاسمی	۹۹
اسلامی مقدسات کی توہین.....سید نجیب الحسن زیدی	۱۰۹
اتحاد کے علمبر دار	
شیخ طوسی کی نظر میں تقریب کے اسباب..... علی اصغر احمدی	۱۵۳
عالم اسلام کا تعارف	
بوسنیا و ہرزگوئین.....ع۔ر۔امیر دہی	۱۶۷
ایک کتاب کا خلاصہ و تبصرہ	
کتاب ''الفرقان الحق'' تعارف، تبصرہ.....عزالدین رضانژاد	۱۸۷

اداریہ

روزہ

اسلام کا عبادی نظام اس کے اعتقادی ونظریاتی نظام کی طرح انسان کی صلاح وفلاح کی راہ میں بہترین روش پیش کرتا ہے۔نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکات، امر ہو یا نہی، غرض کہ ہر عبادی رکن انسان ساز اس کی تعمیر کرنے والا اور اسے اوج کمال تک لے جانے والا ہے۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اکثر لوگ عبادتوں کو ہدف اور منزل آخر سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا کوئی بھی پہلو ہدف نہیں ہے بلکہ وسیلہ ہے۔مثلاً نماز کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ایک طرف خدا کی بندگی اور عبادت کی جائے تو دوسری طرف یہی نماز ہمیں برائیوں سے اور غلط کاموں سے روکتی ہے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنْ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ نماز فحشاء اور برائی سے روکتی ہے (عنکبوت/۴۵)۔ جسکا سب سے پہلا فائدہ ہمیں اسی دنیا میں حاصل ہوتا ہے یعنی ہماری زندگی سنورتی ہے۔یوں ہی روزہ ہے جسکا مقصد ایک تو یہ ہے کہ حکم خدا کی اطاعت کی جائے لیکن اس کا بنیادی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انسان تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کرتا ہے جیسا کہ روزے سے متعلق آیت میں ارشاد ہوا: ﴿ لعلّکم تتّقون ﴾ تاکہ تم پرہیزگار اور اچھے انسان بن جاؤ (بقرہ/۱۸۳)۔ یہاں بھی اللہ کی عبادت میں ہماری زندگی کے سنورنے کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

بنیادی طور سے ہر عبادت کا مقصد قرب پروردگار کا حاصل کرنا ہے جو تمام عبادتوں کی نیتوں سے ظاہر ہے لیکن تمام عبادتوں میں روزہ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ دوسری عبادتوں میں نظر نہیں آتا۔ایک حدیث قدسی میں روزہ کے لئے پروردگار کا ارشاد یوں ہے: ''الصومُ لی و أنا اجزی به ''یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دینے والا ہوں۔علماء نے اس کو دوسرے انداز سے بھی معنی کیا ہے یعنی ''انا اجزیٰ به ''یعنی میں خود اس کی جزا ہوں۔ بظاہر مقصد یہ ہے کہ دوسری عبادتوں میں ریا کو دخل حاصل ہوسکتا ہے لیکن روزہ ایسی عبادت ہے جس

میں انسان اپنی ذات کی سختیوں میں مبتلا ہوتا ہے، فاقہ کرتا ہے، پیاسا رہتا ہے، اور یہ معمولاً ریا کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ اگر روزہ کی عبادت بجالانے والے افراد صرف اسی ایک خوبی کے عادی ہوگئے اور اپنے زندگی میں ریاکاری سے نجات پاگئے تو وہ اپنے دوسرے تمام اعمال کو خالص کرلیں گے۔ دوسروں کی نظر میں محبوب ہوجائیں گے اور اخلاص ان کی زندگی کا حاصل ہوجائے گا۔

اس کے علاوہ روزہ کے اور بھی بہت سے دنیوی فائدے ہیں۔ ہم اپنی ہر عبادت کے آغاز میں ارادہ اور نیت کو مدنظر رکھتے ہیں اور بغیر قصد وارادہ کے کوئی عبادت بھی عبادت شمار نہیں ہوتی بغیر ارادہ کی نماز، بلا ارادہ کا روزہ یا کوئی اور عبادت اٹھنا بیٹھنا یا بھوکا پیاسا رہنا تو شمار ہوسکتا ہے عبادت شمار نہیں ہوسکتا۔ عبادتوں کا سب سے اہم پہلو انسانی ارادہ کو قوت بخشنا ہے اور یہ خود انسان کے عزم وارادہ کے لئے اتنا اہم پہلو ہے کہ جس قدر انسان کے ارادے میں قوت وتوانائی آتی جائے گی، عبادت خالص ہوتی جائے گی اور یہی قوی ارادہ مختصر عبادت کو بھی کثیر بندگی میں تبدیل کردے گا اور ایک سجدہ بھی حاصل عبادات بن جائے گا۔ روزہ میں انسان کی نیت طولانی ہوتی ہے جو زندگی کے طویل عرصہ کے لئے نیت کے اخلاص کی بہترین تمرین ہے۔ انسانی زندگی میں ارادے کی قوت وقدرت سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ بظاہر جسمانی اعتبار سے کمزور نظر آنے والے افراد ارادے کی قوت وتوانائی سے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دے دیتے ہیں اور انسانوں کی کثیر جمعیت پر ایسا نفوذ اور کنٹرول حاصل کرلیتے ہیں جو جسمانی اعتبار سے قوی نظر آنے والے افراد کے تصور سے بھی بالاتر ہوتا ہے۔ روزہ جس قدر اپنے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے انجام دیا جائے انسان میں ارادے کی روحانی قوت بڑھتی جاتی ہے اور اس میں یہ توانائی بھی اسی انداز میں بڑھتی جاتی ہے کہ روزہ دار نیکیوں کی طرف روز افزوں شوق سے قدم بڑھاتا ہے اور برائیوں سے روز بروز شدت کے ساتھ دوری اختیار کرتا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ہمیں دو چیزوں سے مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے: ﴿ **واستعینوا بالصّبر و الصّلاۃ** ﴾ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (بقرہ/۴۵)، یہاں تفسیروں میں صبر سے مراد روزہ ہے چنانچہ نماز کے ساتھ ساتھ ہمیں روزہ سے بھی مدد حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ روزہ سے مدد حاصل کرنے کے کیا معنی ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ روزہ انسان میں دنیا کی تمام مشکلات سے لڑنے اور ان پر فائق ہونے کا ہنر سکھاتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ روزہ کو صبر کہا گیا ہے اور قرآن کریم ایک جگہ مجاہدوں کے سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ **إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ** ﴾ اگر تم میں سے بیس افراد بھی صبر واستقامت والے ہوں گے تو وہ دوسو افراد پر غالب آجائیں گے (انفال/۶۵)۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

امت کے لئے روزہ کا حکم دوسری صدی ہجری میں نازل ہوا اور اسی سال ماہ صیام میں ہی جنگ بدر مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان بدر کے میدان میں لڑی گئی ۔روزے کے عبادت سے سرشار مسلمان صبر و استقامت کی دولت سے مالا مال ہوکر میدان میں اتر پڑے اور انھیں اپنی تعداد کی قلّت کا بھی خوف نہ ہوا اور ہزار کے قریب مشرکوں کے لشکر پر تین سو تیرہ صابر و روزہ دار مسلمان کامیاب ہو گئے ۔

روزہ کی عبادت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی ۔بات تو یہ ہے کہ ہم اس عبادت سے اپنی دنیا و آخرت کے لئے کس قدر استفادہ کر سکتے ہیں اور موجودہ زمانے کی سماجی ،فکری ،اقتصادی ،فردی و اجتماعی مشکلات پر کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ظاہر ہے کہ ہر عبادت دنیا میں تو سنوارتی ہی ہے اور آخرت میں بھی بندہ اپنے رب کی بندگی کی بہترین جزا پاتا ہے ۔

یوم قدس

قدس کا نام جب بھی زبان پر آتا ہے اسلام کے لئے دھڑکنے والے ہر دل میں درد کا احساس بیدار ہو جاتا ہے ۔قدس جو عالم اسلام کا قبلہ اول ،پیغمبر اسلامؐ کا نقطہ معراج ،اسلامی شوکت و عظمت کا نمونہ اور کلمہ توحید پڑھنے والوں کی بہترین میراث ہے ۔استعمار پیر، برطانیہ اور یہودی صہیونیت کے ہاتھوں مسلمانوں سے چھین لیا جاتا ہے اور آج سے ساٹھ سال پہلے مسلمانوں کو ان کے اس ملک سے باہر نکال کر وہاں ایک غاصب صہیونی حکومت قائم کی جاتی ہے جس کے مظالم کا شکار نہ صرف اس ملک کے مسلمان ہوئے بلکہ آج پورا عالم اسلام یا اور واضح انداز میں کہا جائے کہ پوری دنیا اس حکومت کی گندی چالوں اور سازشوں کا شکار ہے ۔عالم اسلام میں تفرقہ ڈالنے والے عناصر اسے ایک ملک اور ایک فرقہ کے لوگوں کا مسئلہ سمجھنے کا مغالطہ کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ذرا بھی تاریخ کا مطالعہ کرے تو اسے نظر آئے گا کہ بیت المقدس صدیوں سے صلیبی جنگوں کے دوران عالم اسلام کا محاذ اول تھا اور آج بھی جب مشرق وسطیٰ کا علاقہ اور اس کے ممالک تیل اور گیس کی نعمتوں سے سرشار پائے گئے تو ایک بار پھر مذہبی جذبات کے پردہ میں فلسطین پر اس منصوبہ کے تحت قبضہ کیا گیا کہ یہاں سے پورے عالم اسلام پر نہ صرف قبضہ کیا جا سکتا ہے بلکہ دنیا کی شہ رگ حیات پر قابو پایا جا سکتا ہے اور اس کا ثبوت صہیونیوں کا بنایا ہوا عظیم اسرائیل کا وہ نقشہ ہے جس میں قبلہ اول تو کیا مکہ، مدینہ، حجاز اور وہ تمام خلیجی ممالک نظر آتے ہیں جن میں تیل اور گیس کی دولت پائی جاتی ہے ۔یہ کام کچھ اس قدر زیرکانہ انداز سے کیا گیا اور عالم اسلام میں اس قدر وحشت پھیلائی گئی کہ کسی کو استعماریوں اور صہیونیوں کے خلاف لب کھولنے کی بھی جرأت نہیں رہ گئی تھی اور عالم اسلام کے ساتھ ساتھ خود اس ملک کے مسلمان

بھی تن بتقدیر ہو کر ساکت بیٹھ گئے تھے اور دوسرے ملکوں میں پناہ گزینوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر راضی ہو گئے تھے۔

ہمارے بابصیرت علما نے ابتدا سے ہی اس حرکت کے خلاف آواز اٹھائی، ان میں سب سے زیادہ مضبوط آواز حضرت امام خمینیؒ کی تھی جنھوں نے صہیونی حکومت کے خلاف مختلف طریقوں سے تحریری اور تقریری شکل میں احتجاج کیا۔ آج سے اکتیس سال پہلے اسلامی انقلاب اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینیؒ نے ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو یوم قدس کا نام دیا تھا۔ ابتدا میں یہ آواز صرف آپ کی آواز تھی جس پر ایران کے مسلمان عوام نے لبیک کہی لیکن رفتہ رفتہ یہ احتجاج ایران کے حدود سے باہر بھی قوت پکڑتا گیا۔ پہلے عام طور سے مسلمانوں کو یہ ایک معمولی بات لگی لیکن رفتہ رفتہ جب اس کی توانائی میں اضافہ ہوتا گیا تو اس پیغام نے ان مظلوم مسلمانوں کے مردہ دلوں میں بھی زندگی کی وہ روح پھونکی کہ انھیں سر سے پاؤں تک مسلح دشمن کے مقابل اپنی جانوں کی بازی لگانے پر آمادہ کر دیا۔ فلسطین کی سرزمین پر رونما ہونے والا اور مغرور استعماری دشمنوں کے دانت کھٹے کر دینے والا اسلامی انتفاضہ اسی یوم قدس کے احتجاج کی دین ہے۔ کل تک استعمار اپنے طاقت کے نشے میں چور یوم قدس کی طاقت کا مزاق اڑاتا تھا لیکن آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یوم قدس کے عظیم عالمی احتجاج کو کمرنگ کرنے کے لئے انہی دنوں محمود عباس اور اسرائیلی حکام کی میٹنگ امریکہ میں منعقد کی جاتی ہے اور اس کا بڑا ہوّا کھڑا کیا جاتا ہے لیکن اب انھیں بھی یہ احساس ہو چلا ہے کہ یوم قدس کا احتجاج ان کے سر چڑھ کر اپنا لوہا منوانے لگا ہے اور وہ دن دور نہیں جب یہ احتجاج اسرائیل کی نابودی اور مظلوم فلسطینیوں کی کامیابی کا یادگار دن بن جائے گا۔

فکر و شعور

تقریب کی راہ کے مشکلات

آیۃ اللہ محمد علی تسخیری [1]
ترجمہ: محمد باقر رضا

خلاصہ:

''اسلامی متون کے مضامین اور علماء و مصلحان کی کوششیں، اسلامی مذاہب کی تقریب اور عقلی و منطقی گفتگو کو برقرار کرنے اور رکھنے کے سلسلہ میں برابر رہی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس کو مکمل طور سے سمجھا جائے، تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور عام لوگوں کو اس سے آگاہ کیا جائے اس کو عملی طور سے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ فکر و عمل میں وحدت کے لئے دینی، اجتماعی نیز سیاسی جذبوں سے استفادہ کیا جائے۔ نیز ضروری ہے کہ اس راہ کی مشکلات اور دشواریوں کو پہچانا جائے۔

راقم اس تحریر میں تقریب کی راہ کے اہم مشکلات کو مندرجہ ذیل توضیح کے ساتھ بیان کرتا ہے: ۱۔ بیرونی اسباب، ۲۔ بعض حکام اور خواص کے ذاتی مفادات، ۳۔ تکفیر ۴۔ گفتگو میں حصہ لینے والوں کی نیت پر شک و شبہہ، ۵۔ ماضی پر لڑائی جھگڑا اور ایک دوسرے کے مقدسات اور شخصیات کی توہین و بے احترامی۔''

کلیدی الفاظ:

تقریب کے مشکلات، رکاوٹیں، بیرونی اسباب و علل، تکفیر، نیت میں شک و شبہہ، ذاتی مفادات۔

علماء و مصلحین اور مفکرین کی محنت و کوشش نے مسلمانوں کی عام رغبت کو اس طرف موڑ دیا ہے کہ 'تقریب مذاہب اسلامی' کی راہ اپنائی جائے اور ہر زبان کو چھوڑ کر عقل و منطق و استدلال کی زبان استعمال کی جائے تا کہ اسلام کی حقیقی بنیاد کو بھی مدنظر رکھا جا سکے اور عالمی تناظر میں تہذیب و تمدن اور تہذیب و ادیان کی گفتگو کی طرف مائل ذہنیت کو بھی سکون دیا جا سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی متون، شرعی احکام و مفاہیم اور علماء و ائمہ کے اقوال اسی طرح ان کے اعمال و کردار سب کے سب اس طریقہ کو اپنانے اور اس طرح کے نتائج کے حصول کی مقدمہ چینی کی دعوت دیتے ہیں۔

ہم اس مسئلہ کو ایک فال نیک سمجھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ اس فکر کا ذہن و دل میں راسخ کرنا اور اس کو گہرائی و گیرائی عطا کرنا ایک ناگزیر اور ضروری کام ہے۔ کیونکہ ہماری نگاہ میں یہ کام علمی بھی ہے اور نفسیاتی بھی اسی طرح اخلاقی بھی۔ جس میں ایک مسلمان دوسروں سے اپنے اختلاف نظر سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے اور ان اختلافات کے نقصان دہ نتائج سے چشم پوشی کرتے ہوئے واحد موقف تک پہنچ جاتا ہے جس کے سبب امت اسلامی کے سامنے پیش آنے والی مشکلات سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور امت کے اندرونی مسائل بھی حل ہونے لگتے ہیں، اور یہ خود اس کی بے مثل شخصیت کے صفات و کمالات ہیں۔

یہ گہرائی و گیرائی پیدا کرنے کا کام ایسا ہے جس میں خود بخود ایسے امور انجام پائیں گے جن کے سبب اجتماعی بنیادوں اور عام فکر کے اخلاق میں قریب ہونے کی رغبت پیدا ہوگی اور پھر مفاہمت و ہمدلی کا ماحول بن جائے گا۔ ایسا ماحول اگر پیدا ہو جائے تو پھر تقریب مخالف اور دوریاں پیدا کرنے والی ہر آواز معمول سے ہٹی ہوئی اور نامانوس لگے گی جس کی وجہ سے ماحول خراب ہو رہا ہو۔

اس ہدف تک اس وقت پہنچا جا سکتا ہے جب علماء و مفکرین، پہلے تو اس مہم کو مکمل طور سے درک کر لیں اور اس کی عادت ڈال لیں؛ دوسرے یہ کہ اس کی تاریخ کو ملاحظہ کریں اور امت اسلامی کی تاریخی و تہذیبی پیش رفت پر اس کے اثرات کا مطالعہ کریں؛ تیسرے یہ کہ عام لوگوں کو اس کے بارے میں اور اس کے آثار کے بارے میں آگاہ کریں اور اس مہم کو عملی اقدام اور روزانہ کے مسائل میں تبدیل کر دیں۔ تا کہ اس طرح پیش نظر مقصد حاصل ہو جائے اور مطلوبہ اخلاق بھی رائج ہو جائے۔

البتہ ممکن ہے اس مسئلہ کے لئے ضروری ہو کہ اجتماعی، تحقیقاتی اور دیگر میدانوں میں مشترک مہم چلائی جائیں۔ اس مرحلہ میں دو اہم باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

الف: دینی و اجتماعی حتی سیاسی جذبوں سے استفادہ کرنا تا کہ فکری تقریب اور عملی وحدت کی طرف حرکت

کرنے کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اور ان حالات کو پیدا کرنا جن میں علماء کے درمیان مشترکات میں تعاون ہوتا آیا ہے، ایسے حالات کا دائرہ وسیع ہے، اور بعض لوگ تو اس حد تک پہنچے کہ مسائل میں دوسروں کے ساتھ اختلاف کے سبب معذرت خواہ ہوئے۔

ب: ان مشکلات اور رکاوٹوں کو پہچاننا جو اس کی راہ میں کھڑی ہوئی ہیں۔

پہلی بات کی بڑی اہمیت ہے لیکن اس کے باوجود اس وقت یہ ہماری بحث کا موضوع نہیں ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ وحدت کے حصول میں قرآن کے مختلف طریقوں سے استفادہ کیا جائے، مثلا براہ راست دعوت دینا اور عاقلانہ سلوک کرنا نیز دوسروں کے ساتھ عقلی و منطقی اور اطمینان بخش گفتگو کرنا اسی طرح اس پر توجہ دینا کہ اسلامی امت کے دشمن اپنی مشکلات و اختلافات کے باوجود متحد و متفق ہیں اس کے علاوہ وحدت کے مثبت اور اچھے نتائج اور تفرقہ و تنازع کے منفی اور برے نتائج کو ذکر کرنا وغیرہ۔ لیکن جو ہماری توجہ کا مقصد ہے وہ دوسری بات ہے یعنی اس تقریب و ہمدلی کے سامنے آنے والی مشکلات اور رکاوٹوں کو سمجھنا، اگرچہ یہاں پر تفصیل کے ساتھ اس موضوع کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

تقریب کی مشکلات

یہ مشکلات اور رکاوٹیں زیادہ بھی ہیں اور سخت بھی۔ ان میں سے بعض کو دشمن نے پیدا کیا ہے بعض کو امت اسلامی کے اندر ہی کچھ لوگوں نے کھڑا کیا ہے، ان میں اہم ترین کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

ا۔ بیرونی سبب

واضح ہے کہ اس امت کے دشمن ایسے حالات پیدا کرتے ہیں جن سے یہ امت تفرقہ و پراکندگی کا شکار ہو جائے۔ اور یہ لوگ ہر اس چیز کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں جو وحدت و ہمدلی کا باعث بنے۔ اس سے پہلے بھی مشاہدہ کیا گیا کہ مغربی استعمار نے عالم اسلام پر اپنے قبضہ کے دور میں خاص طور سے اس دور میں جب پورے عالم اسلام کو اپنے پنجہ، قبضہ، و اقتدار میں جکڑ رکھا تھا اور بیسویں صدی کے نصف اول میں اسلامی حکومت کی آخری طاقتور حکومت (عثمانی) کا تختہ الٹ دیا تھا، اس وقت اس نے تین مقاصدی سیاست کو اپنایا:

ا۔ امت اسلامی کو علمی، معاشی، ثقافتی، تعلیمی جیسی ترقیوں سے باز رکھنا۔

۲۔ مغربی لائیزم (لادین حکومت) کی نشر و اشاعت اور عالم اسلام پر چھائی اسلامی فضا پر اس کو مسلط کرنا اور قومی و نژادی امتیازات کو ابھارنا البتہ یہ سازش بڑی جلدی ناکام ہو گئی۔ اور ایک عصری قلمکار نے اسے 'لائیزم کی

بہت زیادہ غیر دائمی فتح' (۱۹۲۰تا۱۹۷۰) کا نام دیا ہے۔

۳۔ عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اس کو ممالک اور قوموں میں بانٹ دینا اور مذہبی، جغرافیائی، قومی، نژادی اور حتی تاریخی جذبات کو بھڑکانا اس طرح کہ اس کے ہر حصہ کو اس بات پر راغب کیا کہ اسلام سے پہلے یا اسلام کے بعد کی اپنی خاص تاریخ پر تاکید کرے، یہاں تک کہ بعض مشرق وسطی کی قوموں کو اس بات کی ترغیب دلائی کہ وہ تیمور لنگ جیسے طاغوتوں کو قومی شخصیت کے اعتبار سے تعریف وتمجید سے نوازیں۔ اور عالم اسلام کے خلاف اس کے ظلم وستم کو بھول جائیں اور یہ سب اسلامی اتحاد کے خوف سے کیا گیا جس کے بارے میں مسلسل مغربی متفکرین و مؤلفین کی طرف سے باتیں کہی گئیں۔ اور عالم اسلام سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلسل نظریہ سازی اور منصوبہ بندی کی جاتی رہی۔ اور یہی وجہ ہے کہ مغربی مؤلف محترمہ 'شیرین ہینٹر' اپنی کتاب 'اسلام اور مغرب کا مستقبل' میں یوں لکھتی ہیں:

'۱۹۱۶ء میں برطانیہ کی فوج میں اطلاعات کی عہدیدار رہنے والی محترمہ 'جان بوشین' نے جو ناول لکھا اس کی بنیاد ایک اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کے فرضیہ پر استوار تھی۔ جو اگر برپا ہو جاتا تو پہلی عالمی جنگ کے رخ کو اتحادیوں کے خلاف موڑ سکتا تھا۔

بوشین نے 'سبز عبا' (The green mantle) نامی اس ناول میں لکھا ہے کہ:

''اسلام ایک جہادی اور استقامت پسند عقیدہ کا نام ہے، اور اب بھی اس کا دینی رہبر یا امام محراب میں کھڑا ہوتا ہے اور ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں مشہور شمشیر کو رکھتا ہے؛ اب اگر ہم فرض کریں کہ نجات کی امید ہو جسے وہ پس ماندہ علاقوں کے کسانوں کو دے اور جنت کے سلسلہ میں ان کے خوابوں کو ٹھوکا دے، تو میرے دوست جانتے ہو کیا ہوگا؟ بڑی جلدی دوزخ کے دروازے اس دنیا پر کھل جائیں گے؛ ہر علاقہ سے علماء کے بارے میں ایک رپورٹ میرے پاس پہنچی ہے؛ روس میں چھوٹے تاجروں کے بارے میں، افغانستان میں گھوڑے کے تاجروں کے سلسلہ میں، ترکمن کے تجار کے بارے میں، مکہ کی راہ کے حجاج کے بارے میں، شمال افریقہ کے بڑے خاندان (سادات) کے سلسلہ میں، مغل کے پوست پوش اور ہندوستان کے فقراء کے بارے میں، خلیج میں یونان کے تجار اور اس کنسول کے بارے میں جو کوڈ استعمال کرتے ہیں، یہ سب کے سب اپنی اپنی روایتوں اور رپورٹوں میں جو مجھ تک پہنچتی ہیں اس بات

پر متفق ہیں کہ مشرق ایک الٰہی اشارہ کا انتظار کر رہا ہے'۔

تقریباً پچھتر سال بعد امریکہ کا سیاسی مبصر 'چارلز کریوسمر' بھی اسی طرح کے خوف وخطرہ کے بارے میں کہتا ہے اور یاد دلاتا ہے کہ 'یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ' کے سامنے دو جیؤ پولٹک خطرے ہیں جن میں سے ایک اس جگہ سے آغاز ہوتا ہے جس کا اشارہ 'جان بوشین' نے اپنی ناول 'سبز عبا' میں کیا ہے۔ اور وہ یوں ہے ''عالم اسلام ایرانی طرز کی بنیاد پرستی کی شکل میں متحد ہو کر سامنے آئے گا جو کافر مغرب کے خلاف موت وزندگی کی لڑائی لڑے گا''۔ (ہینٹر، ص ۱۱۱)

یہاں ہمیں وہ بیرونی اور بیگانہ ہاتھ صاف دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان، عراق، افغانستان، لبنان، اور دوسرے ملکوں میں جہاں مختلف مذاہب کے لوگ مل جل کر رہتے ہیں وہاں یہ لوگ فساد وتفرقہ کو ہوا دیتے ہیں، اور چہ بسا اسی مقصد کے تحت ہو کہ یہ لوگ بکے ہوئے میڈیا، قلم اور زبانوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اور ایران (یا شیعہ) کے اثر ورسوخ یا وہمی خوف کو اچھال کر امت اسلامی میں پراکندگی اور تفرقہ پیدا کرتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کے وسائل وانرجی کو برباد کرتے ہیں تا کہ امت اسلامی اپنی وحدت کو بھول جائے اور اپنے اصلی مسئلہ اور حقیقی دشمن کو بھول جائے اور مسئلہ کو عربی ایرانی مسئلہ یا عربی کردی مسئلہ بنا ڈالے اور یہ ظاہر کرے کہ اسلامی تحریک اور عالمی استکبار واستعمار اور اس کی ناجائز اولاد اسرائیل کے درمیان کوئی مقابلہ ومزاحمت نہیں ہے۔

۲۔ بعض حکام وزعما کے ذاتی مفادات

یہ ایسا مسئلہ ہے جسے ہم گزشتہ سیاہ تاریخ اور آج کے عہد میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، اور یہ اس طرح سے ہوتا تھا کہ بعض لوگ اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے تھے اور اس طرح عام لوگوں کو یا اہل علم کے رشتہ داروں کو فرقہ وارانہ فساد اور خاندانی چپقلش پر ابھارتے تھے۔ حاکم طبقہ کے شہ دینے کے سبب ہونے والی ایک فرقہ وارانہ جنگ کے سلسلہ میں ایک مؤرخ لکھتا ہے:

''کوئی سال ایسا نہیں گزرا جب سنی شیعہ جھگڑے کے عنوان سے عربی اسلامی علاقوں میں کوئی طوفان نہ اٹھا ہو۔ ۳۴۹ھ کو خود ترکوں نے شیعوں کو کچلنے کا بیڑا اٹھایا اور اس مڈبھیڑ کے بیشتر متاثرین بغداد کے 'الشاکریہ' نامی علاقہ کے لوگ تھے۔ اس میں بغداد کے مرکزی قید خانہ پر حملہ کیا گیا اور 'کرخہ' اور 'رصافہ' کو جوڑنے والے دو پلوں میں سے ایک کو نذر آتش کر دیا گیا...''۔

اسی طرح وہ مصر میں فرقہ وارانہ اور خاندانی فتنہ وفساد میں، عراق کے جنوب میں کالوں کی تحریک کے

آغاز اوراس کے 'مدینہ منورہ'، 'طبرستان' اور شمالی افریقا تک پھیل جانے کے اندر حکومتوں کے کردار کو بیان کرتا ہے ۔(انصاری،ص۲۳۳)

یہی کافی ہے کہ ہم عثمانیوں اور صفویوں کے درمیان چلنے والی جنگوں کو بیان کریں جو کہ چار سو سالوں تک چلیں۔جس کے سبب اندرونی فرقہ وارانہ فسادات ہوئے،امت اسلام کی عزت وشوکت اور اقتدار ہلکا پڑا۔

مغربی مؤلف 'ارنسٹ بارکر' کی کتاب 'الحروب الصلیبیۃ' کے مترجم جناب 'البازالعرینی' کہتے ہیں:

''صلیبیوں (عیسائیوں) کی کامیابی کا راز صرف ان کی زیادہ تعداد اور بیزانس کی حکومت کی طرف سے ان کی پشت پناہی میں محدود نہیں ہے، بلکہ بنیادی طور سے مسلمانوں کے تفرقہ اوران کی سیاسی و دینی بے اتحادی اور پراکندگی ان کی کامیابی کا رازتھا؛ اسی زمانے میں جب صلیبی فوجیں مشرق کی راہ پر چل پڑی تھیں اسی وقت سلاجقہ کے امراء 'دقاق' اور 'رضوان' کے درمیان شام کی حکومت کے لئے رسہ کشی اپنے اوج پر پہنچ گئی اور جب صلیبی فوجیں شام کے قریب ہورہی تھیں اس وقت ان لوگوں کے درمیان جنگ برپا ہوگئی۔بغداد میں عباسی خلافت اور قاہرہ میں فاطمی حکومت کے درمیان دینی وسیاسی اختلافات کسی طرح صلیبیوں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔اور جب شام میں سنی حکام نے فاطمی خلیفہ سے رابطہ برقرار کرنے کی کوشش کی اور اس سے صلیبیوں کی پیش رفت روکنے کے لئے مدد چاہی تو فاطمی خلیفہ اس مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے تیار نہیں ہوا''

جب صلیبیوں کی کامیابی عالم اسلام کی سیاسی و دینی اختلافات کے سبب ہوئی تو مسلمانوں کے قائدین و حکام نے کوشش کی کہ اس تفرقہ کے اسباب پر مسلط ہوں،اسی وجہ سے دینی جہاد کی تحریک کا اعلان کردیا،اس کی بنیاد پر کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام،شمالی الجزیرہ (شبہ جزیرۃ العرب) اور مصر میں اتحاد ہوگیا اوراس طرح دریا کے ساحلوں پر صلیبیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا؛اس کے بعد فاطمی خلافت کو ختم کردیا گیا اور مصر کے علاقہ کو سنی مذہب کی طرف دعوت دی گئی،معنوی وحدت بھی وجود میں آئی اور 'صلاح الدین ایوبی' صلیبیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔اکثر ان زمینوں کو واپس لے لیا جن پر انھوں نے قبضہ کرلیا تھا اور یہ سیاست ایک قاعدہ اور فارمولہ بن گئی جس پر 'ایوبیوں' نے اور 'ممالیک' نے عمل کیا اور پھر ۱۳۹۱ء میں مکمل طور سے صلیبیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اوراس کے علاوہ اسلامی سرزمین،مغلوں کی پے در پے شکست کے سبب اس قوم سے بھی

نجات پا گئی۔

میں نے اس کتاب کا عربی میں بھی ترجمہ کیا ہے، یہ کتاب بتاتی ہے کہ صلیبی تحریک استعماری مقاصد کے ساتھ کس طرح ہم قدم تھی اوران اسباب وعلل کو بیان کرتی ہے جو صلیبی جنگوں میں کارفرما تھے اور واضح کرتی ہے کہ مشرق ومغرب کی باہمی دشمنی ماضی کی کئی صدیوں پر محیط رہی ہے اور مغرب نے اپنے استعماری طریقوں کو بروئے کار لاکر کوشش کی ہے کہ اپنے استعماری مقاصد وآرزوں تک پہنچ سکے۔اس کتاب میں جس ضمیمہ کا میں نے اضافہ کیا ہے وہاں میں نے توضیح دی ہے کہ عربی دنیا نے اس وقت ہوشیاری سے کام لیا اوراس بات کو سمجھا کہ اتحاد اور صبر و جہاد کے بغیر دشمن کو کسی طرح شکست نہیں دی جاسکتی، نیز بہتر ہے کہ ہم اس بات کو بھی بیان کریں کہ جس دینی جہاد کا اعلان مسلمان قائدین اور علماء نے کیا تھا اسے عالم عرب کی سرزمین پر ہر جگہ لوگوں کی طرف سے قبول کیا گیا '۔

مولف کتاب اس کی تیسری فصل میں مسلمانوں کی باہمی جنگوں کو (جن کے سبب صلیبیوں کے حملے کی زمین ہموار ہوئی) بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'' ایشیائے صغیر' حالیہ ترکی' اور شام کی حالت ۱۰۹۷ء میں مختلف زاویہ نظر سے صلیبیوں کی کامیابی کے حق میں تھی، سلجوقی اپنی فتوحات میں صرف فوجی قبضہ تک اقدام کرتے تھے۔سلجوقی فوجیں کچھ شہروں میں مثلاً فینیقیہ' اور' انطاکیہ' میں تیار ہوچکی تھیں اور صلیبیوں سے مقابلہ اوران کے سامنے ڈٹ جانے کے لئے آمادہ تھیں؛ اسی طرح سلجوقی لشکر چاہے مستقل طور پر یا وقتی اور عبوری طور سے مخصوص جگہوں پر لگ چکے تھے۔ لیکن وہاں کے عوام اوراس سرزمین کے باشندے ہمیشہ سلجوقی فوجی کیمپوں کے مخالف تھے۔ بہت سے بڑے بڑے علاقوں میں کسی طرح کی فوجی نفری موجود نہیں تھی۔اس ماحول میں فاطمی حکام کے دلوں کے اندر اس میں کوئی تردد نہیں تھا کہ ان اختلافات اور ٹکراؤ سے استفادہ کیا جائے۔اس کے علاوہ قاہرہ میں فاطمی خلیفہ اور شیعہ مذہبی رہنما نیز بغداد میں عباسی خلیفہ اور سنی مذہبی رہنما کے درمیان کا ایک بڑا دینی اختلاف بھی ان کو ایک دوسرے سے الگ رکھتا تھا۔اس اختلاف کو اس اختلاف سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو یونانی اور لاتینی کلیسا کے درمیان سر اٹھائے ہوئے تھا اور ان اختلافات میں سیاسی پہلو کی موجودگی اس کو دوسرے اختلافات سے بڑا دکھاتی تھی۔ بہر حال یہ اختلافات اور ٹکراؤ مسلمانوں کے آگے بڑھنے میں رکاوٹ بنے جیسا کہ' الکسیوس' اور'

لاتین' کا باہمی کینہ وحسد صلیبی جنگوں کی پیشرفت رک جانے کا باعث بنا۔

صلیبی حکمران اس شکاف اور اختلاف کی طرف اچھی طرح متوجہ ہو گئے جو قاہرہ کے خلیفہ اور سنی مذہب کے حکمران کے درمیان تھا۔ اور انھوں نے اپنے نمائندے بھیج کر اس بات کی کوشش کی کہ قاہرہ کے خلیفہ سے رابطہ برقرار کیا جائے تا کہ اس کی مدد کے ذریعہ بیت المقدس پر قبضہ کر سکیں جو کہ اس وقت ترکوں کی نیابت میں امیر 'ارتق' کے بیٹے 'سقمان' کے زیر حکمرانی تھا۔[۲]

لیکن فاطمی خلیفہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اکیلے ہی کام کرے اور شام کے حکام کے درمیان پائی جانے والی کشمکش اور رسہ کشی اسی طرح صلیبیوں کے درمیان پائے جانے والے خوف وہراس سے فائدہ اٹھائے اور وہ ۱۰۹۸ء کو بیت المقدس پر حملہ بول بیٹھا، اور یہ اس کے باوجود تھا کہ صلیبی جنگ کے رہنماؤں نے کسی طرح سے مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی رسہ کشی سے استفادہ نہیں کیا تھا اور ان اختلافات کو اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے استعمال نہیں کیا تھا۔ حقیقت میں ان کی زیادہ تر کامیابیاں اسی رسہ کشی کا نتیجہ تھیں۔ شام کے امراء کے درمیان کا شکاف اور عباسیوں کے درمیان کا جھگڑا ہی اس بات کا سبب بنا کہ صلیبیوں کو اس کا موقع ملے کہ وہ 'بیت المقدس' پر حملہ بول دیں اور مملکت 'بیت المقدس' تشکیل دیں۔ لیکن لاتینی عیسائیت کی تاریخ اس وقت رقم ہوئی جب ۱۱۳۰ء میں ایک نئی طاقت نے جنم لیا جو شام کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئی اور پھر وہ ایک ساتھ 'صلاح الدین ایوبی' کے سپرد ہو گئے'۔

کتاب کی تیرہویں فصل میں اپنے خط میں صلیبی جنگوں کے شکستوں کی تلافی کے لئے 'سرزمین مقدس کی بازیابی' کے عنوان سے 'پیر دبوا' کی طرف سے پیش کی گئی تجویز کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ:

'ہم جانتے ہیں کہ موجودہ نظام کو ایک عرصہ دراز گزر جانے کے بعد ہی رسمی طور سے مانا جائے گا لہذا عوام کو اس بات کی طرف دھیان دینا چاہئے کہ نئی کوششیں کریں اور خشک شاخوں کو نئی زندگی عطا کریں۔ اس کی مثال 'پیر دبوا' (Pierre Dubois) ہے جس نے ۱۳۰۷ء میں برطانیہ کے بادشاہ 'پہلے اڈوارڈ' کو مخاطب کر کے 'سرزمین مقدس کی بازیابی' (Derecuperation Sanctae Terrae) کے عنوان سے اپنا مشہور رسالہ لکھا اور اس میں یورپ کی ایک کمیٹی بنانے پر زور دیا جو صلح کو برقرار رکھ سکے اور ۱۱۹۲ء کے جیسے حوادث اور جھڑپوں سے روک سکے جس کے سبب صلیبی جنگوں کی ناکامیاں دامن میں آئیں۔ اس عالمی (گروہی) دفاع کے ساتھ ساتھ ہی کلیسا کے تجربہ اور اس کی آمدنی کا دفاع اور صلیبی جنگوں کی مالی پشت پناہی کے لئے ایک فارمولہ کی ضرورت کے بارے میں بحث ہوئی۔ ان تجویزات میں ایسے بھی موارد تھے جن کو ان لوگوں نے پیش کیا جو مشرق کی

شناخت وآشنائی میں شہرہ رکھتے تھے اور علمی لحاظ سے بھی یہ تجاویز بڑی اہمیت رکھتی تھیں اگر چہ ان میں سیاسی پہلو نہیں پایا جاتا تھا۔ مثلاً ان تجاویز میں سب سے اہم تین تجویزیں یہ تھیں: ایک بین الاقوامی بیڑا جو مصر کی بحری ناکہ بندی کرے، مغلوں سے اتحاد اسی طرح دو بڑے دینی قبیلہ یعنی 'داؤیوں' اور 'اسپارٹوں' سے اتحاد'۔ (رسالۃ التقریب، ش ۶۹، ص ۲۲۹۔۲۳۶)۔

۳۔ تکفیر

'تقریب' کے راستے کی رکاوٹوں اور مشکلات میں سے ایک اہم رکاوٹ اور مشکل 'تکفیر' ہے جب کہ اسلام نے ایمان وکفر کے درمیان کی حد کو واضح طور سے بیان کر دیا ہے پھر بھی یہ تعجب انگیز کام پوری قوت سے جاری وساری ہے۔

'عبادہ ابن صامت' کی نقل کردہ حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'جو شخص بھی "**لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و محمدا عبدہ و رسولہ و عیسی عبد اللہ و رسولہ و کلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ**" کی شہادت دے اور ایمان رکھے کہ جنت حق ہے دوزخ حق ہے تو اس نے جو بھی کام کیا ہو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا'۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ: اللہ اسے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے وہ چاہے گا جنت میں داخل کرے گا۔ اور ترمذی نے روایت کی ہے 'جو بھی "**لا الہ الا اللہ و محمدا رسول اللہ**" کہے اللہ دوزخ کی آگ کو اس کے اوپر حرام کر دے گا'۔

امام صادق علیہ السلام سے سنا گیا کہ آپ نے فرمایا:

> ''اسلام لا الہ الا اللہ کی شہادت اور اللہ کے پیغمبر کی تصدیق ہے، پھر اس کے بعد خون بہانے سے پرہیز ہوگا اور نکاح ومیراث کے احکام جاری ہوں گے اور اسی ظاہر پر لوگوں کی جماعت کی تشکیل ہے''۔ (کلینی، ۱۳۸۸ق، ج ۲، ص ۵۲)۔

قرآن کریم اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو عاقلانہ برتاؤ اور عقلی ومنطقی واستدلالی گفتگو نیز شرعی بنیادوں پر انجام پانے والے متعدد ومختلف اجتہادوں کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ مسئلہ تعصب کے ماحول کے زیر سایہ پہلے تو خوارج کی شکل میں سامنے آیا اس کے بعد باوجودیکہ امت اسلامی نے اس مرحلہ کو کسی نہ کسی طرح سے گزار دیا تھا اور مذاہب اسلامی کے پیشواؤں کے دور میں حالات معمول پر

آ گئے تھے اور ان پیشواؤں نے اسلام کے عقلی و منطقی و استدلالی حسین چہرے کو نمایاں کر کے دکھا دیا تھا اور اپنے پیروکاروں کی اس کی بنیاد پر پرورش کی تھی لیکن پھر بھی بہت سے اسباب و علل کے باعث یہ منحوس راگ دوبارہ پلٹ آیا۔

ایسا لگتا ہے کہ جن اسباب کے تحت ہم اس مشکل سے دوچار ہوئے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ دوسروں نے ان کی بات کے نتائج کی مذمت کی لیکن وہ خود ایسے نتائج کے منتظر نہیں تھے انھیں اندازہ نہیں تھا کہ اس کے یہ نتائج نکل آئیں گے۔

مثلاً ماضی میں خوارج نے معاذ اللہ حضرت علی علیہ السلام کی تکفیر کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حکمیت کے مقابل حضرت کا موقف معاذ اللہ کفر کے برابر ہے۔ ان (خوارج) کے بیان کے مطابق جب حضرت علی علیہ السلام نے دونوں حَکَم سے کہا کہ 'اگر معاویہ حق پر ہو تو اس کو خلیفہ رہنے دو اور اگر میں حق پر ہوں تو مجھے خلیفہ رہنے دو' تو آپ نے اپنے بارے میں شک کیا' اور جب اپنے بارے میں شک کیا تو کیونکہ آپ کو نہیں معلوم تھا کہ معاویہ حق پر ہے یا وہ خود تو انھوں نے اپنے بارے میں شک کیا اور ہم ان کے بارے میں ان سے زیادہ شک رکھتے ہیں'۔

لیکن امام نے ان کو اس طرح جواب دیا: 'یہ میں نے اپنے بارے میں شک نہیں کیا ہے ہاں میں نے چاہا کہ انصاف پسندانہ بات کروں، اللہ نے بھی فرمایا ہے: 'و انا او ایاکم لعلی هدی او فی ضلال مبین' [میں یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں] اور یہ ہرگز شک نہیں تھا اور اللہ جانتا تھا کہ اس کا نبی حق پر ہے'۔ (طبرسی، ۱۴۰۳ھ، ج۱، ص/۱۸۸)۔

پیشوایان مذاہب کے عہد کے بعد اس صورت حال نے مزید پاؤں پھیلائے اور اسے ہم نے 'ذات الٰہی پر صفات الٰہی کا اضافہ' اور 'حسن و قبح عقلی' کی شکل میں دیکھا کہ تنازعہ کے دونوں دھڑے اس پر مصر تھے کہ دوسرے دھڑے کا نظریہ اسے کفر کے کھائی میں ڈھکیل دیتا ہے۔

ہم اس مصیبت اور مشکل کو دوسرے مسائل مثلاً 'توسل'، 'شفاعت' اور 'بدا' کے مسائل میں اور حتی 'استحسان'، 'قیاس' اور 'مصالح مرسلہ' میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ جب کہ اگر سب لوگ عقلی و منطقی بحث کا دامن ہاتھ میں رکھیں تو ملے گا کہ سامنے والا کچھ نہ کچھ توجیہات ان مسائل کے بارے میں رکھتا ہے اور بہت سے ایسے مقامات بھی آئیں گے جہاں انھیں لگے گا کہ یہ جھگڑے صرف لفظی ہیں نہ کہ حقیقی۔ ممکن ہے کہ ایک فقہی مسئلہ کا نزاع ایسے مرحلہ میں پہنچ جائے کہ مخالفین پر گمراہی و بدعت گزاری کی تہمت لگانے لگیں؛ مثال کے طور پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ زوجہ بالغہ مدخولہ جو حاملہ نہ ہو اور پاک بھی نہ ہو یا پاکی میں اس سے نزدیکی کی گئی ہو تو اس کے طلاق سے نہی کی گئی ہے لیکن آیا

اگر طلاق دے دیا گیا تو طلاق باطل ہے یا صحیح اس میں اختلاف ہے یعنی صرف گناہ کیا ہے اور طلاق صحیح ہے یا یہ کہ گناہ بھی ہوا ہے اور طلاق بھی باطل ہے؟ کچھ علماء کا خیال ہے کہ گناہ کے انجام پاتے ہی طلاق ہو جائے گا اور کچھ علماء کہتے ہیں کہ طلاق باطل ہے، لیکن کچھ لوگ ان پر گمراہی اور بدعت گزاری کا الزام لگاتے ہیں۔ (مغنیہ، ۱۴۰۲ھ، ص ۴۱۱)۔

حملے اور جوابی حملے ایک عجیب مرحلہ تک پہنچ گئے ہیں، مثال کے طور پر مرحوم 'تقی الدین سبکی' نے اپنی کتاب 'طبقات الشافعیہ الکبری' میں اپنے استاد اور مشہور عالم 'ذہبی' کے بارے میں لکھا ہے کہ: ہمارے یہ استاد 'ذہبی' صاحب اس طرح کے ہیں کہ: ان کے پاس علم بھی ہے اور دیانت بھی اور اہل سنت (یعنی اشاعریہ) کے سلسلہ میں بہت زیادہ تحمل رکھتے ہیں اس لحاظ سے جائز نہیں ہے کہ ان پر اعتماد کیا جائے... اور وہ (سبکی) تعصب میں زیادہ روی کی اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ مذاق اڑنے کا باعث ہوئے'۔ (سبکی، بے تا، ج ۲، ص ۱۳۔۱۵)۔

اور 'ابن حزم' کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ: 'اس کی کتاب ''الملل والنحل'' بدترین کتابوں میں سے ہے'۔ (ایضا، ج ۱، ص ۹۰)۔

جہالت اور تعصب نے بھی کام کو اور خراب کر کے رکھ دیا ہے، کیونکہ ایسے لوگ فتوی کے میدان میں اتر آتے ہیں کہ جو کسی طرح سے بھی اس کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فتویٰ دیتے ہیں، اور یہ ایسی چیز ہے جو ہمارے اس تکفیری دور میں خوب اچھی طرح دکھائی دے رہی ہے اور دین و امت کے دفاع کے نام پر بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے جب کہ دین بھی اس سے بیزار ہے اور امت بھی اس سے بیزار ہے۔

۴۔ گفتگو میں حصہ لینے والوں کی نیت پر شک وشبہہ

یہ کام مطلوبہ پرسکون ماحول بنانے میں مدد نہیں کرے گا اور ایک طرح سے مطلوبہ نتائج کے حصول میں رکاوٹ، بہانہ اور ٹال مٹول کا باعث بنے گا۔ ہم نے اسی بات کو مختلف ادیان کی باہمی گفتگو کے سلسلہ میں بھی ملاحظہ کیا ہے، کہ سامنے والا اپنے ذہنی تخیلات وافکار کو دوسرے پر تھوپنے کے درپے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عیسائی اپنی تمام صلیبی کینہ توزیوں اور 'بدعت اسلامی' کے سلسلہ میں مشرق شناسوں کے تمام تخیلات کو لئے ہوئے آتا ہے اور اسلامی تحریک کے سلسلہ میں اپنی ان تمام فکروں کو اٹھا لاتا ہے جو کہ مغرب کے توسیع پسندانہ اور اقتدار پسندانہ منصوبوں کے مقابلے میں کھڑی ہیں۔ دوسری طرف اسلام کی طرف سے شرکت، گزشتہ صدیوں میں استعمار کے

لئے عیسائیوں کے تمام تبشیری خدمات کو اپنے ذہن میں لئے بیٹھا ہوتا ہے۔

لیکن اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن اور خوش گمانی کے سلسلہ میں اسلام کے آداب وتعلیمات ہمیں اس بات سے روکتے ہیں کہ یہ سبب اور علت 'تقریب' کی راہ کا پتھر بنے اور اس کی راہ میں حائل ہو خصوصا اگر یہ بات علماء کی سطح پر ہو۔

۵۔ایک دوسرے کی بے احترامی اور ایک دوسرے کے مقدسات کا مذاق اور توہین

مذکورہ امور میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر مطلوبہ گفتگو کی راہ میں دیوار اور 'تقریب' تک پہنچنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔اسلامی متون میں جگہ جگہ پر اس سے روکا گیا ہے: آیہ مبارکہ **قل انما اعظکم بواحدة ان تقوموا لله مثنی و فرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة** ' آپ کہہ دیجئے کہ تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے ایک ایک کر کے اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ، پھر سوچو تمہارے ساتھی میں دیوانگی نہیں ہے'، (سبا/۴۶) اس وقت گفتگو سے منع کرتی ہے جب ماحول مصنوعی اور کسی خاص قضا سے متاثر ہو۔

آیہ مبارکہ **قل لاتسالون عما اجرمنا ولا نسال عما تعملون** ' کہہ دیجئے کہ ہمارے گناہوں کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا اور تمہارے اعمال کے سلسلہ میں ہم سے نہیں پوچھا جائے گا' (سبا/۲۵) ماضی میں الجھے رہنے سے باز رکھتی ہے اور دوسروں کے احترام کو لازم بتاتی ہے۔یہ بات اس آیت میں تو مکمل طور سے واضح ہے جو حتی مشرکین کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے منع کرتی ہے۔

۶۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ استدلال اور استنباط کی راہ وروش کا اختلاف بھی 'تقریب' کی راہ میں رکاوٹ اور حاصل شدہ نتائج میں قریب ہونے کی راہ کا پتھر ہے۔اسی وجہ سے کوشش کرنا چاہئے کہ مندرجہ ذیل باتوں کی رعایت کی جائے:

۱۔گفتگو شروع کرنے سے پہلے اپنے پہلے کے فرضیوں اور خیالات اور اندازوں کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔

۲۔استنباط کے سلسلہ میں کسی ایک طرح کے طرز پر اتفاق کرنا چاہئے۔

۳۔گفتگو کے موضوع کو باریکی کے ساتھ اور مکمل طور سے واضح کر لینا چاہئے۔تاکہ مسئلہ اور مضمون کو سامنے والے کے زاویہ نظر کے علاوہ کسی اور نگاہ سے کوئی بھی نہ دیکھے۔

تقریب' کی راہ کی اور بھی مشکلات اور رکاوٹیں ہیں جنھیں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ کسی مذہب کو سمجھنے کے لئے اس مذہب کی نادر اور غیر مانوس رائے کو معیار بنانا۔ جو کہ خود بھی ایک غیر عاقلانہ کام ہے؛ مثال کے طور پر کوئی محدث کچھ بات کہتا ہے جسے اسی مذہب کے دوسرے محدثین نے صدر اسلام سے اب تک مسترد کیا ہے لیکن اس مذہب کے مخالفین کا اصرار ہے کہ اسی بات کو اس مذہب کے تمام ماننے والوں کی طرف منسوب کیا جائے۔

۲۔ کسی مذہب کے بارے میں اس مذہب کے دشمنوں کے ذریعہ معلوم کرنا۔

یہ بھی عقل و منطق سے بعید ہے، کیونکہ دشمن کی کبھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مذہب کو برحق ثابت کرنے کے لئے دوسرے مذہب کی طرف توہمات اور تخیلات کو منسوب کرے۔

۳۔ گفتگو میں نااہلوں اور نالائقوں کا داخل ہوجانا۔

قرآن اور عقل اس بات کو رد کرتی ہے؛ خداوند عالم نے ان اہل کتاب کو مخاطب کیا جو ایسا دعوی رکھتے ہیں جس کا علم ان کو نہیں ہے، اور فرمایا: '**ھا انتم ھؤلاء حاجتم فیما لکم به علم فلم تحاجون فیما لیس لکم به علم** :تم لوگ وہی ہو کہ تم نے اس چیز کے بارے میں حجت کی جس کے بارے میں تم کو علم تھا تو اس چیز کے بارے میں حجت کیوں کر رہے ہو جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو'۔ (آل عمران/۶۶)

۴۔ مقابل کے اوپر مسلط ہونے کے لئے پیچیدہ طریقوں کو استعمال کرنا۔

یہ ایسا کام ہے جس سے گفتگو ایک لاحاصل کھیل بن کے رہ جاتی ہے۔

حوالے:

۱۔ عالمی مجمع تقریب مذاہب اسلامی کے جنرل سکریٹری

۲۔ پہلی صلیبی جنگ کے دوران ایک ہی وقت میں مذاکرات اور جنگ دونوں چل رہے تھے۔ یہی سلسلہ تیسری اور چھٹی صلیبی جنگ میں بھی جاری رہا؛ یہاں پر ہمیں لائیک یعنی لامذہبوں اور لادینوں بلکہ دین مخالفوں کی سرگرمیاں اور اقدامات دکھائی دیتے ہیں جو انھوں نے صلیبی جنگوں کے دوران انجام دئے یہ جنگ یوں تو ایک مذہبی بنیاد پر شروع کی گئی تھی لیکن درمیان میں اس کے اندر دنیوی رنگ گہرا ہوتا گیا۔ مثال کے طور پر مذہبی حملات، دنیوی جذبوں کے پھلنے پھولنے میں بڑے بااثر ثابت ہوئے اور ان کے سبب دین مخالفوں کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ

پوپ کے افکار اور اس کی تھیوری سے نجات پائیں؛ یہ کام 'ساتویں گیگوری' کے پوپ کے زمانے میں واضح طور سے دکھائی دیتا ہے۔ (دیکھئے: حبشی، ۱۹۵۸ء ص ۱۲۶، ۱۲۷؛ نیز William of tyte krey 1943 vol.1. pp. 223- 224).

منابع و مصادر:

۱۔ قرآن کریم۔

۲۔ انصاری، فاضل، قصۃ الطّوائف بین المذہبیۃ والطائفیۃ، دارالاہالی، دمشق، ۲۰۰۰ء۔

۳۔ بارکر، ارنسٹ، الحروبی الصلیبیۃ، ترجمہ الباز العرینی۔

۴۔ حبشی، الحروبی الصلیبیۃ الاولی، چاپ قاہرہ، ۱۹۵۸ء۔

۵۔ رسالۃ التقریب، شمارہ ۶۹۔

۶۔ سبکی، عبدالوہاب ابن علی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تحقیق: عبدالفتاح محمد حلو اور محمود محمد طناحی، دار احیاء الکتب العربیۃ، قاہرہ، ج ۱ و ۲، بے تا۔

۷۔ طبرسی، احمد ابن علی، الاحتجاج، تعلیق: محمد باقر موسوی خراسان، چاپ المرتضیٰ، مشہد، ج ۱، ۱۴۰۳ھ۔

۸۔ کلینی، محمد یعقوب، الکافی، تحقیق: علی اکبر غفاری، دار الکتب الاسلامیۃ، تہران، چاپ سوم، ج ۲، ۱۳۸۸ھ۔

۹۔ مغنیہ، محمد جواد، الفقہ علی المذاہب الخمسہ، دار العلم للملائین، بیروت، چاپ ہفتم، ۱۴۰۲ھ۔

۱۰۔ ہینٹر، شیرین، مستقبل الاسلام والغرب، ترجمہ زینب شوربا۔

11. William of tyte krey , volume .1, 1943 .

مسلحانہ مدافعت کے بارہ میں فقہی نظریات

آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی
ترجمہ: صفدر حسین یعقوبی

خلاصہ:

بشریت کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں میں اطمینان بخش جوابات کے لئے اسلامی فقہ کی بنیاد رکھی گئی ہے، منجملہ اجنبیوں کے ناجائز قبضہ کے مدمقابل دفاع کا مسئلہ ہے، مصنف نے فقہ کو دو حصوں ''فقہ مقاومت'' اور ''فقہ حکومت'' میں تقسیم کیا ہے۔ چاہے وہ داخلی پہلو ہو یا خارجی پہلو اور مدافعت کے فقہی نظریات کو کتاب وسنت اور دلیل عقلی کے ذریعہ ثابت اور واضح کیا ہے۔

کلیدی الفاظ:

فقہی نظریات، مسلحانہ، مدافعت، اجنبیوں کا ناجائز قبضہ، فقہ مدافعت، فقہ حکومت۔

فقہ مدافعت اور فقہ حکومت

﴿ وَمَا لَكُمْ لاتُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنْ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴾

''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد

نہیں کرتے ہو جنھیں کمزور بنا کر رکھا گیا ہے اور جو برابر دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس قریہ سے نجات دے دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست اور اپنی طرف سے مددگار قرار دے دے'' (نساء/۷۵)

عصر حاضر کے اسلامی معاشرے میں دن بدن بڑھتی ضروریات کے تحت ہم دو فقہی مسائل سے روبرو ہیں۔ ''فقہ مدافعت'' اور ''فقہ حکومت''

کلی طور پر فقہ مدافعت نے آج کے مدافعت کے سلسلہ میں جو اسلامی ماحول وجلسوں میں زیر بحث ہے زیادہ تر ان کا جواب دیا ہے۔ منجملہ، مسلحانہ مدافعت کا جواز، اس کا واجب عینی یا کفائی ہونا، اس کے جواز اور تمام انسانوں یا کچھ پر اس کا واجب ہونا نیز اس کی مشروعیت پر دلیل اولیہ سے دلیل شرعی ثابت کرنا اور بہت سارے کلی مسائل جو اس موضوع سے مربوط ہیں۔

دوسری فقہ جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ ہے ''فقہ حکومت'' جو بہت ہی وسیع اور بہت سے مسائل کو شامل ہے۔ منجملہ حکومتی مسائل اور اس کے اقسام، قضاوت، ولایت فقیہ، دیوانی کے احکام، پیسہ اور بینک کے مسائل۔ امنیتی اور دفاعی مسائل، عالمی روابط، اساسی قوانین کی تدوین کی فقہ، مجلس شوریٰ اور ولایت سے اس کا رابطہ۔ الکشن اور بہت سارے موضوعات جو اس فقہ سے متعلق ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آج کا اسلامی معاشرہ بہت وسیع پیمانہ پر ان دونوں کا حاجت مند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں ہم وسیع پیمانہ پر مسلحانہ مدافعت کی تحریکوں کے شاہد ہیں جو بیرونی قابض اور ظالم وجابر حکومتوں کے خلاف چل رہی ہیں۔ نیز اس طرح کی قابل توجہ تحریکوں میں اضافہ کے بھی شاہد ہیں جو اسلامی ممالک میں چل رہی تھیں اور اب بھی جاری ہیں اور یہ تحریکیں بعض علاقوں میں منظّم ہو رہی ہیں۔

پہلوی دور سلطنت میں ایران وعراق، فلسطین، جنوبی لبنان، الجزائر، ٹونس، افغانستان، مشرقی ایشیا اسلامی ممالک اور دوسرے خطے۔ مشرقی ایشیا میں روسیوں کے توسط سے مقبوضہ اسلامی ممالک۔ تبت میں مسلمان نشین علاقے جو چین کے قبضہ میں ہیں لیبیا یا دوسرے اسلامی ممالک جو بعض اوقات اجنبیوں کے حملوں اور قبضوں سے دوچار ہوتے ہیں یہ وہ نمونے ہیں جن کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

اجنبیوں کے حملوں اور دہشت گردیوں کے سبب مسلمان جن مشکلات کے شکار ہوتے ہیں وہ طولانی مدت تک جاری رہتی ہیں، اسی کے پیش نظر سابق روس کے ٹکڑوں میں بٹنے کے سبب امریکہ کی طولانی مدت سیاست گزاری اور اقتصادی، فوجی یہاں تک کہ ثقافتی نفوذ اس علاقہ میں قائم ہوا ہے۔

درحقیقت امریکہ کی پسندیدہ اور منتخب روش اس راہ میں اپنے خیر خواہوں اور گماشتوں کو اسلامی دنیا میں اہم عہدوں پر براجمان کرنا ہے۔ اور یہ لوگ وہ افراد ہوں گے جو قوم وملت کے نام پر امریکائی سیاست کو نافذ کریں گے اور یہ وہی حکومتیں ہیں جن کو امریکہ ''معتدل حکومتوں'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ ایسی حکومتیں کبھی بھی اپنی قوم وملت کی حقیقی نمائندہ حکومت نہ ہوں گی۔ اور اپنی باطل حکومت اور کرسی کو بچانے کے لئے ظلم اور بربریت اور انقلابیوں کے سر کچلنے کے علاوہ کوئی راہ نہیں اپنائیں گے پس اس وقت اسلامی دنیا دو اہم مشکل سے دوچار ہے ناجائز قبضہ اور ظلم۔

ان دو کشمکش اور مشکل کا نتیجہ اسلامی مدافعت کا وجود ونشو ونما اور ان دو محاذوں پر مدمقابل ہونا ہے اجنبیوں اور کافروں کے ناجائز قبضے کا محاذ اور ظالم وستمگر گماشتوں کے خلاف محاذ، دوسرے لفظوں میں داخلی اور خارجی محاذ کہا جائے۔ جتنا ہی ناجائز قبضہ اور ظلم پنپے گا اس کے مدمقابل اسلامی مدافع تحریکیں جنم لیں گی اور ان میں وسعت آتی جائے گی۔ جس طرح روس کے ٹوٹنے کے بعد اسلامی ممالک میں امریکی سیاست کا نفوذ بڑھتا رہا ہے عوامی مدافعت بھی منظّم ہوتی جارہی ہے اور اپنی راہ وحکمت عملی کو داخلی اور خارجی محاذوں پر منظّم ومرتب کررہی ہے ظاہر سی بات ہے کہ یہ حکمت عملیاں اسلامی فقہ کے تحت پروان چڑھیں پھر ان کی قانون سازی ہوتا کہ سارے مسلمان اس کے تحت اپنا دفاع کرسکیں۔

فقہ حکومت کے مصداق اور نمایاں نمونہ کے طور پر جمہوری اسلامی ایران کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے جو روز اول سے فقہی روش پر قائم ہوا ہے جس کی رہبری ایک فقیہ اور مجاہد شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کی ہے۔ اور یہ اسلامی حکومت اسی فقہی روش پر اب تک چل رہی ہے اور اس کے حساس اور اہم عہدے احکام وحدود شریعت کے پابند فقیہوں کے پاس ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ حکومت مزید وسیع پیمانہ پر فقہی قانون سازی کی محتاج ہے اور یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ تاریخ میں یہ موضوع پہلی بار پیش آیا ہے۔

مسلحانہ مدافعت کی اقسام اور اس کے فقہی نظریات

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ عصر حاضر میں ہم دو قسم کے دفاع کے رشد ونمو کے شاہد ہیں۔ داخلی مدافعت ظالم وجابر حکومت کے خلاف جہاد۔ بیرونی مدافعت جو اجنبیوں کے ناجائز قبضوں کے خلاف استقامت ہے۔ لیکن یہ دونوں خاص فقہی نظریات کے حامل ہیں۔

داخلی فقہی مدافعت میں جو کتاب وسنت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے وہ ہے امر بالمعروف ونہی عن

المنکر ہے جس کا آخری درجہ طاقت کا استعمال ہے جو مسلحانہ مدافعت ہے اور کم ترین درجہ ظالم سے قلبی نفرت ہے۔ اور اس کا درمیانی راستہ سیاسی، اقتصادی، اداری بائیکاٹ، اور ظالم کے خلاف پروپیگنڈہ، اس کے ظلم کو برملا کرنا، عوام کو اس سے دور کرنا اور سیاسی و اجتماعی طور پر اس کو کمزور کرنا۔ ہے یہ مسلحانہ مدافعت اور قلبی نفرت کا درمیانی راستہ ہے۔

کافر دہشت گردوں کے خلاف جہاد اور مسلحانہ اقدام کو اگر ہم کتاب وسنت سے ثابت کر سکتے ہیں تو وہ ہے آیۂ قتال (سورہ نساء آیت ۷۵) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی احادیث جس کو فریقین نے نقل کیا ہے اور وہ اس بات کی غماز ہیں کہ جب اسلام دشمن عناصر افراد اسلامی سرزمینوں پر ناجائز قبضہ کریں تو اس وقت دفاع واجب ہے اور کفار کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں ہر طرح کی مدد کا وجوب اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس کے اہم نظریات میں سے ایک اسلامی حکومت کا دفاع کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اگر کچھ مذاہب ظالم مسلمان حکمران کے خلاف جنگ و جہاد کے واجب یا جائز ہونے کے سلسلہ میں مشکوک ہوں تو کوئی بھی مذہب کافر دہشت گردوں کے خلاف جنگ اور اسلامی ممالک کے دفاع کے حرمت کا قائل نہیں ہے۔ نیز اس مسئلہ میں عقل کا یقینی فیصلہ دفاع کے واجب ہونے پر ہے جیسا کہ عقل ظالم کے خلاف دفاع کی قوت رکھتے ہوئے تسلیم ہونے کو قبیح جانتی ہے۔ بہر کیف ہم اس تحقیق (مضمون) میں قابض دہشت گرد اور اسلام سر زمینوں میں کفار کی فوجوں کے خلاف مسلحانہ اقدام و دفاع کے سلسلہ میں گفتگو کریں گے۔

اجنبیوں کے ناجائز قبضہ کے خلاف مسلحانہ مدافعت کے سلسلہ میں فقہی نظریات

مسلحانہ مدافعت کے وجوب پر فقہی دلیلیں تین ہیں۔

۱:۔قرآن کریم

۲:۔ سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت اہل بیت علیہم السلام جو سنت رسولؐ کا تسلسل ہے۔

۳:۔ عقلی دلیل

پہلی دو دلیلوں کو اسلامی مذاہب کے فقہی نظریات یعنی مکتب اہل بیتؑ اور مکتب خلفاء سے ذکر کریں گے۔ لیکن عقلی دلیل مکتب اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے۔ اہل سنت کے فقہی مذاہب عقلی دلیل کو حجت نہیں مانتے۔

فقہا کے نظریات

اصل موضوع یعنی دشمنوں کے قبضوں کے خلاف مسلحانہ مدافعت کی گفتگو شروع کرنے سے پہلے دفاع اور اس کے شرائط کے بارے میں ہم حکم شریعت کے سلسلہ میں بعض فقہا کے نظریات کو ذکر کرتے ہیں۔

ابن ادریس کتاب ''السرائر'' میں کہتے ہیں:

''اگر دشمن (نعوذ باللہ) مسلمانوں پر حملہ کرے اور حاکمیت اسلام جو کہ اصل اسلام ہے اور اسلامی معاشرہ خطرے میں پڑ جائے یا بعض مسلمان خطرے کی نذر ہو جائیں تو ایسی صورت میں دشمنوں کے خلاف جہاد و دفاع مسلمانوں پر واجب ہے۔ ہاں ایسی صورت میں مجاہد کو چاہئے کہ اپنا اور حرمت اسلام و مسلمین کے دفاع کا قصد رکھے'' (ابن ادریس حلی، مطبوعہ ۱۴۱۰ھ ج ۲/ص ۴/)

علامہ حلی ''قواعد الاحکام'' میں فرماتے ہیں:

''اپنے اور اہل و عیال کی جان کا دفاع اس شخص پر واجب ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہے۔ دشمنوں کے سامنے تسلیم ہو جانا جائز نہیں ہے۔ انسان اپنے مال اور جان کا دفاع کر سکتا ہے اور اگر دفاع کرنے والا مر جائے تو شہید ہے'' (علامہ حلی، طبع ۱۴۱۳ھ، ج ۳/ص ۵۷۱/)

نیز ''تذکرۃ الفقہا'' میں فرماتے ہیں: جو کوئی اپنے مورچہ پر قتل ہو وہ شہید ہے۔ (علامہ حلی، طبع ۱۴۱۵ھ ج ۹/ص ۴۵۳/)

آپ کی مراد دفاعی جہاد ہے، کیوں کہ عموماً مورچہ نشین دفاعی جنگ کرتا ہے۔

شہید اول کتاب ''دروس'' میں فرماتے ہیں:

''مگر یہ کہ اصل اسلام خطرے میں پڑ جائے یا مسلمانوں کے کسی گروہ کو دھمکی دیں تو ایسی صورت میں جو لوگ ان (دشمن) سے نزدیک ہیں ان پر دفاع کرنا واجب ہے۔ (شہید اول طبع ۱۴۱۴ھ، ج ۲/ص ۳۰/)

محقق اردبیلی ''زبدہ البیان'' میں ﴿اصبروا و صابروا و رابطوا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی مصادیق رابطہ میں سے ایک جان و دین کا دفاع ہے'' (محقق اردبیلی، بی تا۔ ص ۱۴۴/)

شیخ جعفر کبیر ''کشف الغطاء'' میں فرماتے ہیں:

''مستحب یا واجب شرعی جنگوں کے علاوہ بھی ایک ہے جس کو (دفاع) کہتے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱)۔ انسان کا اپنی جان کا دفاع کرنا۔

۲)۔اپنی عزت وناموس کا دفاع یا مومن کی عزت وجان کا دفاع کرنا جوانسان کی سلامتی اوراطمینان کی صورت میں اس پر واجب ہے۔

۳)۔اپنے یا مومن کے مال کا دفاع جومستحب ہے۔(کاشف الغطاء ۱۴۲۲ھ، ج۴/ص۲۹۲،۲۹۳)

فقیہ عالی قدر شیخ محمد حسن نجفی اپنی کتاب ''جواہر الکلام'' میں فرماتے ہیں:

''اگر دشمن چڑھائی کرے تو اس کا مقابلہ واجب اور واجب جہاد شمار ہوگا اور امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے''(نجفی، ۱۴۰۱ھ، ج۲۱/ص۱۴)

اس کے بعد آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ فقہا کی جانب سے جہاد کے شرائط جو بیان کئے گئے ہیں من جملہ امام عادل کا حکم یا اجازت یہ جہاد ابتدائی سے مخصوص ہے یعنی راہ اسلام کے لئے جہاد کی دعوت دینا۔لیکن دفاعی جہاد میں کوئی شرط نہیں ہے اور مزید فرماتے ہیں دفاع اقسام جہاد میں سے ہے اور اطلاقات جہاد میں داخل ہے۔لہٰذا اس راہ کا مقتول شہید شمار ہوگا اور غسل وکفن کی ضرورت نہیں ہے۔

''جواہر الکلام'' کی عبارت یوں ہے کہ بعض فقہا کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عزت وآبروئے اسلام کا دفاع دشمن کے حملوں کے مقابل غیبت امام میں جہاد شمار ہوگا کیوں کہ ادلہ جہاد مطلق اور اس حکم کو شامل ہیں اور جو نواہی ہیں وہ جہاد ابتدائی سے مخصوص ہیں اور دعوت اسلام کی خاطر امام معصوم یا نائب امام کی اجازت سے ہیں لہٰذا جہاد ابتدائی اجازت کی شرط کے ساتھ ہے لیکن ہمارا موضوع کلام ایسا جہاد ہے جس کی مشروعیت کے لئے حضور امام معصوم یا ان کے نائب کی اجازت ممکن صورت میں شرط نہیں ہے اور اگر ممکنہ صورت میں جہاد شمار ہوتا ہے تو اصل (یعنی استصحاب) اس بات کا متقاضی ہے کہ غیر ممکن صورت میں بھی وہی صورت باقی رہے اور اس کا احتمال کہ جہاد بھی نہ ہو حتی اس زمانہ میں جب ہم کوئی حکم نہ رکھتے ہوں تو یہ ادلۂ اطلاق جہاد کے مخالف ہے۔(گزشتہ)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: جہاد، جہاد دفاعی اور جہاد ابتدائی سے عام تر ہے اور فقہا کا ان قسموں پر تقسیم کرنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے بلکہ جس طرح باب طہارت میں گزر چکا ہے ایک گروہ (علماء) نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس راہ میں مقتول شہید ہے ویسے ہی جس طرح جہاد ابتدائی میں امام معصوم کے رکاب میں مقتول شہید ہے اور غسل وکفن کی ضرورت نہیں ہے۔(گزشتہ/۱۶)

اسی طرح آپ اس کتاب میں اقسام جہاد کے ذیل میں فرماتے ہیں:

دوسرے یہ کہ کفار مسلمانوں پر حملہ کریں اور اس وقت آبروئے اسلام اور اس کی جان خطرے میں پڑ

جائے یا یہ کہ دشمن، اسلامی سرزمینوں پر قبضہ کرلیں اور ان کو اسیر، ان کے اموال کو غارت کردیں تو اس صورت میں جہاد واجب ہے اور یہ حکم آزاد، غلام، مرد، عورت، بیمار، صحت مند سب پر نافذ ہوگا اس صورت میں ان سب (مرد و عورت غلام آزاد وغیرہ) کو امام معصوم کا حضور اور ان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی اور اس حکم کا وجوب صرف ان مظلوم افراد پر نہیں ہوگا بلکہ سارے مسلمانوں پر واجب ہے۔ ہر چند کہ جو لوگ موقع اور صورت حال سے زیادہ نزدیک ہیں ان سے زیادہ مخصوص ہے اور تاکید ہوئی ہے ۔(گزشتہ، ص/۱۸۔۱۹)

اس موضوع کے سلسلہ میں یہ بعض فقہا کے نظریات تھے اب اس کے دفاع کے وجوب و مشروعیت پر کتاب وسنت سے دلیل پیش کرتے ہیں۔

۱)۔ قرآن کریم

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ لاتُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنْ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴾

''اور تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے ہو جنھیں کمزور بنا کر رکھا گیا ہے اور جو برابر دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس قریہ سے نجات دے دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست اور اپنی طرف سے مددگار قرار دے دے'' (نساء/۷۵)

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تمام مہاجرین و انصار کے لئے ہے مکہ میں مظلوم مسلمانوں کے دفاع کے لئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مسلمان ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے اور کچھ لوگ ہجرت نہ کرسکے تو یہ لوگ کفار قریش کی اذیت و شکنجوں اور توہین کے شکار ہوئے۔ یہ لوگ مسلسل بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے اور اس ظلم وستم سے نجات کی تمنا کرتے تھے خدا نے اس آیت کو نازل کیا اور مسلمانوں کو قریش سے جہاد کرنے اور مظلوم مسلمانوں کو نجات دلانے کا حکم دیا۔

زمخشری اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں کہتے ہیں:

''مظلوم و مستضعف وہ لوگ تھے جو مکہ میں ایمان لے آئے تھے مگر کفار ان کی ہجرت میں رکاوٹ

بنے رہے تھے اور یہ لوگ مجبوراً مکہ میں تھے اور کفار کی جانب سے ان کو بہت تکلیف دی جارہی تھی لوگ دعا کرتے تھے اور خدا سے مدد طلب کرتے اور کفار کی اذیت سے نجات کے خواہاں تھے۔ خدا نے ایسے میں بعض لوگوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کے اسباب مہیا کر دیئے اور بعض لوگ پھر بھی رہ گئے یہاں تک کہ فتح مکہ واقع ہوئی اور خدا نے اپنی رحمت ان کے شامل کی'' (زمخشری، بی تا، تفسیر آیت ۷۵ سورہ نساء)

جیسا کہ اس بات سے ظاہر ہے کہ مکہ میں کفار کے ہاتھوں ستم دیدہ مسلمانوں کی نجات کی خاطر حکم جہاد ہے، اور یہ جہاد، جہاد دفاعی کی ایک قسم ہے۔ کیوں کہ مکہ میں موجود مسلمانوں کا دفاع ہے جو مشرکوں کی بندش میں تھے اور یہی جہاد دفاعی ہے جو آج کی زبان میں ''مدافعت'' کہا جاتا ہے دوسری جانب آیت مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کررہی ہے اور یہ خود اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

فخر رازی آیت کے اس حصہ ''وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ'' کے بارے میں کہتے ہیں:

''یہ جملہ جہاد کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے خلاف میدان جنگ چھوڑنے کا کوئی بہانہ قابل قبول نہیں'' (رازی بی تا۔ تفسیر آیت ۷۵ سورہ نساء)

اسی طرح اس جملہ کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''اس جملہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حالت جنگ میں ہیں اور صیغہ غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے (چوں کہ ماقبل آیت میں غائب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے اور اس آیت میں حاضر کی) اور یہ التفات درحقیقت مبالغہ کے لئے ہے اور یہ تاکید ان لوگوں کے لئے ہے جن کو جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سورہ نساء کی آیت ۷۵ مسلمانوں کو کفار کے پنجوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے جہاد کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اور اسی کو ہم مسلمانوں کی مدافعت کے وجوب پر دلیل بنا سکتے ہیں۔

قرآن کی دیگر آیات بھی ہیں جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہم مذکورہ آیت ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲)۔ سنت رسول اکرمؐ واہل بیت علیہم السلام

فریقین نے رسول اکرم سے بہت ساری حدیثوں کو نقل کیا ہے۔ کہ جب دشمن مسلمانوں پر حملہ کردیں اور مسلمان مدد طلب کریں تو تمام مسلمانوں پر مدد کرنا واجب ہے۔

ہم یہاں پر فریقین کی جانب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقول احادیث پیش کرتے ہیں:

شیخ کلینی نے ''کافی'' میں لکھا ہے کہ علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے انھوں نے نوفل سے اور انھوں

نے سکونی سے اورانھوں نے ابی عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نے فرمایا::

''من اصبح لا یهتم بأمور المسلمین فلیس بمسلم''

جوکوئی صبح کرے اور مسلمانوں کی صورت حال کی خبر نہ رکھے وہ مسلمان نہیں'' (مجلسی،۱۴۰۳ھ ج۷۱/ص۳۳۷) [۱]

''نوادرراوندی'' میں حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے اپنے آبائے کرام اورانھوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس فی شیءٍ و من شهد رجلا ینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس من المسلمین''

جوکوئی اس حال میں صبح کرے کہ امور مسلمین کی کوئی خبر نہ رکھے تو یہ اسلام سے دور ہے اور اگر دیکھے کہ کوئی شخص آواز دے رہا ہے کہ اے مسلمانوں میری مدد کرواور یہ مدد نہ کرے تو یہ مسلمان نہیں ہے '' (گزشتہ ج۷۲/ص۲۱)

اسی طرح شیخ کلینیؒ نے ''کافی'' میں محمد بن یحی انھوں نے سلمہ بن خطاب انھوں نے سلیمان بن سماعہ انھوں نے عمہ عاصم کوازانھوں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس منهم و من سمع رجلا ینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس بمسلم

''جوکوئی اس حال میں صبح کرے کہ امور مسلمین کی فکر نہ کرے تو وہ ہم سے نہیں ہے اور جوکوئی یہ سنے کہ کوئی آواز دے رہا ہے کہ اے مسلمانوں میری مدد کرواوراس کی مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ (گزشتہ)

اسی طرح اسی کتاب میں امور مسلمین کے اہتمام اوران کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں عن محمد بن یحیٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن ابن محبوب عن محمد بن قاسم ہاشمی عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ''من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم ''جوکوئی اس حال میں صبح کرے کہ امور مسلمین کی پرواہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ (کلینیؒ ۱۳۸۸ھ ج۲/ص۲۳۵)

اسی طرح کی روایت اہل سنت نے ذکر کی ہے طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' میں حذیفہ بن یمانی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نقل کی ہے:

۱۔اگر چہ نوفلی کی وثاقت کے بارے میں کچھ حاصل نہیں ہوسکا لیکن فقہاومحدثین کی نوفل کی روایات پر تاکید نوفل کے اعتبار کی دلیل ہے کیوں کہ سکونی نے نوفلی سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

''من لا یهتم بامر المسلمین فلیس منهم و من لم یصبح و یمسی ناصحا لله و لرسوله و لکتابه و لامامه و لعامه المسلمین فلیس منهم''

جوکوئی امور مسلمین کا خیال نہ کرے وہ مسلمان نہیں جس کے شب وروز گزر جائیں اور لوگوں کو اوامر خدا اور رسول وکتاب اور اس کے امام کی جانب ہدایت نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔(طبرانی ۱۴۰۵ھ ج ۲/ص ۵۰)

طبرانی نے اس حدیث کو ''الاوسط'' میں بھی حذیفہ سے نقل کیا ہے۔(طبرانی معجم الاوسط، ج ۸/ص ۲۳۰)

اسی طرح سیوطی نے ''جامع الاحادیث'' میں حرف میم میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔(سیوطی، ج ۲۱/ص ۳۷۹)

ابن رجب حنبلی ''جامع العلوم والحکم'' میں اسی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اس کتاب کے شروع میں ہم نے اشارہ کیا ہے کہ ابوداؤد نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس پر بنیاد فقہ کھڑی ہے۔ حافظ ابونعیم کہتے ہیں۔ یہ حدیث عظیم ہے۔ محمد بن اسلم طوسی کہتے ہیں۔ یہ ایک چوتھائی دین ہے'' (ابن رجب حنبلی ۱۴۰۰ھ ۹۳)

مستدرک الصحیحین میں ذہبی کے تعلیقہ کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: ''من لم یتق الله فلیس من الله فی شئ، من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس منهم'' جو تقوائے الٰہی نہ رکھے وہ خدا سے دور ہے اور جو امور مسلمین کی پرواہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔(حاکم نیشاپوری، ۱۴۱۱ھ، ج ۴/ص ۳۵۲ و ۳۵۶)

بہرحال یہ حدیث، احادیث مستفیضہ میں سے ہے جو متعدد طرق سے ایک لفظ اور ایک معنی میں نقل ہوئی ہے اور ہم ان چند طرق کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

اس حدیث مستفیض میں جو کہ اہل بیت علیہم السلام سے نقل ہوئی ہے اس میں یہ اضافہ ہے:

''و من سمع رجلا ینادی یا للمسلمین فلم یجبه فلیس بمسلم''

یہ دوسرے طرق میں ذکر نہیں ہے۔ لیکن صدر حدیث کافی ہے اور معاشرے میں حوادث کے پیش آنے اور مدد کے طلب کرنے پر مدد کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

اس موضوع پر دوسری روایات

برقی نے ''المحاسن'' میں نقل کیا ہے:

''عن محمد بن علی عن ابن فضال عن محمد عن ابراهیم عن عمر عن ابی عبد الله علیه السلام قال " ما من مسلم یخذل اخاه و هو یقدر علی نصرته الا خذله الله فی الدنیا و الا خرة''

کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کوتنہا نہیں چھوڑتا جب کہ اس کی مدد کرسکتا ہے (اگر ایسا کرے) تو خدا اس کو دنیاوآخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (مجلسی گزشتہ،ص/۲۲)

شیخ صدوق نے ''ثواب الاعمال ''میں نقل کیا ہے:

" عن ابیه علی بن بابویه عن سعد عن برقی عن ابیه عن حماد بن عیسیٰ عن ابراهیم بن عمر یمانی عن ابی عبد الله علیه السلام قال " ما من مومن یعین مومنا مظلوما الا کان افضل من صیام شهر و اعتکافه فی المسجد الحرام ، وما من مومن ینصر اخاه و هو یقدر علی نصرته الا نصره الله فی الدنیا و الاخرة وما من مومن یخذل اخاه و هو یقدر علی نصرته الا اخذله الله فی الدنیا و الآخرة ''

°''جوکوئی مومن کسی دوسرے مومن کی مدد کرے تو افضل و برتر ہے ایک ماہ کے روزے اور مسجد الحرام میں اعتکاف سے اور جوکوئی مومن اپنے برادر مومن کی مدد کرے گا تو خدا دنیاوآخرت میں اس کی نصرت کرے گا اور جوکوئی اپنے برادر مومن کوتنہا چھوڑ دے جب کہ مدد کی قوت رکھتا ہوتو خدا اس کو دنیاوآخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (گزشتہ،ص/۲۱)

اور یہ روایت صحیحہ ہے:

''قرب الاسناد''میں

''عن هارون عن ابن صدقه عن امام صادق علیه السلام قال " لا یحضرن احدکم رجال یضربه سلطان جائر ظلما و عدوانا و لا مقتولا و لا مظلوما اذا لم ینصره لان نصرة المومن علی المومن فریضة واجبة اذا خضره و العافیة اوسع ما لم یلزمک الحجة الظاهرة''

جس پر ظالم حکمراں ظلم کرے اور اسی طرح مقتول ومظلوم کے پاس تم میں سے کوئی حاضر نہ ہو اگر تم اس کی مدد نہیں کر سکتے، اس لئے کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کے پاس ہوتو اس کی مدد واجب ہے اور تم اس صورت میں

عافیت وسکون میں ہو جب تک تم کو حجت ظاہر و آشکار کسی چیز کا حکم نہ کرے'' (گزشتہ، ص ۱۷/)

اسی عنوان کی حدیث ''ثواب الاعمال'' میں **عن ابن ولید عن محمد بن ابی القاسم عن هارون** ''منقول ہے۔ (گزشتہ)

جیسا کہ دوسری حدیث اسی سند کے ساتھ ''قرب الاسناد'' میں نقل ہے کہ:

''ان النبی صلی الله علیه و آله و سلم امر بسبع : عیاده المرضی ، و اتباع الجنائز و ابرار القسم و تسمیت العاطس ، و نصر المظلوم ، و اجابه الداعی''

''رسول خداؐ نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے۔ مریض کی عیادت، تشییع جنازہ، وعدہ کی وفا، چھینک کے بعد تسمیت (**یرحمکم اللّٰه**) کہنا، مظلوم کی مدد، اور پکارنے والے کی آواز پر جانا۔

شیخ صدوقؒ ''امالی'' میں ''**عن ابن ادریس عن ابیه عن ابن عیسیٰ عن ابی فضال عن حماد بن عیسیٰ عن ابراهیم بن عمر یمانی عن ابی عبد الله علیه السلام قال : ما من مسلم یخذل اخاه و هو یقدر علی نصرته الا خذله الله فی الدنیا و الاخرة**'' جو کوئی اپنے برادر مومن کو طاقت رکھتے ہوئے تنہا چھوڑ دے خدا اس کو دنیا و آخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (گزشتہ)

یہ روایت صحیحہ ہے۔

شیخ صدوق نے ''ثواب الاعمال'' اور ''علل الشرائع'' میں ''**عن ابن ولید عن صفار عن سندی بن محمد عن صنوان بن یحی عن صفوان عن مهران عن ابی عبد الله علیه السلام قال : اقعد رجل من الاخیار فی قبره فقیل له انا جالدوک مائة جلدة من عذاب الله ، فقال لا اطیقها ، فلم یزالوا بن حتی انتهوا الیٰ جلده واحده ، فقالوا لیس منها بد ، فقال ، فیما تجلدونیها ؟ قال نجلدک لا نک صلیت یوما بغیر وضو ، و مررت علی ضعیف ، فلم تنصره قال ، فجلدوه جلدة من عذاب الله عزوجل فامتلا قبره نارا**''

''ایک نیک شخص کو اس کی قبر میں لٹایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تم کو عذاب الٰہی کے سو کوڑے لگائیں گے اس نے کہا اس کی طاقت نہیں ہے اس کو مسلسل چھوٹ دیتے رہے تھے یہاں تک کہ ایک کوڑے تک پہنچے اور کہا کہ اب کوئی راہ نہیں ہے ایک ہی کوڑا لگائیں گے۔ اس نے کہا آخر

کیوں مارنا چاہتے ہوانھوں نے کہا کہ ایک دن بغیر وضو کے نماز ادا کی اور ایک بوڑھے کے پاس سے گزرے اور اس کی مدد نہیں کی پھر اس کو عذاب الٰہی کا ایک کوڑا مارا گیا جس کے سبب اس کی قبر آگ سے بھر گئی'' (گزشتہ)

یہ روایت صحیحہ ہے:

خلاصہ یہ کہ یہ ساری روایات جس میں صحیح روایتیں بھی ہیں یہ اس بات کی غماز ہیں کہ مسلمانوں کی مدد اور جب ان پر ظلم ہو تو ان کا دفاع واجب ہے۔

۳)۔ عقلی دلیل

جس طرح سے یہ بات متحقق اور ثابت ہو چکی ہے کہ امامیہ اور اصولی علماء کے نزدیک دلیل عقلی حجت ہے اور غیر امامیہ اور غیر اصولی (اخباری) علماء کے نزدیک دلیل عقلی حجت نہیں۔

یہ دلیل قیاسی ہے جو مقدمہ (صغریٰ و کبریٰ) سے بنتی ہے اور جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ حکم شرعی ہے، جس میں عقل نے حکم کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل نے خود کسی مسئلہ کو تشریع کیا ہے اور شریعت اس کی تابع ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل حکم شریعت کو حاصل کرتی ہے اور اس کی کاشف ہے۔ وہ دو مقدمے حسب ذیل ہیں:

ا:۔ صغرای قیاس عبارت ہے۔ حکم عقل کے تحت انسان کا اپنے مال، جان، ملک کا دفاع حسن ہے۔ ملک پر ناجائز قابض دشمن کے سامنے تسلیم ہونا جس نے لوگوں کے مال کو غصب کر لیا ہے قبیح ہے۔ یہ حکم احکام عقل عملی میں سے ہے۔

۲:۔ کبرای قیاس عبارت ہے، حکم عقل و حکم شریعت میں تلازم: یہ کہ اگر عقل دفاع کے حسن اور دشمن کے سامنے تسلیم ہونے کو قبیح جانے تو شریعت یعنی اس کے دفاع کو واجب اور تسلیم ہونے کو حرام جانتی ہے اور یہ حکم احکام عقل نظری میں سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دو عقل ہے بلکہ ان دونوں میں فرق متعلق حکم کے لحاظ سے ہے یعنی اگر عقل حسن یا قبح خاص منجملہ قبح ظلم و حسن عدل و قبح تسلیم (دشمن کے مقابل جب کہ اس کی قوت ہو اور کامیابی کا امکان ہو) اور حسن دفاع اور اس کے مانند کا حکم کرتی ہے۔ اس کو حکم عقلی کہتے ہیں کیوں کہ حکم عقل امور عقلی میں ہے اور اگر اس کا حکم امور نظری میں ہو تو اس کو حکم عقل نظری کہتے ہیں۔ اور عقل و شرع کے حکم میں تلازم اسی طرح سے ہے۔

بہر حال جو قیاس اس دو مقدمہ (صغریٰ و کبریٰ) سے مرکب ہے اس سے اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شریعت دشمن کے مقابل دفاع کے وجوب اور دشمن کے مقابل تسلیم نہ ہونے جب مقابلہ کی طاقت اور معقول کامیابی کا امکان ہو تو اس کو حرام جانتی ہے۔ اب اس کی وضاحت اور ماخوذ نتیجہ پر گفتگو کریں گے۔

صغرائے قیاس کے بارے میں یعنی حکم عقل حسن دفاع انسان اپنی جان مال عزت، ملک کے بارے میں

تو یہ کہنا چاہئے کہ اس سلسلہ میں کوئی عاقل انسان شک نہیں کرسکتا اور جو کوئی دشمنوں کے خلاف اس سلسلہ میں مسلحانہ اقدام کرتا ہے عقلا اس کی ستائش کرتے ہیں اور اسی طرح جو مقابلہ کی قوت رکھتا ہے اور معقول کامیابی کا امکان رکھتا ہے پھر بھی دشمنوں کے سامنے تسلیم ہو جائے اس کی سرزنش اور مذمت کرتے ہیں، بلکہ اس بات کا دعوی کیا جاسکتا ہے کہ یہ حکم انسانی فطرت میں نہاں ہے، بلکہ انسان کی صحیح وسالم فطرت کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مقابلہ کی قوت رکھتے ہوئے اور معقول کامیابی کے امکان کی صورت میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے جائیں یہ صورت حال حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے اور یہ وہی حیوانی جذبہ ہے۔

کبرائے قیاس کا عنوان ومطلب بالکل واضح ہے کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عقل کسی بات کا حکم کرے تو شریعت بھی اس بات کا حکم کرے گی۔

البتہ حکم عقل سے مراد صرف یقینی حکم عقل ہے یعنی حسن وقبح عقل جس میں یقین حاصل ہو نہ کہ شک و شکوک کے مقامات۔

پس اگر عقل کوئی حکم کرے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ شریعت اس کے مطابق حکم نہ کرے یا اس کے خلاف حکم دے۔ مثلا اگر عقل حسن عدل وقبح ظلم کا حکم دے تو شریعت ظلم کے حکم یا عدل سے منع نہیں کرسکتی لہذا عقل وشریعت میں تلازم حکم پایا جاتا ہے۔

ذکر شدہ صغری کے ضمیمہ کے ساتھ اس کبری کے ہمراہ ایک یقنی اور نا قابل انکار نتیجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دشمن کے مقابل دفاع واجب ہے اور مقابلہ کی قوت رکھتے ہوئے اور معقول کامیابی کے امکان کی صورت میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنا حرام ہے ۔

منابع و ماخذ :

۱۔قرآن کریم

۲۔ابن ادریس حلی، محمد بن منصور، السرائر، موسسہ نشر اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین، قم چاپ دوم، ۱۴۱۰ھ۔

۳۔ابن رجب حنبلی، عبدالرحمٰن ابن شہاب الدین، جامع العلوم والحکم، دار الحدیث، قاہرہ، چاپ پنجم ۱۴۰۰ھ۔

۴۔حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق، مصطفے عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، چاپ اول ج ۴، ۱۴۱۱ھ۔

۵۔رازی محمد بن عمر، تفسیر رازی، دار الکتب العلمیہ، تہران بی تا۔

۶۔زمخشری، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، تصحیح مصطفے حسین احمد، دار الکتاب العربی بیروت بی تا۔

فقہ مقارن

تقلید

سید شاہد حسین رضوی

تمہید

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ شرعی احکام میں کسی کی تقلید کرنا ضروری کیوں ہے؟ کیا تقلید اچھا کام ہے؟

جب کہ انسان کو فکر و نظر اور تحقیق کے ذریعہ اپنا فریضہ تلاش کر کے اس پر عمل کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں دوسروں کی طرف رجوع کرنا ترقی کی راہوں میں رکاوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے بھی جاہل افراد کے اپنے ما سلف کی تقلید کرنے پر مذمت کی ہے اور انھیں استدلال اور بصیرت کے ساتھ آگے بڑھنے کی دعوت دیتے ہوئے نامعلوم چیزوں کی پیروی سے منع کیا ہے ارشاد ہوتا ہے'' **ولا تقف ما لیس لک بہ علم** ''(سورہ مبارکہ اسراء آیت ۳۶)

پیش نظر مقالہ میں انھیں سوالوں کے جواب، دین اسلام میں تقلید کی حقیقت، مکتب اہل بیتؑ اور اہل سنت میں تقلید کے دلائل اور تقلید کے حدود پر روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

تقلید کی تعریف

الف)۔ تقلید لغت میں:

لفظ تقلید ''**قلد**'' کا مصدر ہے جس کے معنی کسی کی گردن میں (قلادہ) ڈالنے کے ہیں اور ''**تقلید**

بدنه'' کے معنی قربانی کے جانور کی گردن میں قلادہ یا کوئی نشانی ڈالنے کے ہیں۔

اقرب الموارد میں ہے'' قلد المرأة القلادة : جعلها فی عنقها ''اس عورت نے قلادہ ڈالا یعنی گردن بند (ہار) کو اپنے گلے میں ڈالا۔

کتاب صحاح میں لکھا ہے: ''اسی لئے کسی کام کی انجام دہی پر کوئی ولی منصوب کرنے کو تقلید کہتے ہیں'' **(و تقلید الولاة الاعمال)**

مزید لکھا ہے: ''تقلید کو دین میں اسی معنی سے لیا گیا ہے گویا انسان اپنے اعمال کی ذمہ داری کے قلادہ کو مقلد کے ذمہ قرار دیتا ہے۔

لسان العرب میں بھی یہی معنی بیان ہوا ہے۔

اہل لغت کی مختلف تعریفوں میں دو مشترک نکات ملتے ہیں:

۱۔ لفظ ''تقلید'' دو مفعولی ہے جس کے معنی کسی کی گردن میں قلادہ ڈالنے کے ہیں۔'' **قلدت الفقیه صلاتی و صومی** ''یعنی میں نے اپنے نماز و روزہ کی صحت کی ذمہ داری فقیہ کے ذمہ کی ہے۔

۲۔ اگر لفظ ''فی'' کے ذریعہ دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہو تو اس کے معنی تبعیت و پیروی کے ہیں مثال کے طور پر'' **قلده فی مشیه : ای تبعه فیه** ''راستہ چلنے میں اس کے تقلید کی یعنی اس کی اتباع و پیروی کی۔

اب اگر کہا جائے کہ فلاں شخص نے نماز و روزہ میں فلاں فقیہ کی تقلید کی ہے یعنی اس کی اتباع اور پیروی کی ہے۔[۱]

ب)۔تقلید اصطلاح میں

تقلید کے اصطلاحی معنی کو اسی لغوی معنی سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی '' شرعی مسائل سے ناواقف لوگوں کو شرعی مسائل میں ماہر شخص کی طرف رجوع کرنے کے ہیں''

فقہا، اور اصولیین نے تقلید کی اصطلاحی تعریف مختلف انداز میں کی ہے۔

۱۔ **قبول قول الغیر** :دوسرے کی بات قبول کرنا۔۲

۲۔ **العمل بقول الغیر** ۔:دوسرے کی بات پر عمل کرنا۔۳

۳۔ **الاخذ بقول الغیر** :دوسرے کی بات اخذ کرنا۔۴

ممکن ہے یہ تعریفیں ایک ہی معنی کی طرف اشارہ کر رہی ہوں لیکن ذرا سا غور کرنے سے تین مختلف مفہوم حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ دوسرے کے قول پر عمل کرنا،

۲۔ دوسرے کے قول کو اس پر عمل کے ارادہ سے اخذ کرنا۔

۳۔ عمل سے قلبی لگاؤ ہر چند نہ فتوی حاصل کیا ہوا اور نہ ہی عمل کیا ہو۔۵

امام خمینیؒ تحریر الوسیلہ میں لکھتے ہیں:'' **التقلید هو العمل مستندا الیٰ فتوی فقیه معین** '' تقلید یعنی معین فقیہ کے فتوے کی طرف نسبت دیتے ہوئے کوئی عمل انجام دینا۔۶

کتاب ''انوار الاصول'' میں تحریر ہے:''**التقلید هو الاستناد الیٰ رأی المجتهد فی مقام العمل** '' تقلید کا مطلب یہ ہے کہ مقلد مقام عمل میں مجتہد کی رائے اور نظریہ سے استناد کرے۔۷

ڈاکٹر عبدالکریم نملہ لکھتے ہیں:'' **التقلید اصطلاحا هو قبول مذهب الغیر من غیر حجة** '' اصطلاح میں تقلید کا مطلب دوسرے کے قول کو دلیل کے بغیر قبول کرنا ہے۔مزید لکھتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص مجتہد کی دلیل اور حجت سے واقف ہو کر اسے قبول کرے تو ایسے میں اسے تقلید نہیں کہتے اسی طرح نبی اکرمؐ کے قول یا اجماع کی طرف رجوع کرنے کو بھی تقلید نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول اور اجماع دونوں فی نفسہ حجت ہیں اور اسے قبول کرنے کو تقلید نہیں کہتے ہیں''۸

ظاہری بات ہے کہ اگر تقلید کا مطلب دینی امور کے ماہرین کی پیروی کرنا ہے تو ایسے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول بھی تقلید شمار ہوگا اگر چہ معروف اصطلاح میں تقلید کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا بہر حال اصطلاح میں تقلید کا مطلب دینی امور سے ناوقف افراد کا عالم دین اور ماہرین فن کی طرف رجوع کرنا ہے (اگر چہ اس کے کچھ حدود ہیں جن کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی۔

۲)۔تقلید روایات کی زبانی

حدیثوں اور روایتوں میں لفظ تقلید کبھی اپنے لغوی معنی میں تو کبھی اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لغوی معنی میں استعمال کے لئے دو روایتوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔امام رضا علیہ السلام خلافت اور امامت سے متعلق فرماتے ہیں:

''... **فقلدها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و آله و سلم عليا**'' خلافت وامامت کو رسول خداؐ نے علی کے ذمہ قرار دیا۔کتاب مجمع البحرین کے مصنف اس عبارت کی توضیح میں فرماتے ہیں:'' **الزمه بها اى جعلها فى رقبته و ولاه امرها** ''رسول خداؐ نے علیؑ پر خلافت کو واجب قرار دیا یعنی خلافت کی ذمہ داری علی کی گردن پر ڈال دیا اور انھیں خلافت کے سلسلہ میں والی قرار دیا۔

۲۔مولا علی متقی اپنی کتاب کنز العمال میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں''**من علم و لدا له القرآن قلده الله قلادة يعجب منها الا و لون و الآخرون يوم القيامة**''جس شخص نے اپنے بچے کو قرآن سکھایا خداوند عالم اس کی گردن میں ایسا قلادہ (ہار) پہنائے گا کہ جسے دیکھ کر روز قیامت ہر ایک حیرت میں پڑ جائے گا۔[۹]

لفظ تقلید کے اصطلاحی معنی میں استعمال ہونے کے لئے حسب ذیل روایات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جب صعصعہ بن صوحان کو خوارج کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے ان سے کہا: اگر علیؑ یہاں ہوتے تو تم ان کے ساتھ ہوتے؟ انھوں (صعصعہ) نے جواب دیا جی ہاں، تو ان لوگوں نے کہا: ''**خانت اذا مقلد علیا دینک ، ارجع فلادین لک**''یعنی یہ کہ تم اپنے دینی امور میں علی کی پیروی کرتے ہو تم واپس چلے جاؤ تمھارا کوئی دین و مذہب نہیں ہے۔

صعصعہ بن صوحان نے جواب دیا'' **و یلکم الا اقلد من قلد الله ، فاحسن التقلید** ''لعنت ہو تم لوگوں پر کیا میں ایسے کی پیروی نہ کروں جس نے کما حقہ خداوند عالم کی پیروی کی ہو؟ [۱۰]

۲۔ابوبصیر روایت کرتے ہیں کہ''امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ام خالد عبدیہ'' نے آکر عرض کی: میرے شکم میں مشکل (بیماری) ہے جس کے مداوا کے لئے عراقی طبیبوں نے نبیذ تجویز کیا ہے، مجھے یہ علم تھا کہ آپ اس سے خوش نہیں ہیں۔اطمینان خاطر کے لئے آپ کو زحمت دیا ہے تا کہ مسئلہ کی واقعیت آپ سے دریافت کروں، حضرت نے فرمایا: تمھیں اس کے نوش کرنے سے کس چیز نے منع کیا ہے۔(جب کہ طبیبوں نے تمھارے لئے تجویز کیا ہے) اس نے جواب دیا:''**قد قلدتک دینی** ''میں نے اپنا دین آپ کے ذمہ کیا ہے اور آپ ہی کی پیروی میں ہوں۔[۱۱]

۳۔مرسلۂ احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت ہے:''**فاما من کان من الفقها صائنا لنفسه ، حافظا لدینه ، مخالفا لهواه ، مطیعا لامر مولاه فالعوام ان یقلدوه** ''پس فقہا میں سے جو اپنے نفس کی صیانت کرتا ہو، اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو، خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے مولا کا فرماں بردار ہو تو لوگوں پر واجب ہے کہ اس کی تقلید کریں۔[۱۲]

مذکورہ روایات امام معصومؑ کی اطاعت سے مربوط ہیں جن کا قول خود ہی حجت ہے اور یہ چیز معروف اصطلاحی تقلید سے مختلف ہے (اس لئے کہ آج کل جن مجتہدین کی تقلید عام ہے وہ مجتہد حضرات کتاب خدا (قرآن

مجید) سنت نبوی اور ائمہ کی سنت کے ذریعہ شرعی حکم کا استنباط کر کے اپنے مقلدین تک پہنچاتے ہیں) لیکن ان روایات میں سے ایک روایت فقہا کی تقلید سے متعلق ہے اور دوسری بات یہ کہ دوسری دو روایتوں میں جو مطلب بیان ہوا ہے وہ ہمارے موضوع سے بے ربط بھی نہیں ہے اس لئے تقلید چاہے فقیہ کی ہو یا معصوم کی ہو دونوں میں پیروی کا مفہوم موجود ہے۔

۳)۔فروع دین میں تقلید کی ضرورت کیوں ہے؟

فروع دین کا مطلب وہ شرعی فرائض ہیں جن کا انجام دینا ہر مکلّف پر واجب ہے۔[۱۳]

چوں کہ ہر فریضے اور عمل کے لئے ایک مخصوص حکم ہے لہٰذا مکلّف کو ان احکام سے واقف ہونا چاہئے تا کہ اسی کے مطابق اپنے اعمال انجام دے۔

دوسری طرف احکام اور فروع دین تک رسائی کے لئے بہت سے مقدماتی علوم سے آشنائی بھی ضروری ہے، ایک مجتہد انھیں علوم کو حاصل کرنے کے بعد بحث وتحقیق اور ممارست کے بعد ان شرعی احکام کا استنباط کرتا ہے۔

ایسے میں یہ ظاہری بات ہے کہ ان علوم کی معرفت اور استنباط کی قدرت حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے کہ جو بھی چاہے اسے حاصل کرلے، اس لئے کہ پہلے تو انسان کے اندر اس کام کا جذبہ ہونا چاہئے، دوسرے اگر ہر شخص اسی کام میں لگ گیا تو اجتماعی امور کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

امام غزالی فرماتے ہیں: اس امر پر اجماع ہے کہ الٰہی احکام پر عمل کرنا ہر شخص کا فریضہ ہے لیکن ہر شخص پر درجۂ اجتہاد تک پہنچنے کا وجوب غیر ممکن ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوا تو نسلیں، کھیتیاں، ہنر اور صنعتیں تعطل کا شکار ہو جائیں گی لہٰذا ہر شخص اگر اسی کام کے لئے کمر کس لے تو معاشرے میں دنیوی کام کاج کا خاتمہ ہو جائے گا، خلاصۂ کلام یہ کہ علوم دین کی تحصیل ایک مخصوص گروہ کرے اور باقی لوگ بہر حال انھیں سے مسائل دریافت کریں۔[۱۴]

علمائے امامیہ اور اہل سنت کے اکثر علما فروع دین میں تقلید کو جائز یا واجب سمجھتے ہیں، ہاں کچھ علما نے اس

کی مخالفت بھی کی ہے۔۱۵

۴)۔فروع دین میں تقلید کے دلائل

مذہب امامیہ اور اہل سنت کے فقہا و اصولیین نے تقلید سے متعلق بہت سی دلیلیں بیان کیں ہیں جن میں سے اہم حسب ذیل ہیں:

الف)۔ عقلی دلیل :

اس بات کے پیش نظر کہ ہر مسلمان شخص اپنے اعمال کی انجام دہی پر مکلّف ہے لہٰذا ان احکام و اعمال کا علم ہونا چاہئے، واجبات سے آشنائی ہونی چاہئے تا کہ انھیں عمل میں لائے اور محرمات سے واقفیت ہونی چاہئے تا کہ انھیں ترک کرے، لیکن ہر شخص اجتہاد کے ذریعہ ان احکام تک رسائی کا نہ ہی جذبہ رکھتا ہے اور نہ ہی اتنی طاقت رکھتا ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ انسان دین کے ماہرین اور مجتہد حضرات کی طرف رجوع کرے۔

اس سلسلہ میں فخر رازی رقمطراز ہیں: ''جب ایک عام شخص فروع دین میں مشکلات سے روبرو ہوتا ہے تو ایسے میں یا تو اس کا کوئی فریضہ نہیں ہے جو بالاجماع باطل اور غلط فکر ہے؟ یا اس پر تکلیف عائد ہوتی ہے، اب یا تو اس تکلیف اور فریضہ کو استدلال کے ذریعہ حاصل کرے یا تقلید کے ذریعہ حاصل کرے، استدلال کے ذریعہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اگر اصل برائت (مکلّف ہونے سے پہلے بری الذمہ تھا) کے ذریعہ استدلال کرتا ہے تو بالاجماع باطل اور غلط ہے اس لئے کہ ہمیں علم ہے کہ وہ مکلّف ہے لہٰذا اصل برائت کی مدد سے خود کو احکام کے قید و بند سے آزاد نہیں کرسکتا ہے۔

اور اگر نقلی دلیلوں کے ذریعہ اجتہاد کر کے اپنے وظیفہ تک رسائی چاہتا ہے تو یہ بھی باطل اور غلط ہے، اس لئے کہ ایسے شخص کو یا تو رشد عقلی و فکری کے بعد اجتہاد کرنا پڑے گا تا کہ جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آئے اپنا وظیفہ سمجھ

سکے، اور یا جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو تبھی اجتہاد کی منزلیں طے کرے۔

پہلی صورت باطل اور غلط ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام بھی کسی شخص کی عقل کامل ہوتے ہی اس سے تعلیم حاصل کر کے درجۂ اجتہاد تک پہنچنے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے ساتھ ہی ساتھ اگر ہر شخص کا یہی وظیفہ ہوتا تو لوگ دنیوی امور بالکل انجام نہیں دے سکتے تھے نتیجہ میں معاشرے کے حالات خراب ہو کر رہ جاتے۔

لیکن دوسری صورت: یعنی جب مشکل پڑتی تب اجتہاد کرتے اور اپنے وظیفے تک رسائی حاصل کرتے تو یہ بھی بس کے باہر ہے اس لئے کہ فروع دین میں اجتہاد کے بہت سے مقدمات ہیں جن کا حصول اتنی جلدی ناممکن امر ہے، لہٰذا سوائے تقلید کے کوئی اور چارہ نہیں ہے''۔[۱۶]

مذہب امامیہ کے بعض معاصر فقہا کے کلام سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے اجتہاد اور احتیاط کی قدرت نہ رکھنے والے شخص پر تقلید کا وجوب عقل کی بنیاد پر ہے۔

کتاب ''منتہی الاصول'' میں اس طرح لکھا ہے: عوام الناس کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ فروع دین اور شرعی احکام پر عمل کرنا واجب ہے اور اس سلسلہ میں انھیں آزاد چھوڑا گیا اور ساتھ ہی ساتھ تفصیلی دلیلوں کے ذریعہ شرعی احکام کے استنباط کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور احتیاط پر عمل کرنے سے بھی عاجز ہوں (اس لئے کہ نہ احتیاط کی کیفیت کا علم ہے اور نہ ہی موارد احتیاط سے واقف ہیں) تو ایسے میں انھیں کی عقلوں کا قطعی اور فطری طور پر یہ حکم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کریں جو دلیلوں کے ذریعہ شرعی احکام کے استنباط کی قدرت و طاقت رکھتے ہوں دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ان لوگوں کے پاس مجتہد کے قول کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔[۱۷]

ب)۔ سیرت عقلا:

ہر دور اور ہر زمانے میں عقلا کی یہی سیرت رہی ہے کہ وہ ہر قسم کے علوم اور فنون میں اس کے ماہرین کی طرف رجوع کرتے تھے اور یہ مسئلہ ہر سماج اور معاشرے میں روشن اور واضح ہے، اس لئے کہ ہر شخص اتنا سمجھتا ہے کہ

انسان اپنی زندگی میں ضرورت پڑنے والے ہر علم کا تفصیل سے جائزہ نہیں لے سکتا۔

مثال کے طور پر ایک قلب کے مریض کو اپریشن کے لئے اس کے مخصوص کمرے میں لے جاتے ہیں لیکن یہ مریض قلب کے علاوہ دیگر بیماریوں میں بھی مبتلا ہے لہٰذا وہاں مختلف ماہرین مرض موجود ہوتے ہیں جو اپنے تخصص اور مہارت کے لحاظ سے مریض کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور مزہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ڈاکٹر دوسرے ساتھی کی مہارت کے اعتبار سے پیروی کرتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں مختلف ڈاکٹر اور ماہرین اپنے تخصص کے ماسوا دوسرے کی تقلید کر رہے ہیں اور یہی دنیا کا معمول ہے جو اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ تمام عقلا کی یہی سیرت ہے خاص کر ہمارے اس موجودہ دور میں کہ جب ہر علم اپنی منزل معراج پر ہے اور مہارت و تخصص کی نوعیت میں اضافہ ہوا ہے۔

کتاب ''کفایۃ الاصول'' کے مصنف فرماتے ہیں: ''تقلید کا جواز اور جاہل انسان کا عالم کی طرف رجوع کرنا بطور اجمال ایک ضروری اور فطری امر ہے جس کے لئے کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے''[۱۸]

شرعی مسائل بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، فطری بات ہے کہ دین سے ناواقف افراد پر واجب ہے کہ وہ اصول دین کے علاوہ دینی مسائل میں عالم دین اور ماہرین دین کی طرف رجوع کر کے اپنا وظیفہ معلوم کرے۔

خلاصہ کلام :

ہر علم و فن کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا عقلا کی سیرت ہے اور فقہی مسائل بھی اس سے خارج نہیں ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شارع مقدس نے اس سیرت سے منع بھی نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تاکید اور تائید کی ہے۔ تقلید کے جواز کی بہترین دلیل سیرت عقلا ہے اور اس کے علاوہ دوسری دلیل اسی دلیل کی تائید اور تقویت کے لئے ہے۔

ج : ۔ آیات قرآن مجید

۱:۔آیہ نفر' تقلید کی ضرورت پر استناد کی جانے والی آیات میں سے ایک آیہ نفر ہے ارشاد رب العزت ہو رہا ہے: ﴿ **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین و لینذرو ا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون** ﴾ (سورہ توبہ/۱۲۲) ان میں سے ہر گروہ کی ایک جماعت (اپنے گھروں سے) کیوں نہیں نکلتی تا کہ علم دین حاصل کرے اور جب اپنے قوم کی طرف پلٹ کر جائے تو ان کو (عذاب آخرت سے) ڈرائے تا کہ یہ لوگ ڈریں۔

مذکورہ آیات سے استدلال کا طریقہ:

۱۔لفظ لولا: تحضیض (تاکید کے ساتھ ترغیب دلانا) کے لئے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نفر (کوچ کرنا) واجب ہے۔

۲۔تفقہ دین واجب ہے اس لئے کہ نفر کا ماحصل اور نتیجہ یہی ہے (**لیتفقهوا فی الدین**)

۳۔تفقہ اور انذار کا مقصد کوچ نہ کرنے والوں کو ڈرانا ہے (**العلم یحذرون**) چوں کہ آیت مطلق ہے لہٰذا سمجھ میں یہی آتا ہے کہ انذار کے ساتھ ساتھ حذر (ڈرنا) بھی مطلقا واجب ہے، چاہے منذرین (ڈرائے جانے والے) کو علم حاصل نہ بھی ہو۔[۱۹]

۲:۔آیہ ذکر' تقلید کی ضرورت کے سلسلہ میں استناد کی جانے والی دوسری آیت آیہ ذکر ہے۔ارشاد رب العزت ہے: ﴿**فاسألوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون**﴾ (انبیاء/۷) اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (جاننے والے) سے پوچھو)

یہ آیت اس طرح دلالت کرتی ہے کہ سوال کے واجب ہونے کا مطلب بہ ظاہر یہی ہے کہ عمل کرنا واجب ہے ورنہ سوال کرنا بیہودہ کام ہوگا لہٰذا آیت دلالت کر رہی ہے کہ ناوقف افراد مقام عمل میں علماء اور ماہرین کی طرف رجوع کریں اور اسی کا نام تقلید ہے۔[۲۰]

آمدی لکھتے ہیں: ''یہ آیت عام ہے جو اپنے ہر مخاطب کو شامل ہے لہٰذا سوال کے لحاظ سے بھی عام ہونا چاہئے یعنی ہر وہ چیز جس کے بارے میں انسان کو علم نہیں، منجملہ فروع دین بھی ہیں''۲۱

دور حاضر کے بعض علمائے اہل سنت تقلید کے جواز پر ذیل کی آیت پیش کرتے تھے۔﴿ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ﴾(سورہ نساء/۸۳)

اگر (حوادث پیش آنے پر) اسے رسول خداؐ اور پیشواؤں (کہ جنھیں تشخیص کا ملکہ حاصل ہے) کی طرف پلٹائیں تو وہ مسائل کی حقیقت سے باخبر ضرور ہوں گے۔

جملہ(العلمه الذين يستنبطونه منهم) سے سمجھ میں آتا ہے کہ احکام میں اہل استنباط یعنی مجتہدین کی طرف رجوع کر کے انھیں سے پوچھیں۔۲۲

لیکن مذکورہ آیت سے استدلال کرنا مشکل ہے اس لئے کہ آیت کے شروع میں ''جمله ٔ و اذا جائهم امر من الامن أو الخوف اذا عوبه ''یعنی جب انھیں فتح یا شکست کی خبر ملتی ہے تو (بغیر تحقیق) اسے شائع کرتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے (اگر ایسے موارد میں اہل تشخیص کی طرف رجوع کریں تو وہ انھیں حقیقت سے آگاہ کریں گے''

آیت کا سیاق سیاسی، اجتماعی مسائل اور شرعی موضوعات سے متعلق ہے اور شائعات پر کان نہ دھرنے سے متعلق ہے جہاں باخبر افراد کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور شرعی احکام سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

د)۔ روایات

آیۃ اللہ العظمیٰ خوئی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں: ''تقلید کے ذریعہ عمل کے جواز اور فروع دین میں فتوے کی حجیت پر دلالت کرنے والی روایتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ تواتر اجمالی کی حد تک ہیں چاہے مضمونی تواتر نہ بھی ہو۔۲۳

ائمہ معصومین علیہم السلام سے بہت سی ایسی روایات منقول ہیں جو علمائے کرام کی پیروی کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور یہ واضح سی بات ہے کہ ان کی پیروی واجب ہونے کا سبب فقط یہی ہے کہ یہ حضرات حلال وحرام خداوندی سے آگاہ ہیں اور یہی پیروی علما کی تقلید کہلاتی ہے ذیل میں چند روایات قارئین کے پیش خدمت ہیں:

۱۔ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں: ''**ان مجاری الامور وا الاحکام علی ایدی العماء بالله الامنا علی حلاله و حرامه** ''یعنی احکام دینی وامور دین کا نفاذ علماء کے ہاتھوں میں ہے جو حلال وحرام الٰہی کے امین ہیں'' ۲۴

اس روایت میں موجود لفظ حلال وحرام واضح طور سے فقہی مسائل کی وضاحت کر رہا ہے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''**سل العلماء ما جهلت و ایاک ان تسألهم تعنتا و تجربه و ایاک ان تعمل برأیک شیئاً** ''یعنی جس چیز کا تمھیں علم نہیں اسے علماء سے پوچھو اور خبردار ہرگز انھیں زحمت میں ڈالنے یا ان کا امتحان لینے کے لئے ان سے کچھ مت پوچھنا اور خبردار کسی بھی چیز میں اپنی رائے پر عمل مت کرنا'' ۲۵

۳۔ امام علی النقی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ہم اپنے دینی مسائل کس سے سیکھیں تو آپ نے فرمایا: ''**فاصمدا فی دینکما علی کل مسن فی حبنا و کل کثیر القدم فی امرنا** ''یعنی تم دین حاصل کرنے کے لئے اس کی خدمت میں جاؤ جو ہماری محبت میں اپنی عمر گزار رہا ہو اور ہمیشہ ہمارے پاس (دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے) آتا رہتا ہو۔ ۲۶

۴۔ امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے: ''**فاما من کان من الفقهاء صائنا لنفسه ، حافظا لدینه ، مخالفا لهواه ، مطیعا لامر مولاه فللعوام ان یقلدوه** ''۲۷ پس فقہا میں سے جو اپنے نفس کی صیانت کرتا ہو، خواہشات نفس کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے مولا کا فرماں بردار ہو تو لوگوں پر واجب ہے کہ اس کی پیروی

اورتقلید کریں۔

اس روایت میں لوگوں پر مذکورہ شرائط کے حامل فقہا کی تقلید کے وجوب کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ ایسی بھی روایتیں ہیں جو فتویٰ دینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جس کا لازمہ یہ ہے کہ تقلید جائز ہے ذیل میں چند روایتیں پیش خدمت ہیں:

۱)۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام مکہ میں اپنے والی قثم بن عباس کے نام خط میں لکھتے ہیں: ''**اجلس لهم العصر ين فافت المستفتى و علم الجاهل و ذاكر العلم** ''یعنی عصرین (ان میں دو وقت) لوگوں کے ساتھ بیٹھو جو تم سے فتویٰ دریافت کرے اسے فتویٰ دو، نادانوں کو علم سکھاؤ اور علماء کے ساتھ بحث و گفتگو کیا کرو۔[۲۸]

توجہ کے قابل تو یہ ہے کہ اس روایت میں لفظ ''مستفتی'' بھی آیا ہے۔

۲)۔ امام علی رضا علیہ السلام کے کسی چاہنے والے نے عرض کیا: کہ میرا راستہ دور ہے میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتا اپنے دینی مسائل کس سے دریافت کروں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''**من زكريا بن آدم القمى المامون على الدين و الدنيا** ''زکریا بن آدم قمی سے جو امین دین و دنیا ہیں۔ راوی کا بیان ہے: ''**فلما انصرفت قد منا على زكريا بن آدم فسالته عما احتجت اليه** '' کہ جب میں وطن واپس پہنچا تو زکریا بن آدم کی خدمت میں جا کر اپنے ضروری مسائل دریافت کیا۔[۲۹]

۳)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسی نے امام سے دریافت کیا:

'' **لا اكاد اصل اليك اسألك عن كل ما احتاج اليه من معالم دينى أفيونس بن عبد الرحمن ثقه آخذ عنه ما احتاج اليه من معالم دينى** ''

میری رسائی آپ تک ہمیشہ نہیں ہوسکتی کہ میں اپنے ضروری دینی مسائل آپ سے دریافت کروں تو کیا یونس بن عبدالرحمٰن موثق اور قابل اطمینان ہیں کہ میں دینی مسائل انھیں سے دریافت کروں، امامؑ فرمایا: جی ہاں (آپ ان سے معلوم کر سکتے ہیں)[۳۰]

اس روایت میں لفظ ''معالم دین'' فتویٰ اور روایت دونوں کو شامل ہے، اسی طرح آخری روایت سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مسئلہ دریافت کرنے والا مسلمان تھا اور قابل اعتماد علما سے دینی مسائل دریافت کئے جا سکتے ہیں اسی لئے سوال کرنے والا امامؑ سے اس عام حکم کے مصداق کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو مسلمانوں کو بغیر علم کے فتویٰ دینے سے خبردار کر رہی ہیں اور یہ وضاحت کر رہی ہیں کہ اس پر عمل کرنے والے کے گناہوں کا بوجھ بھی فتویٰ دینے والے کی ہی گردن پر ہے، واضح سی بات ہے کہ ان روایتوں میں فتوے پر عمل کرنا ایک مسلم امر ہے ذیل میں چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا: ''**یا ابا ذر اذا سئلت عن علم لا تعلمه فقل : لا اعلمه تنج من تبعته و لا تفت بما لا علم لک به تنج من عذاب الله یوم القیامة**''[۳۱]

اے ابوذر جب تم سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کا جواب تم نہیں جانتے تو کہا کرو: میں نہیں جانتا تا کہ تمھیں نجات مل جائے اور جس چیز کا تمھیں علم نہ ہو اس کے بارے میں فتویٰ مت دینا تا کہ روز قیامت عذاب الٰہی سے بچے رہو۔

۲۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**من افتی الناس بغیر علم کان اثمه علی من افتاه**'' جو شخص علم کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دے گا تو اس کا گناہ خود اسی (فتویٰ دینے والے) پر ہے۔[۳۲]

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں ''**من افتی الناس بغیر علم و لا هدی من الله لعنته ملائکة الرحمة و ملائکة العذاب و لحقه وزر من عمل بفتیاه**'' اس پر رحمت اور عذاب کے فرشتے لعنت کرتے

ہیں اور فتوے پر عمل کرنے والے کا گناہ خود فتوی دینے والے کی گردن پر ہوگا۔۳۳؎

۵)۔ اجماع

علمائے اہل سنت اس دلیل کو بہت ہی اہمیت دیتے ہیں، منجملہ ''غزالی'' ہیں جنھوں نے علمائے دین سے استفتا اور ان کی تقلید کے ضروری ہونے کی سب سے پہلی دلیل ''اجماع صحابہ'' قرار دیا ہے اور لکھتے ہیں: ''وہ صحابہ کرام'' عوام الناس کے لئے فتویٰ صادر کرتے تھے اور کبھی بھی لوگوں کو درجہ اجتہاد تک پہنچنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔۳۴؎

''فخر رازی'' بھی بغداد میں معتزلہ کی تقلید کے سلسلہ میں مخالفت کا تذکرہ کرنے کے بعد تقلید کے جواز پر اپنی پہلی دلیل اجماع امت قرار دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں: ''تقلید کی مخالفت ہونے سے پہلے تقلید کے جواز پر امت کا اجماع تھا علماء لوگوں پر یہ اعتراض نہیں کرتے تھے کہ کسی مسئلہ پر اجتہاد کی دلیل معلوم کئے بغیر علما کی باتیں اور فتوے کیوں قبول کر لیتے ہیں۔۳۵؎

مذہب امامیہ کے علماء، فقہا اور اصولیوں نے بھی تقلید کے مسئلہ میں اجماع سے تمسک کیا ہے چنانچہ میرزای قمیؒ لکھتے ہیں: علما کا اجماع مشہور یہ ہے کہ جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہوا ہو وہ فروع دین میں دوسرے کی تقلید کر سکتا ہے۔

اس کے بعد کتاب ''ذکر'' سے شہید اول کا قول نقل کرتے ہیں کہ اکثر علمائے امامیہ کا یہی عقیدہ ہے فقط چند علمائے قدیم اور علمائے حلب اس سلسلہ میں اختلاف رکھتے ہیں۔

مزید لکھتے ہیں: تقلید مطلقا جائز ہے چاہے مقلد عامی محض ہو یا بعض علوم سے کسی حد تک واقف ہو، اس لئے کہ یہ اجتماعی مسئلہ ہے، سید مرتضی اور شیعہ وسنی دیگر علما نے اس اجماع کو صراحتا بیان کیا ہے، اسی طرح ماضی کے وہ علماء جن کے یہاں افتا اور استفتا رائج تھا اگر ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان حضرات نے بھی اس مسئلہ (تقلید) کو قبول کیا ہے۔۳۶؎

یہاں پر دو اہم نکتوں کی طرف توجہ ضروری ہے

الف)۔ فخر رازی سے نقل ہونے والی بات ممکن ہے کہ اصطلاحی اجماع سے وسیع تر ہو جو اشارہ ہو سیرت مسلمین کی جانب، اس لئے کہ انھوں نے لفظ ''امت مسلمہ کا اجماع ہے'' استعمال کیا ہے۔

ب)۔ اس بات کے پیش نظر کہ تقلید کے سلسلہ میں بہت ہی زیادہ مدارک موجود ہیں، لہٰذا ہماری نظر میں حجیت اجماع کے سلسلہ میں اس اجماع کی حیثیت، ''اجماع مدرکی'' کی ہے' اسی لئے یہ مستقل دلیل شمار نہیں ہوسکتا۔

ز) سیرت مسلمین

مسلمانوں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اصحاب کی یہی سیرت رہی ہے کہ وہ حلال وحرام کے مسئلہ میں خود پیغمبرؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی طرف رجوع کرتے تھے اور اگر ان حضرات تک رسائی نہ ہوسکتی تو ان کے نائبین اور فقہا سے رجوع کرتے تھے، اب یہ سیرت چاہے جاہل انسان کے ایک عالم کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں ہو یا فطری اور ارتکازی طور پر ہو یا کسی تیسری صورت میں ہو چوں کہ معصومین علیہم السلام کے زمانے میں تھی لہٰذا ان کی رضا کی کاشف ہے، کتاب ''فصول'' کے مصنف صراحتا فرماتے ہیں کہ دینداروں کی سیرت خود ہی تقلید کے جواز کی مستقل دلیل ہے۔[۳۷]

البتہ یہ سیرت چاہے بر بنائے عقلا ہو یا انسانی فطرت کی بنیاد پر ہو یا خود ہی ایک مستقل امر ہو ہر حال میں یہ ثابت کرتی ہے کہ اس مسئلہ (جواز تقلید) میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۵)۔ مخالفین تقلید

اس کے باوجود کہ تقلید کا مسئلہ اور ایک جاہل انسان کے عالم کی طرف رجوع کرنے کا مسئلہ بالکل ہی واضح، فطری اور اجماعی ہے اور طول تاریخ میں متشرعہ کی سیرت بھی یہی رہی ہے کہ عوام الناس حلال وحرام کا حکم مجتہدین سے دریافت کرتے تھے اور ان کے فتوے پر عمل کرتے تھے پھر بھی بعض علما نے تقلید کی مخالف کی ہے،

مذہب امامیہ میں اخباریوں کا چھوٹا سا گروہ تقلید کا مخالف ہے۔۳۸؎ اور اہل سنت میں مسلک ظاہری کے بعض علماء جیسے: داؤد بن علی اور ابن حزم وغیرہ اسی طرح حنبلیوں کا ایک گروہ جیسے: ابن تیمیہ، ابن قیم جوزی اور فرقہ اباضیہ تقلید کو حرام سمجھتے ہیں۔۳۹؎ ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا بھی کہنا ہے کہ: ''**لا یحل لا حد ان یقول بقولنا حتی یعلم من این قلناہ** ''کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول پر قائل ہو جب تک کہ وہ ہمارے قول ونظریہ کی دلیل سے آگاہ نہ ہو جائے۔۴۰؎

احمد بن حنبل کہتے ہیں: ''**لا تقلدنی و لا تقلد مالکاو لا الثوری ولا الا و زاعی و خذ من حیث اخذوا** ''نہ میری تقلید کرو اور نہ ہی مالک اور نہ ہی اوزاعی کی تقلید کرو بلکہ احکام انھیں راہوں سے حاصل کرو جن راہوں سے ان لوگوں نے حاصل کیا ہے۔۴۱؎

شوکانی جو تقلید کے مخالف ہیں، لکھتے ہیں'' جمہور علماء اس بات کے معتقد ہیں کہ فروع دین میں مطلقا تقلید جائز نہیں ہے'' اس کے بعد'' قرافی'' سے نقل کرتے ہیں کہ'' مالک اور مشہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ اجتہاد واجب ہے اور تقلید باطل ہے اور ابن حزم نے اس مسئلہ پر اجماع کا دعوی کیا ہے مزید لکھتے ہیں: ائمہ اربعہ کا عقیدہ یہی تھا کہ ان کی تقلید نہ کی جائے۔۴۲؎

ابن حزم لکھتے ہیں: ''**لا یحل لا حد ان یقلد احدا لا حیا و لا میتا و علی کل احد من الا جتھاد حسب طاقتہ** ''کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی تقلید کرے چاہے وہ (مقلد) زندہ ہو یا مردہ بلکہ ہر ایک کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی توانائی کے مطابق اجتہاد کرے۔۴۳؎

اس کے بعد ایک سوال فرض کرتے ہیں کہ عام انسان احکام الٰہی دریافت کرنے کے لئے کون سا عمل انجام دے؟ لہٰذا اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اگر روئے زمین کا جاہل ترین شخص بھی ہے تو اس کا فریضہ ہے کہ کسی دوسرے شخص سے جو دینی مسائل کا زیادہ علم رکھتا ہو سوال کرے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دریافت کرے کہ اس مسئلہ

سے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ جب وہ عالم اس سلسلہ میں اس کی رہنمائی کر دے اور فتوی دے دے تو پھر اس سے پوچھے کہ'' **هکذا قال الله عزوجل و رسوله** '' کیا خدا اور رسولؐ نے یہی فرمایا ہے؟ اگر وہ عالم جواب میں ہاں کہے تو اس کے اسی قول پر عمل کرے گا۔ لیکن اگر عالم کہے کہ یہ میری رائے اور میرا نظریہ ہے یا کہے کہ یہ قیاس کی بنیاد پر ہے یا کہے یہ نظریہ فلاں عالم یا اس کے پیروکاروں کا ہے یا وہ عالم خاموش رہے یا سوال کرنے والے کو بھگا دے یا کہے کہ مجھے نہیں معلوم تو ان تمام صورتوں میں اس کے نظریہ کو قبول کرنا اور اس عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ کسی دوسرے عالم دین کے پاس جانا پڑے گا۔

شوکانی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک اجتہاد و تقلید کے درمیان ایک بیچ کی راہ ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اجتہاد نہیں کر سکتا تو اس کا فریضہ ہے کہ وہ کسی عالم دین سے احکام دریافت کرے مگر اس کی شرعی دلیلوں کے ساتھ نہ کہ فقط اس کی رائے اور نظریہ کے بارے میں سوال کرے۔[۴۴]

چند نکات

پہلا نکتہ: ۔تقلید کے مخالف علمائے اہل سنت کے اقوال سے دو باتیں سمجھ میں آئی ہیں:

۱۔ائمہ مذاہب سے منقول اقوال میں جو تقلید سے منع کیا گیا ہے حقیقت میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ علما اور صاحبان نظر کو ان (ائمہ مذاہب) کی تقلید نہیں کرنی چاہئے بلکہ انھیں خود ہی منابع کی تلاش کر کے احکام کو استنباط کرنا چاہئے گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ تقلید کرنا خود مجتہد کے لئے جائز نہیں ہے۔

۲۔ابن حزم اور شوکانی وغیرہ سے منقول مخالفتیں حقیقت میں مجتہد کی ظنی رائے اور قیاس ظنی کی مخالفت ہے ان کا عقیدہ ہے کہ فقط نصوص شرعیہ کی پیروی کرنی چاہئے لہٰذا کسی مجتہد کی ذاتی رائے کو ملاک عمل نہیں بنانا چاہئے۔اسی لئے ابن حزم آیۂ'' **لیتفقهوا فی الدین و لینذروا قومهم** '' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس آیت سے جو مطلب نکلتا ہے وہ یہ کہ خداوند عالم نے علم دین کے لئے کوچ کرنے والے شخص کے نظرئے کو

قبول کرنے کا حکم نہیں دیا ہے کہ ہم اس کے قانون اور فتوے پر عمل کریں، بلکہ حکم اس بات کا دیا ہے کہ کوچ کرنے والے نے دین کی جو باتیں سمجھی ہیں یعنی وہی احکام جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں، ان باتوں کو قبول کریں نہ کہ وہ دین وشریعت قبول کریں جسے خداوند عالم نے بنایا ہی نہیں ہے''۴۵

تو پتہ چلا کہ ان حضرات کی مخالفت تقلید سے نہیں ہے بلکہ قیاس واستحسان وغیرہ پر استوار نظریئے کی حجیت سے ہے۔ البتہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کبھی کبھی مجتہد کے پاس ایک حکم کے سلسلہ میں کوئی خاص نص نہیں ہوتی اور وہ اطلاعات، عمومات یا اصول عملیہ کی مدد سے فتویٰ دیتا ہے ایسے میں اس کے قول کو ماننے کا مطلب وہی نصوص شرعیہ کو قبول کرنا ہے نہ کہ قیاس واستحسان وغیرہ کی بنیاد پر مجتہد کے ذاتی نظریئے کو قبول کرنا ہے۔ ہاں اگر اس طرح (ظنی و ذاتی نظریہ) ہے تو فقہائے اہلبیتؑ بھی اسے قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک ایسے نظریہ پر نہ کہ صرف کوئی عمل نہیں کرسکتا ہے بلکہ خود مجتہد کے لئے بھی اپنی ظنی رائے اور اپنے ظنی نظریئے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ: جو کچھ احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے وہ ان کے عمل سے سازگار نہیں ہے اس لئے کہ خود انھوں نے شافعی کے قول پر فتوی دیا ہے وہ لکھتے ہیں: ''**اذا سئلت عن مسئلة لم اعرف فيها خبرا افتيت بقول الشافعي لانه امام عالم من قريش**'' اگر مجھ سے کوئی سوال کیا جاتا اور میرے پاس اس سلسلہ میں کوئی حدیث نہ ہوتی تھی تو میں شافعی کے قول کے ذریعہ فتوی دیتا تھا اس لئے کہ وہ (شافعی) قریش کے ایک عالم اور امام ہیں۔۴۶

اسی طرح یہ بات جواز تقلید پر اجماع سے سازگار نہیں ہے اور غزالی تقلید کے جواز کی پہلی دلیل صحابہ کا اجماع سمجھتے ہیں۔۴۷

لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ ابوحنیفہ اور احمد حنبل کا قول ان علماء کے متعلق ہو جو استنباط احکام کی صلاحیت نہیں رکھتے جس کا تعلق عام لوگوں سے نہیں ہے اس لئے کہ بہت سے ایسے افراد ہیں جو اسلام لائے ہیں اور غیر عرب

ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ افراد نہ قرآن سے احکام کے استنباط کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی سنت نبوی سے، بلکہ شاید ان کے درمیان بالکل ہی جاہل افراد بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا ہے جو کہے کہ وہ مکلّف نہیں ہیں اور اسلام کے احکام ان پر نافذ نہیں ہوتے؟ یقیناً کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا پس جب وہ مکلّف ہیں تو وہ کس طرح شرعی احکام دریافت کر سکتے ہیں؟ کیا علماء وفقہائے دین کی طرف رجوع کے سوا کوئی دوسرا راستہ ان کے پاس ہے؟ اور یہ بات تو اس قدر واضح وروشن ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

۶)۔ مخالفین تقلید کے دلائل

مخالفین تقلید کی پہلی دلیل

آیات قرآن مجید

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر تقلید کی مذمت کی ہے۔ ابن حزم اندلسی کہتے ہیں: ہمارے پاس تقلید کے بطلان پر دلیل موجود ہے اور خداوند عالم نے تقلید کی مذمت کی ہے جو ذیل کی آیت سے سمجھ میں آ رہا ہے: ﴿ **انا اطعنا سادتنا و کبرائنا فاضلوا السبیلا** ﴾ (احزاب/۶۷) ''(روز قیامت وہ کہیں گے پروردگارا) ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا تو انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا'' ۴۸

شوکانی مذکورہ بالا آیت کے علاوہ ذیل کی آیات کو بھی تقلید کی مذمت کی دلیل بیان کرتے ہیں: ﴿ **انا وجدنا آبائنا علی امة** ﴾ ''(بلکہ ان لوگوں نے کہا) کہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے۔ (زخرف/۲۲) ۴۹ اور آیہ ﴿ **اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون اللّٰه** ﴾ ان لوگوں نے تو خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور زاہدوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ (سورہ توبہ/۳۱) ۵۰

فقیہ عالی قدر آیۃ اللہ العظمی خوئیؒ لکھتے ہیں: ذیل کی آیت جو تقلید کی مذمت پر دلالت کر رہی ہے اس سے بھی لوگوں نے تقلید کے بطلان پر استدلال کیا ہے: ﴿ **و اذا قیل لهم تعالوا الیٰ ما انزل اللّٰه و الی**

الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیه آبائنا ﴾اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (قرآن) خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم نے جس چیز پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ (سورہ مائدہ/۱۰۴) [۵۱]

جواب

۱۔ اس طرح کی آیات جاہل انسان کو جاہل ہی کی طرف رجوع کرنے سے منع کرتی ہیں جس کا علمائے دین کی تقلید کرنے سے کوئی ربط نہیں ہے، حقیقت میں ان آیات کے مخاطب جاہل مشرکین ہیں جو اپنے ہی طرح کے دوسرے جاہلوں اور نادانوں کی طرف فقط ان کی بزرگی اور تعصب کی بنیاد پر رجوع کرتے تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے۔ ورنہ خود قرآن مجید نے ''اہل ذکر'' اور عالموں کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی ہے۔

۲۔ یہ آیتیں اصول دین سے مربوط ہیں اس لئے کہ مشرکین اپنے بزرگوں، سرداروں اور باپ داداؤں سے جو چیز دریافت کر کے اس پر عمل کرتے تھے وہ عام طور پر شرک، بت پرستی اور خرافاتی عقائد تھے۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے۔

مخالفین تقلید کی دوسری دلیل

روایات

مرحوم شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب کے باب ''**عدم جواز تقلید غیر المعصوم علیهم السلام فیما یقول برایه**'' کے عنوان سے اس مسئلہ (تقلید) کو مخصوص کیا ہے اور اس سے متعلق روایتوں کو نقل کیا ہے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

الف) آیۂ ﴿ **اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله** ﴾ ''(یہود و نصاریٰ) نے خداوند عالم کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور زاہدوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے (سورہ توبہ/۳۱) کی تفسیر کے بارے میں امام جعفر

صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''**اما واللّٰہ ما دعوھم الیٰ عبادۃ النفسھم و لو دعوھم ما اجابوھم و لکن احلوا لھم حراما و حرموا علیھم حلالا فعبدوھم من حیث لا یشعرون**'' خدا کی قسم ان یہودی وعیسائی عالموں اور زاہدوں نے لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت ہرگز نہیں دی ہے اگر یہ (علماء اور زاہدین) انھیں دعوت دیتے تو لوگ کبھی بھی ان کی دعوت پر لبیک نہ کہتے مگر ہاں ان یہودی عالموں اور زاہدوں نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا تو (لوگوں نے بھی اسے قبول کیا) گویا لوگوں نے بے خبری میں ان کی عبادت و پرستش کی ہے۔۵۲

ب) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''**من دان بغیر سماع الزمہ اللّٰہ البتہ الیٰ الفناء و من دان بسماع من غیر الباب الذی فتحہ اللّٰہ لخلقہ فھو مشرک و الباب المامون علی وحی اللہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم**'' جو شخص (معصوم سے) سنے بغیر کسی چیز کو دین کے عنوان سے قبول کرے تو خداوند عالم اسے نیست و نابود کر دے گا اور جو شخص اپنے دین کو خداوند عالم کے معین کئے ہوئے دروازے سے ہٹ کر دریافت کرے گا وہ مشرک ہے اور جس در سے اطمینان کے ساتھ الٰہی وحی دریافت کی جاسکتی ہے وہ دروازہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔۵۳

جواب

واضح سی بات ہے اس طرح کی حدیثوں کا ہماری بحث سے کوئی ربط نہیں ہے یہ حدیثیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے ذاتی سلیقہ یا غیر معتبر دلیلوں کے سہارے احکام الٰہی بیان کرتے ہیں لیکن جو علماء قرآن و سنت اور خداوند عالم کے نزدیک معتبر دلیلوں کے ذریعہ الٰہی احکام کا استنباط کر کے استنباط کی توانائی نہ رکھنے والوں کے سامنے فتوی پیش کرتے ہیں ان روایات کے مشمول نہیں ہیں بلکہ یہ حضرات حق کے متلاشی اور ہر ممکن راہوں سے وحی الٰہی کی جستجو کرنے والے ہیں اور مذکورہ باب میں صاحب وسائل نے جو روایتیں بیان کیں ہیں ساری کی ساری

اسی قسم کی ہیں۔

مخالفین تقلید کی تیسری دلیل

تقلید کے مخالفوں نے دوسری بہت سی دلیلیں پیش کی ہیں جیسا کہ کتاب '' **المهذب** '' کے مصنف ڈاکٹر عبدالکریم نملہ نقل کرتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ کہ عام شخص ہمیشہ مجتہد کے قول پر اطمینان نہیں کرتا لہٰذا اسے چاہئے کہ مجتہد سے اس کی دلیل بھی معلوم کرے تا کہ اس کا شبہ دور ہو جائے پھر مصنف خود ہی اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلے تو یہ کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر مجتہد اپنی دلیل انھیں بتا بھی دے تو بھی وہ اس دلیل سے کچھ نہ سمجھ پائیں گے۔

دوسری بات یہ کہ فروع دین کا اصول دین سے قیاس کر کے کہتے ہیں: چوں کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے لہٰذا فروع دین میں بھی جائز نہیں ہے۔ ڈاکٹر نملہ اس کا بھی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: یہ (قیاس مع الفارق) ہے اس لئے کہ اصول دین اور فروع دین میں دو نمایاں فرق ہے:

۱۔ اصول دین جیسے توحید، نبوت وغیرہ کے کشف کرنے کا راستہ عقل ہے جس میں انسان کو بصیرت اور معرفت کی ضرورت ہے اور اس سے انسان کی زندگی اور کسب معاش پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن فروع دین میں دلائل کی کثرت اور تنوع کے سبب احکام شرعی کی جستجو اور اجتہاد میں طویل وقت درکار ہے کے پیش نظر ساتھ ہی ساتھ اس سلسلہ میں نظریات اور معلومات میں وسعت اس امر کا سبب بنتے ہیں کہ انسان اپنے دوسرے کاموں سے دور ہو جائے نتیجہ میں کسب معاش میں خلل پیدا ہوگا جب کہ زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔

۲۔ فروع دین میں علم و یقین کی شرط نہیں ہے بلکہ ظنی دلیلیں جیسے خبر واحد بھی کافی ہے لیکن اصول دین میں جزم و یقین کی ضرورت ہے جو مجتہد کے قول سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔[۵۴]

مخالفین تقلید کی چوتھی دلیل

تقلید کے سلسلہ میں عقلی شبہ: تقلید سے متعلق شبہات میں سے ایک شبہ یہ ہے کہ تقلید فکری انحطاط کا سبب

بنتی ہے اس لئے کہ تقلید کا جواز سبب بنتا ہے کہ انسان علم حاصل نہ کرے اور صرف اس لئے کہ ایک مجتہد ہے جس کی وہ تقلید کر سکتا ہے لہٰذا علم و دانش سیکھنے کی کیا ضرورت ہے اسی لئے وہ علم حاصل نہیں کرتا۔

جواب:

اس شبہ کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقلید (اپنے اس معنی کے اعتبار سے کہ ہر علم و فن کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے) نہ فقط فکری انحطاط کا سبب نہیں بنتی بلکہ اس بات کا سبب بنتی ہے کہ ایک معاشرہ علمی، مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے ترقی کرے، اس لئے کہ کوئی شخص بھی ہر علم سیکھنے اور اس میں مہارت رکھنے کی سکت نہیں رکھتا لہٰذا وہ مجبور ہے کہ فقط ایک یا چند علم حاصل کرنے پر اکتفا کرے اور باقی مشکلات میں اس کے ماہرین کی طرف رجوع کر کے ان کے علوم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مشکلوں کو حل کرے۔

یہی نہیں بلکہ بعض افراد تو اگر ہمت کر کے مجتہد بھی بننا چاہیں تو بھی فروع دین کی وسعت اور گہرائی کے پیش نظر وہ مجتہد نہیں بن سکتے، اسی لئے اگر لوگ ماہرین دین اور علمائے دین کی پیروی اور تقلید نہیں کرتے تو ایسی صورت میں ان کے پاس اپنے فرائض کی انجام دہی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

۷)۔ کیا احتیاط پر عمل کرنا ممکن ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اجتہاد اور تقلید کے علاوہ تیسرا راستہ بھی ہے جسے احتیاط کہتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اجتہاد کی سکت نہیں رکھتا تو احتیاط کے ذریعہ شرعی احکام انجام دے سکتا ہے اور پھر تقلید کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

جواب:

اول۔ بعض فرعی مسائل میں احتیاط پر عمل کرنا غیر ممکن ہے مثال کے طور پر اگر کوئی نماز گزار کہے ''السلام علیکم'' اور اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس سلام کے جواب میں مماثلت شرط ہے یا نہیں؟ یعنی اسے نہیں معلوم کہ اس کا

فریضہ ''سلام علیکم'' یا فقط سلام یا ''وعلیکم السلام'' ہے، ایسے میں اگر اس نے لفظ ''سلام'' یا ''وعلیکم السلام'' کہا تو اگر مما ثلت شرط ہے تو وہ حرام کا مرتکب ہوا اور اگر فقط ''سلام'' کہنا واجب تھا اور اس نے سلام علیکم یا ''وعلیکم السلام'' کہا تو بے جا کلام میں اضافہ کے سبب اپنا فریضہ (یعنی نماز) باطل کر دیا۔ ۵۵

بہر حال جہاں مسئلہ وجوب وحرمت (واجب اور حرام) کا ہوگا وہاں اجتہاد کے بغیر کسی ایک مسئلہ کو اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے نتیجہ میں احتیاط کرنا بھی غیر ممکن ہے۔

دوسرے: تمام فرعی امور میں احتیاط پر عمل، انسان کو بہت سے مشکلات، پریشانیوں اور سختیوں سے دوچار کر دیتا ہے جو روح اسلام اور بعثت انبیاء کے اہداف سے ناسازگار ہے دوسرے لفظوں میں: مطلقا ہر مسائل میں احتیاط پر عمل کرنا زندگی میں زبردست عسر وحرج بلکہ کبھی کبھی زندگی کے امور معطل ہونے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

تیسرے: احتیاط کی تشخیص بھی کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ شرعی مسائل سے واقفیت بھی ضروری ہے احتیاط کے موارد سمجھنے کے لئے کچھ مقدمات کو طے کرنا پڑتا ہے جو بہت سے افراد کے بس کے باہر ہے۔

کتاب ''العروۃ الوثقیٰ'' کے مصنف لکھتے ہیں: ''جو شخص احتیاط پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے احتیاط کی کیفیت سے واقف ہونا چاہئے یا اجتہاد کر کے یا تقلید کے ذریعہ'' ۵۶

خلاصہ یہ کہ جو شخص احتیاط پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے خود مجتہد یا مقلد ہونا چاہئے اور اس کا مرجع اسے احتیاط کی اجازت بھی دے یا خود ہی اجتہاد کر کے خود کے لئے جواز احتیاط کا استنباط کرے، اس لئے کہ احتیاط کا جائز ہونا یا جائز نہ ہونا بھی فقہا کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے۔ ۵۷

توجہ

فقہا اور اصولیوں نے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ ضرورت دین جیسے وجوب نماز اور وجوب روزہ وغیرہ میں تقلید کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح یقینیات میں بھی جب مکلّف کو یقین حاصل ہو جائے تقلید ضروری نہیں۔ ۵۸

اس کی دلیل بھی واضح ہے اس لئے کہ تقلید کسی مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہونے کی صورت میں اور مذکورہ بالا موارد میں علم حاصل ہو چکا ہے۔

۸)۔تاریخ تقلید

صدر اسلام میں تقلید کا وجود

بعض کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تقلید کی قدمت صدر اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ہے اس لئے کہ اصحاب نبی سب کے سب ایک جیسے نہیں تھے ان میں سے بعض مثال کے طور پر حضرت علی علیہ السلام، سلمان فارسی، اور معاذ بن جبل جیسے افراد آنحضرتؐ سے کلی قوانین دریافت کر کے قرآن وسنت سے متعلق اپنی صلاحیت کے اعتبار سے مصادیق کو اچھی طرح مشخص کر کے احکام الٰہی پر عمل کرتے تھے اور لوگوں کو بھی بتاتے تھے۔

اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیہ نفر ﴿ **فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین و لینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون** ﴾ (سورہ توبہ/۱۲۲) اسی حقیقت کی حکایت کر رہی ہے اس لئے کہ اس آیت کے ظاہری سیاق سے یہی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کا ایک گروہ مدینہ میں دینی مسائل حاصل کر کے دوسروں تک منتقل کرتا تھا اور یہ آیت اگر چہ دینی معارف واحکام سے وسیع تر ہے اور اسی طرح صحابہ کرام عام طور سے جو کچھ لوگوں تک منتقل کرتے تھے وہ اجتہاد کے اصلاحی معنی میں نہیں تھا اور نہ ہی لوگ اصطلاحی تقلید کے لحاظ سے ان سے مطالب معلوم کرتے تھے۔مگر ہاں بعض مقامات پر کلی اصول سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ فرعی مسائل کا استخراج کرتے تھے جو اجتہاد کا ایک مصداق ہے اور لوگوں کا ان مسائل میں صحابہ کی پیروی کرنا تقلید کا مصداق ہے۔

ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے افراد تھے جو علم ودانش میں اس حد تک نہیں تھے اور جب

وہ امام سے ملاقات نہیں کر پاتے تھے تو وہ انھیں باعلم افراد کی طرف رجوع کرتے تھے اور یہی عمل، تقلید کہلاتا ہے۔ ائمہؑ نے بھی اس کی تائید کر کے اس کی صحت کی سند دی ہے، اگر یہ اس زمانے میں اجتہاد ابتدائی اور سادہ تھا جس کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

۱:۔امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے صحابی ''ابان بن تغلب'' (جو کہ افاضل صحابہ میں تھے) سے فرماتے ہیں: '' **اجلس فی مسجد المدینة و افت الناس فانی احب ان یریٰ فی شیعتی مثلک** ''اے ابان تم مسجد مدینہ میں بیٹھ کر لوگوں کو فتویٰ دو میں چاہتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تمھارے جیسے افراد ہوں۔۵۹

۲:۔امام رضا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا: '' **لا اکاد اصل الیک اسئلک عن کل ما احتاج الیه من معالم دینی افیونس بن عبد الرحمن ثقة اخذ عنه ما احتاج الیه من معالم دینی ؟ فقال نعم** ''۶۰

میری رسائی آپ تک ہمیشہ نہیں ہوسکتی کہ میں اپنے ضروری دینی مسائل آپ سے دریافت کروں تو کیا یونس بن عبدالرحمان موثق ہیں کہ میں دینی مسائل انھیں سے دریافت کروں؟ امام نے فرمایا: جی ہاں (آپ ان سے معلوم کر سکتے ہیں)

۳:۔امام رضا علیہ السلام سے ایک شخص نے پوچھا: ''**شقتی '' بعیده و لست اصل الیک فی کل وقت فممن آخذ معالم الدین ؟ قال من زکریا ابن آدم القمی المامون علی الدین و الدنیا** '' ۶۱

میرا گھر دور ہے میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتا، اپنے دینی مسائل کس سے دریافت کروں؟ امام نے فرمایا: زکریا ابن آدم قمی سے جو امین دین و دنیا ہیں۔

۹)۔صحابہ و تابعین کی تقلید

صدر اسلام میں مسلمان خاص کر نو مسلمان، جنھوں نے پیغمبر خداؐ کو دیکھا نہیں تھا اپنے مسائل صحابہ کرام

خاص کر اہل علم صحابہ سے دریافت کرتے تھے اور اس کے بعد والے دور میں تابعین سے پوچھتے تھے جن صحابہ سے لوگ فتویٰ دریافت کرتے تھے ان میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ ابن عباس ابن مسعود اور زید بن ثابت وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔[۶۲]

اور تابعین میں جو حضرت صاحب فتویٰ تھے اور لوگ ان سے احکام دریافت کرتے ان میں سعید بن مسیّب (متوفی ۹۴ھ) اور سعید بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) کا نام لیا جاسکتا ہے۔[۶۳]

۱۰)۔فقہائے مذاہب اہل سنت کی تقلید

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے چوتھی صدی کی ابتداء تک بہت سے فقہا سامنے آئے ہیں یہاں تک کہ ہر شہر میں ایک فقیہ تھا اور ہر عالم اپنے طور سے استنباط کر کے لوگوں کو فتویٰ دیتا تھا۔جیسا کہ تاریخ میں ملتا ہے ''اس دور میں مختلف مذاہب تھے جو سو کی تعداد سے بھی زیادہ تھے''[۶۴]

اس کے بعد طے پایا کہ تمام مذاہب کو چار مذہبوں (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) میں محدود کر دیں اور سارے انھیں کی تقلید کریں۔[۶۵]

۱۱)۔رسالہ عملیہ (توضیح المسائل کی تدوین)

گزشتہ زمانہ میں مقلدین کے لئے فقہا کے رسالہ (المسائل) کے عنوان سے موجود تھے مثال کے طور پر شیخ طوسی کا رسالہ'' **المسائل الجیلانیة و المسائل الرجبیة** ''اس کے بعد شیخ بہائی کا رسالہ'' جامع عباسی'' اور میرزای قمی کا رسالہ'' جامع الشتاب''، لیکن رسالہ عملیہ پہلی بار نامور فقیہ سید محمد حسین بروجردیؒ کے دور میں حوزہ علمیہ قم کے چند افاضل علماء کے ذریعہ تدوین پایا جو آیۃ اللہ بروجردی کے فتاوی کے مطابق تنظیم ہوا اور یہ عام لوگوں کے لئے احکام سمجھنے میں پہلا موثر قدم تھا اس لئے کہ پہلے کے سارے رسالے فقہ کی مخصوص اصطلاحوں سے مملو تھے لیکن اب وہ اصطلاحیں اس ''توضیح المسائل'' نامی رسالہ میں نہیں تھیں جملے آسان اور واضح تھے لیکن دقیق اور منسجم تھے اسی وجہ سے یہ رسالہ دینداروں کے لئے دینی مسائل کے سمجھنے میں کافی اثر انداز رہا ہے۔

موصوف کے بعد دوسرے بڑے مراجع نے بھی اس سے استفادہ کیا اور اس میں اپنے فتوے داخل کر کے اس پسندیدہ سنت کو جاری رکھا اور اب دور حاضر میں توضیح المسائل سرے سے تصحیح ہو کر نئے مسائل، سوال و جواب کے اضافہ کے ساتھ آسان زبان اور نئے طرز سے لوگوں کے سامنے موجود ہے فقہائے اہل سنت کے درمیان بھی مسائل واحکام کا مجموعہ ''مجموعہ فتویٰ۔۔۔'' کے عنوان سے شائع ہوتا ہے جس میں ان کے مقلدین کے ضروری مسائل موجود ہوتے ہیں۔

۱۲)۔تقلید کا مسئلہ تقلیدی نہیں ہے

اس بات کے پیش نظر کہ اجمالی طور پر ہر مکلّف جانتا ہے کہ شریعت اسلام میں کچھ واجبات اور کچھ محرمات ہیں جن سے واقفیت ہونی چاہئے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے ان احکام کی شناخت یا اجتہاد کے ذریعہ ہوسکتی ہے یا مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کے ذریعہ، اگر انسان خود ہی مجتہد ہوگا تو اپنے بری الذمہ ہونے کا یقین کر لے گا لیکن اگر مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہے تو اس کا تقلید کرنا اسی وقت اسے بری الذمہ کرسکتا ہے جب اسے یقین ہو کہ مجتہد کی تقلید کافی ہے اسی لئے تقلید کے مسئلہ میں کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرنی چاہئے بلکہ انسان کو یقین ہونا چاہئے کہ اس کا وظیفہ تقلید ہے اور تقلید کے سوا کوئی دوسرا راستہ بری الذمہ ہونے کے لئے موجود نہیں ہے۔[۶۶] اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

دوسرے لفظوں میں: تقلید کے جواز کے مسئلہ میں تقلید کرنے سے ''دور'' لازم آتا ہے۔(لہٰذا فریضہ تقلید عقلی ہے)

حقیقت میں مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کی ضرورت کے سلسلہ میں تقلید نہیں ہونی چاہئے البتہ تقلید کے خصوصیات کے سلسلہ میں تقلید کی جاسکتی ہے مثال کے طور پر میت کی تقلید کے سلسلہ میں۔

۱۳)۔اعلم مجتہد کی تقلید

کیا مقلدین پر واجب ہے کہ وہ اعلم کی تقلید کریں؟ اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف نظر ہے۔

فقیہ بزرگوار آیۃ اللہ سید محسن حکیم فرماتے ہیں: ''علمائے مذہب امامیہ کے درمیان مشہور یہی ہے کہ اعلم کی تقلید ضروری ہے۔ محقق قاضی نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے سید مرتضٰی نے کتاب ''الذریعہ'' میں اس مسئلہ کو علمائے امامیہ کے مسلمات میں قرار دیا ہے لیکن شہید ثانی کے بعد بعض علما کا عقیدہ ہے کہ غیر اعلم کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ۶۷

فخر رازی کی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سنت کے درمیان بھی اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں: اگر کسی فتوے پر تمام مجتہدین متفق ہیں تو اسی پر عمل کیا جائے گا اور کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر اختلاف رہا تو مکلّف پر واجب ہے کہ اعلم واورع کی طرف رجوع کرے۔

لیکن ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس مجتہد کی چاہے تقلید کر سکتا ہے۔ ۶۸

فخر رازی کا عقیدہ ہے کہ اختلاف نہ ہونے کی صورت میں اعلم کا تفحص ضروری نہیں ہے لیکن اگر فتوے میں اختلاف ہے تو ان کی نظر میں افضل اور اعلم مجتہد کی پیروی واجب ہے۔ ۶۹

آمدی اتفاقی یا اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کئے بغیر لکھتے ہیں: ''متعدد مفتی موجود ہونے کی صورت میں بعض کا عقیدہ ہے کہ اعلم اور اورع کی پیروی وتقلید واجب ہے۔ حنبلی، ابن سریج، شافعیوں میں قفال اور فقہا و اصولین کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے۔ ۷۰

جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اعلم کی طرف رجوع کرنا واجب نہیں ہے ان کی دلیلیں

الف)۔'' فاسئلوا اهل الذکر '' جیسی مطلق آیتیں ہیں اعلم اور غیر اعلم دونوں کو شامل ہیں۔ ۷۱

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جب کوئی عالم مجتہد اور صاحب نظر ہو جاتا ہے تو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اور اعلم کی جستجو کرنا ضروری نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سید محسن حکیم ان حضرات کی دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: '' دلائل کتاب وسنت میں اطلاق پایا جاتا ہے اور آیات سوال ونفر کو سوال پوچھے جانے والے کے مساوات پر حمل کرنا فرد نادر پر حمل کرنا

ہے۔۲؎

۲۔ اعلم کی طرف رجوع کرنے کا وجوب، سیرت کے خلاف ہے۔ آمدی کے بہ قول: صحابہ میں فاضل و مفضول دونوں تھے جن کے درمیان خلفائے اربعہ دوسروں سے زیادہ اجتہاد کی روش سے واقف تھے لیکن کبھی کبھی یہ سننے کو نہ ملا کہ صحابہ نے عوام کو کسی خاص شخص کی پیروی پر مجبور کیا ہو یا افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کے پاس جانے کی مذمت کی ہو''

اور معروف جملہ ''اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' بھی ہماری بات کی تائید کرتا ہے۔۳؎

آیۃ اللہ محسن حکیم اس گروہ کی دلیلوں کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''معصومین علیہم السلام کے زمانے میں شیعوں کی سیرت یہی تھی کہ وہ اس دور کے سبھی علما سے فتوی دریافت کرتے تھے جب کہ یہ معلوم تھا کہ ہر ایک کے علمی درجے اور فضائل وکمالات میں اختلاف ہے نیز اعلم کی طرف رجوع کرنے کے وجوب سے عسر وحرج لازم آتا ہے جس کی خود شریعت نے نفی کی ہے اس کے علاوہ اگر اعلم کی تقلید واجب ہوتی تو شیعوں پر واجب تھا کہ خود ائمہ علیہم السلام کی طرف رجوع کرتے نہ اصحاب کی طرف اس لئے کہ ائمہ علیہم السلام سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔۴؎

لیکن ان سارے استدلالات کا جواب ایک ہی دلیل کے ذریعہ دیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ اعلم کی تقلید فقط وہاں واجب ہے جہاں کسی مسئلہ میں دو فقیہوں کے درمیان معمولی یا تفصیلی فرق مسلم ہو۔ ایسی صورت میں عقل اور عقلا کا یہی حکم ہے کہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم کی تقلید نہ کرے جس طرح اگر کسی مرض کے تشخیص دینے میں دو ڈاکٹروں کے مابین اختلاف ہو اور ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ باعلم با تجربہ اور ماہر ہو ایسی صورت میں عقل اور عقلا ہرگز یہ اجازت نہیں دیتے کہ ان میں سے زیادہ جان کار کی بات پر عمل نہ کیا جائے اور کم تجربہ رکھنے والے کی بات مان کر اس پر عمل کیا جائے چوں کہ فروع دین میں تقلید کے جواز کی سب سے اہم دلیل عقل اور سیرت عقلا ہے اور عقلاً بھی ان (اختلافی) حالات میں آیات وروایات کے اطلاق سے یقیناً منصرف ہونا پڑے گا۔

۱۴)۔میت کی تقلید

کیا مردہ مجتہد کی تقلید کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء میں اختلاف نظر ہے،فخر رازی کی باتوں سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مردہ مجتہد کی تقلید نہیں کی جاسکتی وہ ایک بحث کرتے ہیں کیا غیر مجتہد دوسروں سے حاصل کئے ہوئے مسائل کے ذریعہ فتوی دے سکتا ہے؟اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ''اگر وہ میت سے حکایت کرے تو اس کی بات اخذ نہیں کی جاسکتی،اس لئے کہ مردہ کی رائے اور بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۵؎

کتاب''ارشادالفحول''میں مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:''فخر رازی کا یہ قول'وہی دلیل ہے کہ میت کی تقلید نہیں کی جاسکتی مزید لکھا ہے: غزالی نے کتاب''المنخول''میں لکھا ہے کہ میت کی تقلید منع ہونے پر اصولیوں کا اجماع ہے۔٦؎

نووی کتاب''المجموع''میں میت کی تقلید کے جواز کے سلسلہ میں دونظریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: صحیح تو یہ ہے کہ جائز ہےاس لئے کہ صاحبان مذہب کی موت سے ان کا مذہب نہیں مرتا اسی وجہ سے ان کے مرنے کے بعد اجماع کے مسئلہ میں ان کی مخالفت کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے''پھر اس طرح استدلال کرتے ہیں:''اس لئے کہ اگر کوئی گواہ گواہی دینے کے بعد اور حکم نافذ ہونے سے پہلے مرجائے تو اس سے اس کی گواہی ختم نہیں ہوسکتی اس کے برعکس اگر فاسق ہوجائے''(تو اس کی گواہی کا اعتبار بھی ختم جائے گا)

اس کے بعد جو لوگ تقلید کے قائل نہیں ہیں ان کی دلیلوں کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:''میت اسی فاسق کی طرح ہے جو گواہی کا اہل نہ رہا''پھر لکھتے ہیں:'' **هـذا ضـعيف لا سيـمـا فـي هذه الاعصار** ''یہ قول ضعیف ہے خاص کر اس دور میں۔۷؎

ڈاکٹر''وہبہ زحیلی'' لکھتے ہیں: بعض افراد نے تقلید کی صحت صاحب مذہب کی حیات پر موقوف قرار دیا ہے۔لیکن یہ بات علماء نے قبول نہیں کی ہے اس لئے کہ''شیخین''یعنی نووی اور رافعی میت کی تقلید کے جواز پر متفق القول ہیں۔۸؎

قابل ذکر نکتہ ہے کہ اہل سنت کی اکثریت فقہائے اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی میں ہے جو اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ یہ حضرات میت کی تقلید جائز سمجھتے ہیں اور اگر کوئی مخالف بھی ہے تو یہ شاذ و نادر قول ہے۔

فقہائے امامیہ میں ''صاحب جواہر'' لکھتے ہیں: میت کی ابتدائی تقلید کا جائز نہ ہونا ہمارے علما کے درمیان مسلم امر ہے اور بعض نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، لیکن جن مسائل پر مردہ مجتہد کی زندگی میں عمل کیا ہے اس پر مرنے کے بعد باقی رہنا (دوسرے لفظوں میں مردہ مجتہد کی تقلید پر باقی رہنا) جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء میں اختلاف نظر ہے، بعض اسے واجب جانتے ہیں اور بعض حرام سمجھتے ہیں، لیکن صحیح نظریہ یہی ہے کہ ایسے میں مقلد کو اختیار حاصل ہے۔۹ے

کتاب ''کفایۃ الاصول'' کے مصنف جناب آقائے اخوند خراسانی فرماتے ہیں: علمائے امامیہ کے درمیان مشہور یہی ہے کہ مفتی (مرجع) زندہ ہونا چاہئے اسی طرح اہل سنت کے درمیان مشہور ہے کہ اس طرح (مفتی کی حیات) کی کوئی شرط نہیں ہے اور اخباری بھی مفتی کی حیات کو شرط نہیں سمجھتے کچھ افراد تفصیل کے قائل ہیں کہ ابتدائی تقلید میں مجتہد کی حیات کو شرط قرار دیتے ہیں لیکن استمراری صورت میں شرط نہیں سمجھتے اس کے بعد موصوف امامیہ کے مشہور قول کو انتخاب کر کے اس پر اس طرح استدلال کرتے ہیں: حقیقت میں تقلید میت کے جواز کے معتقدین کی تین دلیلیں ہیں:

الف)۔ عقلا کی مستمر سیرت: جو مردہ مجتہدین کی کتابوں میں موجود نظریات کو ہر علم و فن میں زندہ مجتہد کے برابر سمجھتے ہیں اور اس لحاظ سے زندہ اور مردہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے اور چوں کہ جواز تقلید کی سب سے اہم دلیل سیرت عقلا ہی ہے اسی لئے مردہ مجتہد کی تقلید بھی زندہ مجتہد ہی کی طرح جائز ہے۔

ب)۔ مردہ مجتہد کے نظریہ یا حکم کے باقی رہنے پر استصحاب، یا اس طرح کہیں: وفات سے پہلے ایک مجتہد کا قول حجت تھا اب وفات کے بعد بھی وہی حجت باقی ہے۔

اس دلیل کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ استصحاب کا موضوع اپنی جگہ باقی ہونا چاہئے اور یہاں

موضوع بدل گیا ہے۔

ج)۔ دلائل تقلید کے اطلاقات، مثال کے طور پر ''فاسئلوا اهل الذکر'' کا عنوان صدور نظریہ کے زمانے کے لحاظ سے میت پر بھی صدق ہوتا ہے لیکن بعض حضرات اس دلیل کے رد میں کہتے ہیں کہ: مقام بیان میں یہ اطلاقات اس جہت سے نہیں ہیں، لہٰذا مردہ مجتہد کی تقلید کے جواز پر سب سے اہم دلیل وہی پہلی دلیل (عقلا کی سیرت ہے۔

۱۵)۔تقلید میت کے عدم جواز کی دلیل

غالبا اس کی دلیل وہی اجماع ہے جس کا فقہائے امامیہ نے دعویٰ کیا، عدم جواز کے قائلین کا عقیدہ ہے کہ مکتب امامیہ کے پیروکاروں نے ہر دور میں زندہ علماء کی پیروی وتقلید کی ہے اور اپنے شرعی مسائل زندہ علماء سے ہی دریافت کرتے تھے۔

اگر یہ اجماع ثابت ہو جائے تو احکام شرعی میں میت کی تقلید کے جواز کے سلسلہ میں موجود عقلا کی سیرت کا سد باب ہوسکتا ہے، لیکن خود اجماع کا وجود لمحہ فکریہ ہے اور اگر اس (اجماع) کو قبول بھی کرلیں تو بھی ابتدائی تقلید سے مخصوص ہے لیکن میت کی تقلید پر باقی رہنے کے سلسلہ میں تو یقیناً عدم جواز پر کسی قسم کا اجماع درکار نہیں ہے۔۸۰

یہاں ایک اہم نکتہ بھی ہے جو اس مسئلہ میں مشکل کشائی کرسکتا ہے عام طور سے موجودہ زندہ علماء علمی اعتبار سے گزشتہ علما سے آگے ہیں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زندہ علما کی صلاحیت واستعداد مطلقا گزشتہ علما سے زیادہ ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ ان زندہ علماء نے ماسلف کا علم حاصل کر کے مزید دوسرے علوم حاصل کئے ہیں اور حقیقت میں علم کے درجہ کمال تک پہنچنے کا راز بھی یہی ہے کہ بعد میں آنے والی نسلیں ماسلف کے علوم میں اضافہ کر کے علم کو اس کی معراج تک پہنچا رہی ہیں۔

اسی بنیاد پر موجود زندہ علما کو گزشتہ علماء سے زیادہ عالم سمجھا جاتا ہے دوسرے علوم میں بھی یہی کیفیت ہے، ممکن ہے کہ آج علم طب میں ایک ڈاکٹر بوعلی سینا سے زیادہ واقف ہو اس لئے کہ بوعلی اور ان کے جیسوں کے علم کو جمع

کر کے اس پر زیادہ سے زیادہ تجربہ کیا گیا ہے اور پھر دور حاضر کی نسلوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ زندہ عالم کی تقلید مذہب کی بالندگی کا سبب اور اس کی حیات کی ضامن ہے اس لئے کہ ہر زمانے کے زندہ علماء اسلامی احکام کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس کے بارے میں غور وفکر کر کے نئے نئے مطالب حاصل کرتے ہیں جو فقہ کی بنیادوں کو تقویت عطا کرتے ہیں۔

۱۶)۔شرعی موضوعات کی تشخیص میں تقلید

ایک بحث یہ بھی ہے کہ کیا شرعی موضوعات کی تشخیص اور انھیں مصادیق خارجی پر تطبیق کرنے میں عام انسان کے لئے تقلید ضروری ہے یا ضروری نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی موضوعات کی چند قسمیں ہیں، جن میں سے بعض موارد میں تقلید ضروری نہیں ہے بلکہ مقلد کو چاہئے کہ خود اپنے ہی نظریہ پر عمل کرے۔ موضوع کی دو قسمیں ہیں:

۱)۔شرعی

۲)۔خارجی

شرعی: وہ موضوع ہے جسے شارع مقدس نے ایجاد، اختراع اور جعل کیا ہے مثال کے طور پر نماز، روزہ اور کر کی مقدار یعنی (کر) کسے کہے ہیں؟ اس کی تشخیص مجتہد کے ذمہ ہے اور اس سلسلہ میں مجتہد کی پیروی اور تقلید کی جائے گی۔

۲: خارجی: اس کی تین صورت ہے۔

الف)۔ وہ موضوعات جن کی تطبیق اور تشخیص عرف عام کے لئے مشکل نہیں ہے لہٰذا اس میں تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک رنگین مائع کے سلسلہ میں کہ یہ خون ہے یا خون نہیں ہے؟ اس میں کسی مجتہد یا مہارت رکھنے والے کی تقلید اور پیروی کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس کی تشخیص ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔

ب)۔ وہ موضوعات جن کی تشخیص کے لئے ہمیں عرف عام کی طرف رجوع کرنا چاہئے لیکن عرف عام

اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں؟ یا کیا سمجھتے ہیں؟ یہ مشخص کرنا مجتہد ہی کے بس میں ہے اس لئے کہ مسائل سے ہمیشہ اس کا سروکار رہتا ہے، ایسے میں مجتہد کی تقلید کرنا پڑے گا مثال کے طور پر نامحرم عورتوں کو بے پردہ دیکھنا منع ہے اور حرام ہے لیکن ٹیلی ویژن پر دکھائی جانے والی براہ راست یا غیر مستقیم بے پردہ عورتوں کو دیکھنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟ ایسے میں اگر مسئلہ عرف کے حوالے کر دیا جائے تو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا یہاں مجتہد ہی موضوع کو مشخص کر کے حکم دے گا اور اسی کی تقلید کی جائے گی۔

ج)۔ وہ موضوعات جن کی تشخیص اور تطبیق کے لئے مہارت کی ضرورت ہے اور اس کے بارے میں کسی ماہر سے معلوم کرنا پڑے گا مثال کے طور پر مجتہد کا کہنا ہے جس شخص کے لئے روزہ ضرر رکھتا ہو اس پر روزہ واجب نہیں ہے یہاں ہمیں طبیب سے مدد حاصل کرنا پڑے گا اور وہی طے کرے گا کہ روزہ ہمارے لئے مضر ہے یا مضر نہیں ہے لہٰذا یہاں پر موضوع کی تشخیص ایک ماہر انسان کرے گا۔

۱۷)۔ اصول دین میں تقلید

علمائے اسلام کے درمیان مشہور یہی ہے کہ اصول دین اور اعتقادی مسائل میں تقلید کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں تحقیق کے ذریعہ یقین یا اطمینان حاصل ہونا چاہئے۔

البتہ ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اصول دین میں تقلید کو جائز سمجھتا ہے۔

فخر رازی اس سلسلہ میں کہتے ہیں: ''قرآن مجید نے تقلید کی مذمت فرمائی ہے دوسری طرف شرعی احکام میں جواز تقلید کا مسئلہ ثابت ہو چکا ہے لہٰذا قرآن مجید کی یہ مذمتیں اصول دین میں تقلید سے مربوط ہیں۔[۸۱]

چوں کہ اصول دین میں تقلید کے جائز نہ ہونے پر فریقین کے مشہور علماء کا اتفاق ہے لہٰذا اس سے زیادہ تفصیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اس بحث کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

حوالے

۱۔ اصطلاحات الاصول، آیۃ اللہ مشکینی، ص ۱۹

۲۔ذخیرۃ المعاد،محقق سبزواری، ج ۲/،ص ۲۱۹/، فتح القدیر،شوکانی، ج ۳/ص ۳۹۹/

۳۔عدۃ الاصول،طوسی، ج ۱/ص ۴۶/،شرح الازہار،احمد مرتضٰی، ج ۱/ص ۳/

۴۔الاجتھاد والتقلید ،امام خمینیؒ،ص ۵۹/

۵۔انوار الاصول،احمد قدسی، ج ۳/ص ۵۸۹/

۶۔تحریر الوسیلۃ ،امام خمینیؒ، ج ۱/ص ۸/مقدمہ

۷۔انوارالاصول، ج ۳/ص ۸۹۰/

۸۔المہذب فی علم اصول الفقہ المقارن، ج ۵/ص ۲۳۸۷/

۹۔کنزالعمال،متقی ہندی، ج ۱/ص ۵۳۳/، ح ۲۳۸۶/

۱۰۔بحارالانوار،مجلسی ج ۳۳/ص ۴۰۲/

۱۱۔کافی،کلینی، ج ۶/ص ۴۱۳/، ح ۱/

۱۲۔وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج ۱۸/ص ۹۵/ ح ۲۰/باب دہم از ابواب صفات قاضی

۱۳۔الاصول العامہ الفقہ المقارن،ص ۱۵/

۱۴۔المستصفی ،غزالی ج ۶/ص ۳۸۹/

۱۵۔المستصفی ،غزالی ج ۶/ص ۳۸۹/ ، المحصول فی علم الاصول،فخر رازی، ج ۲/ص ۴۵۸/ ، الاحکام فی الاصول، ج ۴/ص ۴۵۰/ ، المہذب فی علم اصول الفقہ المقارن، ج ۵/ص ۲۳۹۲/،موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۱۳/ص ۱۶۰/، کفایۃ الاصول،ص ۴۷۲/،موسوعہ آیۃ اللہ خوئی، ج ۴۸/،ص ۵۳۸/،انوارالاصول، ج ۳/،ص ۵۹۳/

۱۶۔ المحصول فی علم الاصول،فخر رازی، ج ۲/ص ۴۵۸/

۱۷۔منتہی الاصول،بجنوردی، ج ۲/ص ۸۱۰/

۱۸۔کفایۃ الاصول،ص ۴۷۲/

۱۹۔موسوعہ آیۃ اللہ خوئی، ج ۱/،ص ۶۸/

۲۰۔موسوعہ آیۃ اللہ خوئی، ج ۱/،ص ۶۸/

۲۱۔الاحکام فی الاصول، ج ۴/ص ۴۵۱/

۲۲۔ المہذب فی علم اصول الفقہ المقارن، دکتر عبدالکریم نملہ، ج/۵ص/۲۳۹۳

۲۳۔موسوعہ آیۃ اللہ خوئی، ج/۱ص/۶۹

۲۴۔مستدرک الوسائل، ج ۱۷ص/۳۱۶، ج/۱۶

۲۵۔ وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج/۱۸ص/۱۲۷، ح/۵۴

۲۶۔وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج/۱۸ص/۱۱۰، ح/۴۵

۲۷۔وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج/۱۸ص ۹۵ ح/۲۰ باب دہم از ابواب صفات قاضی

۲۸۔نہج البلاغہ، نامہ ۶۷

۲۹۔وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج/۱۸ص/۱۰۶، ح/۲۷

۳۰۔وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج/۱۸ص/۱۰۷، ح/۳۳

۳۱۔بحارالانوار، مجلسی ج/۴۷ص/۶۷

۳۲۔مستدرک حاکم، ج/۱ص/۱۲۶

۳۳۔وسائل الشیعہ ،حر عاملی، ج/۱۸ص/۹، ح/۱

۳۴۔المستصفی، ج/۲،ص/۳۸۹

۳۵۔ المحصول فی علم الاصول،فخر رازی، ج/۲ص/۴۵۸

۳۶۔قوانین الاصول، میرای قمی،ص/۳۲۴

۳۷۔عنایۃ الاصول، فیروز آبادی، ج/۶ص/۲۲۲

۳۸۔الفوائدالمدینیۃ، استر آبادی،ص/۴۰، حدائق الناضرۃ، بحرانی، ج/۸ص/۴۹۷

۳۹۔دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج/۵ص/۴۱۷

۴۰۔ موسوعۂ فقہیہ کویتۃً، وزارت افاف کیت، ج/۱۳ص/۱۶۱

۴۱۔قوانین الاصول، میرای قمی،ص/۳۲۴

۴۲۔ارشادالفحول،شوکانی، ج/۲ص/۳۳۳

۴۳۔المحلی، ابن حزم، ج/۱ص/۶۶

۴۴۔گزشتہ حوالہ

۴۵۔ارشادالفحول،شوکانی، ج۲/ص۳۳۶/

۴۶۔ المحلی ،ابن حزم، ج۱/ص۶۶/

۴۷۔ موسوعۂ فقہیہ کویتیۃ، وزارت افاف کویت، ج۱۳/ص۱۶۲/

۴۸۔ المستصفی ، ج۲/ص۳۸۹/

۴۹۔ المحلی ،ابن حزم، ج۱/ص۶۶/

۵۰۔ارشادالفحول،شوکانی، ج۲/ص۳۳۵/

۵۱۔موسوعۂ آیۃ اللہ خوئی، ج۴۸/ص۵۴۰/

۵۲۔ وسائل الشیعہ ،حرعاملی، ج۱۸/ص۸۹/ح۱۰/اباب دہم از ابواب صفات قاضی

۵۳۔ وسائل الشیعہ ،حرعاملی، ج۱۸/ص۹۵ ح۱۴/

۵۴۔ المہذب فی علم اصول الفقہ المقارن، ج۵/ص۲۳۹۲/،و۲۳۹۵

۵۵۔ موسوعۂ فقہیہ کویتیۃ، وزارت افاف کیت، ج۱۳/ص۱۶۰/

۵۶۔ العروۃ الوثقی ،کتاب التقلید ،مسئلہ۲/

۵۷۔ موسوعۂ فقہیہ کویتیۃ، وزارت افاف کیت، ج۱۳/ص۱۶۰/

۵۸۔العروۃ الوثقی ، کتاب التقلید ،مسئلہ۶ ، التنقیح ، ج۱/ص۷۶/، المہذب فی علم اصول الفقہ المقارن ، ج۵/ص۲۳۹۲/، مستمسک العروۃ، ج۱/ص۱۰/

۵۹۔مستدرک الوسائل، ج۱۷/ص۳۱۵/، ح۱۴/

۶۰۔وسائل الشیعہ ،حرعاملی، ج۱۸/ص۱۰۷/ح۳۳/

۶۱۔وسائل الشیعہ ،حرعاملی، ج۱۸/ص۱۰۶/ح۲۷/

۶۲۔موسوعہ الفقہ الاسلامی، جمال عبدالناصر، ج۱/ص۲۵، تاریخ التشریع الاسلامی ،ص۸۲/و۸۴

۶۳۔تہذیب التہذیب،عسقلانی، ج۴/ص۷۴/

۶۴۔دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۶/ص۶۰۵/

۶۵۔المدخل فی التعریف بالفقہ الاسلامی ،ص۲۰۷/تا۲۰۹

٦٦۔ موسوعۂ آیۃ اللہ خوئی، ص/٦٢

٦٧۔ مستمسک العروۃ، ج/١ص/٢٦

٦٨۔ المحصول، ج/٢ص/٤٦٢

٦٩۔ المستصفی، ج/٢ص/٣٩٠

٧٠۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ج/٤ص/٤٥٧

٧١۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج/١ص/٩٨

٧٢۔ مستمسک العروۃ، ج/١ص/٢٦

٧٣۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ج/٤ص/٤٥٨

٧٤۔ مستمسک العروۃ، ج/١ص/٢٦

٧٥۔ المحصول، ج/٢ص/٤٥٦

٧٦۔ ارشاد الفحول، شوکانی، ج/٢ص/٣٣٩

٧٨۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج/١ص/١٣٣

٧٩۔ جواہر الکلام، محمد حسن نجفی، ج/٢١ص/٤٠٢

٨٠۔ کفایۃ الاصول، خراسانی، ص/٤٦٧ تا ٤٨٠، موسوعۃ آیۃ اللہ خوئی، ج/١ص/٣٧ تا ٩٠، انوار الاصول، ج/٣ص/٦١٠ تا ٦٤١

٨١۔ المحصول، ج/٢ص/٤٦٨

امام موسیٰ صدر اور اتحاد بین المسلمین

سید شاہد حسین رضوی

کلیدی الفاظ:
امام موسیٰ صدر، اسلامی اتحاد، فقہی اتحاد، ادیان کا اتحاد، اسلامی معاشرہ میں اتحاد، لبنان، فلسطین

خلاصہ:

امام موسیٰ صدر کے اعلیٰ تفکرات میں سے ایک اتحاد بین المسلمین کا مسئلہ ہے جس کے لئے انھوں نے انتھک کوششیں کیں یہاں تک کہ ان کے تمام تفکرات کا مرکز یہی مسئلہ اتحاد شمار ہوتا ہے۔ یہ بات اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب اس سلسلہ میں ان کے مؤثر اقدامات اور گرانقدر خدمات کا جائزہ لیا جائے مثال کے طور پر موصوف کا ''لبنان کے سنی مفتی کے پاس خط لکھنا'' یا ''فقہی اتحاد کے سلسلہ میں چارہ جوئی'' یا لبنان میں قومی اتحاد برقرار کرنے کے لئے داخلی تنازعات اور کشمکش سے مقابلہ کی غرض سے لبنان کے داخلی امور میں مختلف طریقوں سے سرگرم عمل ہونا۔ امام موسی صدر نے ادیان و مذاہب کے درمیان تفاہم اور اتحاد کی غرض سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بھی گفتگو کا منصوبہ بنایا۔ موصوف کے ان اقدامات اور سعی و کوشش کے نتیجہ میں ان کی محبوبیت روز بروز بڑھتی گئی جو فقط مسلمانوں کی رہبری کے عنوان سے نہیں تھی بلکہ تمام دینداروں خاص کر اہل لبنان کے رہبر کی شکل میں بدل گئی۔

فلسطین اور اسرائیل کے مقابل میں مقاومت کا مسئلہ ایسا تھا جسے امام موسیٰ صدر نے

ملک کے فقط مسلمان نہیں بلکہ ہر دیندار شخص کے سامنے ایک مشترک قومی مسئلہ کے عنوان سے پیش کیا تھا جس نے دینداروں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی زمین ہموار کی۔

امام موسیٰ صدر اسلامی وقومی اتحاد کے نمائندہ

دنیا کے عظیم رہبروں کے خصوصیات میں سے ان کا قومی اور مذہبی حدود سے بالاتر ہونا ہے یعنی وہ کسی ایک قوم وقبیلہ سے متعلق نہیں رہتے یا کسی مذہب کے عقائد پر تعصب نہیں رکھتے اگر چہ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی خاص قوم وقبیلہ اور مذہب سے منسوب ہوں یہی لوگ تقریب کے سردار اور صاحب امتیاز افراد ہیں، انہی میں سرفہرست امام موسیٰ صدر ہیں۔ امام موسیٰ صدر کی اس سلسلہ میں جد و جہد ان کی سیرت خاص کر لبنان میں رونما ہونے والے حوادث کے موقع پر اس بات کی تائید کرتی ہے کہ موصوف اسلامی اتحاد اور اتحاد بین المسلمین کے نمائندہ تھے، لبنان کے سیاسی میدان میں امام موسیٰ صدر نے اگر چہ شیعوں کو دوسرے فرقوں کے شانہ بہ شانہ بلکہ مقدم رکھا ہے لیکن کوئی بھی فرقہ یا گروہ اس سے رنجیدہ نہیں ہوا۔ ہر فرقہ موصوف کو قومی یکجہتی کا نمونہ اور بین المذاہبی چہرہ اور امانتدار رہبر سمجھتا تھا۔ (کمالیان ورنجبر کرمانی، ص۳۰۶/، ۱۳۷۷ھ ش)

اسلامی مذاہب کی تقریب کے سلسلہ میں امام موسیٰ صدر کی یہ کوششیں خاص کر لبنان اور دنیائے عرب میں اسی آخری نظریہ کو تقویت بخشتی ہیں اس کے علاوہ موصوف قومی یکجہتی کے نمائندے بھی شمار ہوتے ہیں۔ امام موسیٰ صدر جب ۱۳۳۸ھ ش میں لبنان میں وارد ہوئے تو اسی سال آپ نے پہلی فرصت میں علمائے اہل سنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی بنیاد ''شہر صور'' میں ڈالی منجملہ: اہل سنت کے مفتی محیی الدین حسن کے ساتھ ہمیشہ کے لئے رابطہ قائم کیا۔ (اباذری، ص۹۴/، ۱۳۸۳ھ ش) امام موسیٰ صدر نے قومی اتحاد کے لئے انتھک کوششیں کیں جن میں سب سے اہم لبنان میں قومی و مذہبی فتنوں کی روک تھام کے لئے جد وجہد تھی، موصوف کی لبنان میں داخلی پیمانے پر فتنوں کی روک تھام اور شیعہ سنی اختلاف سے بچنے کی سعی وکوشش میں سے ایک ''آل محفوظ'' تھا کے گھر کو آگ لگانے سے منع کرنے کی طرف اشارہ کیا جانا ضروری ہے۔

''شہر صور'' میں ایک خاندان تھا جس کا نام ''آل محفوظ'' اس خاندان کا شمار امام موسیٰ صدر کے دشمنوں میں ہوتا ہے، جس نے امام موسیٰ صدر کی شان میں گستاخیاں اور جسارت کی تھی اور انھیں نیست ونابود کرنے کے چکر میں تھا اس کے برخلاف امام موسیٰ صدر نے اپنے حامیوں کو اس خاندان پر حملہ کرنے سے منع کیا۔ (ملاحظہ ہو۔

کمالیان ورنجبر کرمانی گزشتہ حوالہ ص ۶۰و۶۲)

یہ موقع اور اس جیسے بہت سے دوسرے مواقع اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ امام موسیٰ صدر واقعا لبنان میں قومی اتحاد کے قائد اور نمائندہ تھے اس کے علاوہ انھوں نے لبنان میں اسلامی اتحاد کے سلسلہ میں دوسرے اقدامات بھی انجام دیئے ہیں۔ لبنان میں اسلامی اتحاد کے تحفظ کی خاطر ''مجلس اعلیٰ شیعیان لبنان'' میں امام موسیٰ صدر کے منصوبے اور کلی اصول میں جن میں بعض یہ ہیں: ۱۔ مسلمانوں کے درمیان اختلاف وافتراق نہ ہونے کے لئے سیاسی اقدام کرنا اور مکمل اتحاد کے لئے انتھک کوششیں کرنا۔ ۲۔ لبنان میں موجود ہر طائفہ کے ساتھ ہم آہنگی اور ملک میں اتحاد کے تحفظ کی سعی کرنا۔ (اباذری، گزشتہ حوالہ، ص ۹۵) بہرحال یہ خصوصیات موصوف کی اعلیٰ ظرفی اور لامحدود فکر کی حکایت کرتے ہیں۔

سید حسین موسوی۔ معروف بہ استاد ابو ہاشم کہتے ہیں: لبنان کے مختلف گروہ امام موسیٰ صدر کو قرآن پر عمل کرنے والے اور اتحاد کے طرفدار انسان کے عنوان سے پہچانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: کمالیان ورنجبر کرمانی، گزشتہ حوالہ، ص ۴۴) بہرحال امام موسیٰ صدر کی کامیابی وموفقیت کا راز ایک طرف ان کا باہل ہونا ہے تو دوسری طرف ان کے ساتھ لوگوں کی ہمدلی وہمدردی ہے۔ (گزشتہ حوالہ، ص ۴۷)

۲۔ امام موسیٰ صدر اور اتحاد بین المسلمین کی سعی وکوشش

پوری دنیا میں اتحاد بین المسلمین امام موسیٰ صدر کی دیرینہ آرزو تھی موصوف جوانی سے ہی جب وہ قم المقدسہ میں زیر تعلیم تھے اس سلسلہ میں غور وفکر کر رہے تھے حوزہ کی ہر محفل ومجلس (اساتذہ کے حضور) میں اسی فکر میں لگے رہتے تھے (اباذری، گزشتہ حوالہ، ص ۹۳)

وہ یہی چاہتے تھے کہ سب سے پہلے لبنان میں اپنی اس آرزو کو جامہ عمل سے آراستہ کریں، اس سلسلہ میں موصوف کا بنیادی قدم اور اسلامی اتحاد کو مستحکم کرنے کے لئے ان کی سرگرمیاں کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ لبنان کے مختلف فرقوں اور مذہبوں کے ساتھ صلح آمیز زندگی بسر کرنے کی حمایت اور ملک کو ٹکڑوں میں بانٹنے والی سازشوں سے مقابلہ۔

۲۔ ہر طرح کے اختلاف دور کرنے کی پوری کوشش اور سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی اصلاحات کی سعی کرنا۔

۳۔ ہر طرح کے مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کی مذمت اور فرقہ وارانہ جنگ وجدال سے پرہیز۔ (ملاحظہ ہو، یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، ج ۳ ص ۸۵و۸۶)

مذکورہ امور امام موسیٰ صدر کی اس عظیم آرزو کی نشاندہی کرتے ہیں جو پوری کائنات میں اتحاد بین المسلمین کے لئے ان کے دل میں موجزن تھی اور اگر یہ محقق ہو جاتی۔ اور دنیا کے سارے مسلمان خاص کر علما اور محققین اسلام اس کی کوشش کرتے تو آج ہم فقط لبنان میں نہیں بلکہ سارے اسلامی ممالک میں اس امت واحدہ کا مشاہدہ کرتے۔

۳۔ امام موسیٰ صدر اور شیعہ سنی مفاہمت وتقریب کی کوشش

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ امام موسیٰ صدر کی پوری عملی زندگی براہ راست یا غیر مستقیم طور سے مختلف مذاہب کی تقریب خاص کر شیعہ وسنی تقریب کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ موصوف شیعہ، سنی حتی دوسرے مذاہب کے درمیان کبھی بھی تبعیض کے قائل نہ تھے اور ان کے ساتھ تعلقات میں افراط وتفریط سے دور نہایت معتدل رویہ اختیار کرتے تھے۔ اسی لئے فقط شیعہ ہی نہیں بلکہ اہل سنت اور عیسائی حضرات نے بھی امام موسیٰ کو تمام لوگوں سے محرومیت ختم کرنے والی شخصیت کے عنوان سے پایا۔ امام موسیٰ صدر کے لئے مطالبہ کو لے کر قذافی سے ملاقات کے واقعہ میں عظیم شیعہ شخصیتوں کے علاوہ اہل سنت کی بعض اہم شخصتیں مثال کے طور پر شیخ احمد الزین اور بعض عیسائی شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ (کمالیان، رنبر کرمانی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۷۷ و ۲۷۶) امام موسیٰ صدر نے شیعہ سنی تقریب کی خاطر دنیائے عرب سے بھی رابطہ قائم کیا۔ امام موسیٰ صدر کا دنیائے عرب پر نفوذ ۱۳۵۴۔۱۳۵۵ میں لبنان کی داخلی جنگ کے موقع پر آشکار ہوا۔ (گزشتہ حوالہ، ص ۱۶)

امام موسیٰ صدر نے پہلے لبنان کے مسلمانوں کے درمیان پھر ساری دنیا کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی قائم کرنے کے لئے لبنان کے عظیم مفتی ''حسن خالد'' کو ایک خط لکھا جس میں اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھانے پر زور دیا۔ امام موسیٰ صدر کی نظر میں ایک اہم مسئلہ ''فقہی اتحاد'' تھا جو اتحاد بین المسلمین کے لئے ایک عملی حل شمار ہوتا ہے، بعد کی بحثوں میں اس موضوع پر اور ان کے خط کے بارے میں تفصیل پیش کریں گے۔

امام موسیٰ صدر کا عقیدہ تھا کہ شیعہ سنی میں کوئی اختلاف یا تضاد نہیں پایا جاتا اور یہ دونوں مذہب ایک ہی دین کی شاخیں ہیں۔ انھوں نے اسی فکر کے ساتھ لبنان میں اتحاد کی سرگرمیاں تیز کر دیں اور اس سلسلہ میں دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا ۱۳۴۲ھ ش کے موسم گرما میں شمالی افریقہ کی دو ماہہ مسافرت کے دوران ایک تاریخی اقدام کے ذریعہ مصر، مغرب اور الجزائر کے اسلامی مراکز اور لبنان کے حوزہ علمیہ اور شیعوں کے مذہبی مراکز کے درمیان ہمیشہ کے لئے تعلقات قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ (اباذر، گزشتہ حوالہ، ص ۹۴ و ۹۵)

اس کے علاوہ امام موسیٰ صدر نے اپنے اکثر انٹرویو، کانفرنسوں اور مقالوں میں اتحاد بین المسلمین کے سلسلہ میں اہم مسائل پر گفتگو کی ہے۔(ملاحظہ ہو علمی اردبیلی، ص/۵۲ تا ۵۹، ۱۳۵۸ھ ش)

دنیائے عرب میں امام موسیٰ صدر کے اثر و رسوخ کے بارے میں یہ کہنا پڑے گا کہ ''موصوف کا دبدبہ عرب دنیا میں فقط سیاسی میدان میں نہیں تھا بلکہ سب سے اہم اور پہلا میدان، میدان فکر و نظر تھا۔ امام موسیٰ صدر کے شانہ بہ شانہ رہنے والے اصل افراد عرب دنیا میں سنی علماء اور مفکرین تھے، ان عظیم ہستیوں کے ساتھ امام موسیٰ صدر کے زبردست تعلقات موصوف کے لبنان میں وارد ہوتے ہی شروع ہو گئے تھے موصوف نے ان شخصیتوں سے متعدد ملاقاتیں کیں جن میں سے سب سے اہم دنیائے عرب کی اسلامی کانفرنس تھی امام موسیٰ صدر تمام کانفرنسوں اور خاص کر الجزائر میں ''الفکر الاسلامی'' اور مصر میں ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' کی سالانہ کانفرنس میں پیش پیش رہے۔ موصوف نے الجزائر میں ۱۳۵۲ھ ش کے ''روح الشریعۃ الاسلامیہ'' کے عنوان سے جو علمی تقریر فرمائی ہے اور اسی کے بعد عالم اسلام کے سنی بزرگوں سے جو بحث و گفتگو کی ہے وہ یقیناً اسلامی مذاہب کے درمیان گفتگو کا بہترین، عمدہ اور مصمم طریقہ اور ساتھ ہی ساتھ واضح ترین نمونہ بھی شمار کیا جاتا ہے۔(کمالیان ورنجبر کرمانی، گزشتہ حوالہ، ۱۶۔۱۷)

امام موسیٰ صدر کا ادیان کے سلسلہ میں اعلیٰ پیمانہ پر مخصوص نظریہ اسلامی مذاہب کے درمیان بھی سرایت کر گیا یہاں تک کہ انھیں ''تقریب کا ایک عظیم مجاہد) سمجھا جاتا ہے موصوف خلفائے راشدین اور اہل سنت کے اماموں کے لئے حترام کے قائل تھے اور اختلافی مسائل میں ہمیشہ اہل سنت کے منابع کا حوالہ دیتے تھے ساتھ ہی ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے سلسلہ میں شیعوں کی حقانیت کا دفاع بھی کرتے تھے۔(ملاحظہ ہو: صدر، ص/۲۳۳ تا ۲۳۶، ۱۳۸۴ھ)

موصوف کی نظر میں شیعہ اور سنی کے درمیان فاصلہ، حنفی، مالکی اور شافعی مذاہب کی فقہ کے درمیان فاصلہ کے مانند ہے۔(گزشتہ حوالہ، ص/۲۳۶ و ۲۳۷) اور شیعوں کے اعلیٰ نظریات کے سلسلہ میں ان کا موقف تمام مسلمانوں کی طرح ہے۔(گزشتہ حوالہ، ص/۲۳۶ و ۲۳۷)

امام موسیٰ صدر اس سوال کے جواب میں کہ ''آپ لبنانی شیعوں کے رہبر ہونے کے اعتبار سے خاص کر جب شیعوں اور سنیوں کے درمیان خلا ہے ایسے میں اپنا فریضہ کیا سمجھتے ہیں؟ آپ شیعوں کی توانائی، مہارت، امکانات اور تمام مسلمان بھائیوں کی جانب سے ایک طویل عرصہ سے شیعوں کو ٹھکرا دینے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: شیعوں کو اس طرح کنارے کر دینا مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے بلکہ یہ اس بات کا سبب بنے گا کہ

جب مسلمانوں کو اپنی پوری طاقت وقوت کی ضرورت پڑے تو مسلمان ضعف اور تزلزل کا شکار ہو جائیں۔ (گزشتہ حوالہ، ص/۲۴۳)

امام موسیٰ صدر افراط وتفریط سے دور عالم اسلام کے ایک معتدل نظریہ سے محروم رہنے کو عالم اسلام کی کمزوری سمجھتے ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے لئے جدو جہد کی ایک دلیل عالم اسلام میں اسی کمزوری کو دور کرنا قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میری پوری کوشش یہی ہے کہ میں شیعوں کے نظریات کو واضح کر کے دنیا کے مسلمانوں کے سامنے دو باتیں پیش کر دوں: پہلی بات یہ کہ شیعوں کو اس طرح ٹھکرا دینے اور انھیں کنارے کر دینے کے سلسلہ میں مسلمانوں کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ شیعہ بھی نیک اور صالح مسلمان ہیں اور اسلام سعہ صدر اور رواداری کے ذریعہ شیعوں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے درمیان معمولی اختلاف کو تحمل کرتا ہے اور دوسرے تمام ادیان ومذاہب کے درمیان اختلاف میں بھی یہی صورت حال ہے'' (گزشتہ حوالہ، ص/۲۴۳و۲۴۴)

امام موسیٰ صدر کا پورا زور اس بات پر تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے بعد جانشینی کا مسئلہ ایک عقیدتی اور نظریاتی مسئلہ ہے اور یہ بحث آپسی تعلقات اور یکجہتی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے (گزشتہ حوالہ، ص/۲۵۲)

اس کے علاوہ موصوف اتحاد بین المذاہب کو منابع احکام جیسے قرآن، سنت، عقل، اجماع اور قیاس کے دائرہ میں ایک ممکن امر سمجھتے تھے اسی طرح بعض ائمہ علیہم السلام جیسے امام علی علیہ السلام امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو اہل سنت امام اور صحابی رسول مانتے ہیں اور بعض اماموں جیسے امام محمد باقر علیہ السلام کو تابعین کے عنوان سے مانتے ہیں اور شیعہ بھی نص ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کے معتقد ہیں جسے موصوف اختلاف بین المذاہب کو ختم کرنے اور اتحاد بین المذاہب کی راہ میں اہم ترین سبب شمار کرتے ہیں۔ (گزشتہ حوالہ، ص/۲۵۴و۲۵۵)

روزنامہ ''النہار'' کے ساتھ ہونے والے انٹرویو میں موصوف نے اس سوال کے جواب میں کہ ''عقیدتی لحاظ سے شیعہ اور سنی میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟'' فرماتے ہیں: شیعہ اور غیر شیعہ کے درمیان اختلاف دو مسئلہ میں ہے ایک ''ولایت'' دوسرے ''منابع شرعی'' پھر موصوف دونوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ولایت'' حقیقت میں ولایت کا مطلب ولی صالح اور نیک حکومت کی تشکیل کے ذریعہ ایک صالح اور نیک معاشرہ کو وجود بخشنا ہے جس کا بہترین مصداق امام علی علیہ السلام تھے، شیعوں کے عقیدہ میں ''ولایت'' کا مسئلہ احکام شرعیہ کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ ''منابع شرعی'' شیعوں کے عقیدے میں نصوص قرآن اور سنت نبوی کے بعد، اہل بیتؑ کی سنت، ان کی حدیثیں اور ان کی تعلیمات شرعی منبع شمار ہوتی ہیں، لیکن دوسرے مذاہب قرآن اور سنت نبوی کے علاوہ صحابہ کی رائے کو بھی شرعی منبع شمار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دینی احکام وتعلیمات دینی کافی حد تک اختلاف سے روبرو

ہوتے ہیں لیکن یہ تمام اختلافات بلکہ اصل اجتہاد فروع کی حد میں محدود ہیں اور اسلام کے اصلی ، ارکان میں اختلاف کا سبب نہیں بنتے ۔ (گزشتہ حوالہ،ص/۲۲۰و۲۲۱)

اسی طرح اس سوال کے جواب میں کہ مختلف فرقوں اور مذہب کو متحد کرنے کے لئے آپ کون سی کوشش کر رہے ہیں؟ موصوف نے ''رسالت تقریب'' کا نام لیتے ہوئے فرمایا: مختلف فرقوں کے مسلمانوں کے درمیان تقریب کے بارے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ تیس سال پہلے سے قاہرہ میں اس سلسلہ میں زبردست کوشش جاری ہے جس کا آغاز تقریب بین المذاہب اسلامی'' اور اس کے مختلف اداروں کی طرف سے ہو چکا ہے میرے خیال سے اس قدر وسیع پیمانے پر یہ کوشش اس مشکل کو حل کر سکتی ہے یا کم سے کم بنیادی طور سے اس میں کمی کر سکتی ہیں'' (گزشتہ حوالہ،ص/۲۲۲)

امام موسیٰ صدر ولایت کے مسئلہ کو اتحاد بین المسلمین کو مستحکم کرنے کا بہترین عامل شمار کرتے تھے اس لئے کہ ولایت مسلمانوں کے درمیان ایک صالح حکومت کی تشکیل کا زمینہ فراہم کرتی ہے۔ اسی لئے یہ مسلمانوں کا سب سے پہلا فریضہ ہے۔ امام موسیٰ صدر انھیں بیانات کی روشنی میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے مسئلہ پر بحث کرنے کو بے فائدہ سمجھتے ہوئے عالم اسلام کی موجودہ مشکلات کو حل کرنے کی کوشش میں مشغول تھے وہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دور حاضر میں حاکم کے انتخاب کی راہ و روش زمانے کے حالات کے اختلاف کی بنیاد پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کے ابتدائی دور سے بالکل مختلف ہے۔ لہٰذا اس وقت کیا غلط اور کیا صحیح ہوا اس کی بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہے اب ہمیں موجودہ زمانہ پر پوری توجہ مبذول کرنی پڑے گی، اس وقت ولایت کی بحث اس اعتبار سے ہے کہ ایک صالح حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کا پہلا فریضہ ہے۔ (گزشتہ حوالہ،ص/۲۷۲)

امام موسیٰ صدر کا یہ بیان مسئلہ ''ولایت فقیہ'' کو اسلامی صالح حکومت کی تشکیل کا مقدمہ سمجھتے ہیں اسی طرح عدل و امامت پر شیعی عقیدہ کو مسلمانوں کی تقریب کا باب شمار کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، گزشتہ حوالہ)

موصوف صحابہ کے سلسلہ میں شیعوں پر لگائے گئے الزامات کو بے جا قرار دیتے ہوئے اسے امام علیؑ اور دیگر ائمہ علیہم السلام کی سیرت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ (گزشتہ حوالہ،ص/۲۷۳)

امام موسیٰ صدر دوسرے بزرگ اسلامی اصلاح پسند افراد کی طرح عالم اسلام کی پہلی مشکل آپس میں تفرقہ اور جدائی قرار دیتے ہوئے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں پہلا قدم اٹھاتے ہوئے عالمی کانفرنسوں میں شرکت کر کے تقریروں اور مغربی مجلوں کے ساتھ انٹریو کے ذریعہ اصول دین اور فروع دین سے

متعلق شیعوں کے صحیح نظریات اور عقائد بیان کرتے ہیں اور اس طرح محبت و اتحاد کا ہاتھ سنی بھائیوں کی جانب بڑھاتے ہیں۔(یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، ج ۱/ص ۵۵/)

اس سلسلہ میں موصوف کا دوسرا اقدام شیعوں کی (مجلس اعلیٰ) کی تشکیل ہے جو فقط شیعوں کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے ملک لبنان کے لئے مفید ثابت ہوئی۔''امام موسیٰ صدر نے اس مجلس اعلیٰ کی تشکیل کے ذریعہ کہ جس کی سنی بزرگ شخصیتوں خاص کر اس وقت کے وزیر اعظم'' صائب سلام'' نے مخالفت کی تھی، وہ مستحکم منطق اپنائی کہ سبھوں کو راضی کر لیا یہاں تک کہ سنی مجلس اعلیٰ کے صدر نے بھی اس منطق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔(کمالیان و رنجبر کرمانی، گزشتہ حوالہ، ۱۴۱)

اسی طرح موصوف کا سنی مدارس اور محفلوں میں جانا ان حضرات کے ساتھ تعلقات کی ایک کاوش تھا جس کا نتیجہ اتحاد بین المسلمین کا مستحکم ہونا تھا۔اس سلسلہ میں'' کلیۃ عاملیۃ'' نامی کالج میں موصوف کے تعلیم دینے کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے یہ کالج'' آل بیضون'' سے متعلق تھا اور زیادہ تر سنی جوان وہاں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ (گزشتہ حوالہ، ص ۱۴۰/)

اسی طرح شہر صیدا میں'' معروف مسعد'' کی شہادت کے موقع پر موصوف نے نماز جمعہ میں شریک ہو کر پیش نمازی قبول کی اور نماز کے بعد منبر پر جا کر سنی علماء کے مجمع میں مشہور خطبہ پڑھا۔(حجتی کرمانی، ص ۱۴۳/، ۲۳۶۴ھ ش)

امام موسیٰ صدر کی سوانح میں اس طرح کے اقدامات بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔امام موسیٰ صدر دنیائے عرب اور اہل سنت کے بزرگ علماء کو اپنے ساتھ کرنے اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔نامور شخصیتیں جیسے محی الدین حسن، شیخ شفیق یموت، شیخ محمد سلیم جلال الدین اور شیخ احمد الزین لبنان کے اندر اور عظیم شخصیتیں جیسے: شیخ محمد الغزالی، شیخ محمد ابوزہرہ، شیخ محمد عبدالرحمٰن بیصار، شیخ حبیب المستاوی اور ڈاکٹر محمد الفتام لبنان سے باہر موصوف کے دوستوں اور متحدوں میں شمار ہوتے ہیں۔(یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، ج ۱/ص ۵۸/)

یہی اعلیٰ نظری اور قیمتی کارنامے ہیں جن کے نتیجہ میں موصوف نے قاہرہ میں'' مجمع تقریب مذاہب اسلامی'' کی تاسیس کی بات رکھی اس مجمع'' انجمن'' کا کام مجلّہ'' رسالۃ الاسلام'' کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے پہچنوانا اور یکجہتی کی کوشش کرنا، نیز فقہ تطبیقی پر تحقیق کرنا تھا۔(صدر، گزشتہ حوالہ، ص ۲۸۴/)

اتحاد بین المسلمین کے سلسلہ میں موصوف کی کاوشیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب ہمیں ان کوششوں کو

ناکام کرنے والے اسناد مل جائیں۔ مجموعی طور پر کتاب ''یاران امام بہ روایت اسناد ساواک'' اور اس کی ۱۷ ویں کتاب جو ''امام موسیٰ صدر'' سے مخصوص ہے اس سند کے ضمن میں جس کا عنوان ''بررسی اعزام آیۃ اللہ محمد تقی قمی بہ لبنان'' ہے (دیکھئے ج ۲/ص ۳۵/و ۳۷) اس شخصیت کے لبنان بھیجنے کا مقصد امام موسیٰ صدر کے مدمقابل قرار دینا تھا تاکہ ان کی شہرت کم ہو جائے، ساواک کی اس سند نے موصوف کی شخصیت خراب کرنے یا ان کا ٹرور کرنے کے لئے جو مطالب بیان کئے ہیں وہ اس طرح ہیں: ۱)۔ امام موسیٰ صدر مختلف اسلامی مذاہب کے درمیان تقریب کی صلاحیت محمد تقی قمی کی طرح نہیں رکھتے۔ ۲)۔ لبنان میں ''شیعہ مجلس اعلیٰ'' کی تشکیل سنیوں کے مقابل میں ہے جسے امام موسیٰ صدر نے انجام دیا ہے ورنہ تقریب کا نظریہ رکھنے والے بزرگ علماء مثال کے طور پر ''محمد تقی'' ایسا نہ کرتے ۳)۔ علامہ محمد تقی قمی کے لبنان میں آجانے سے امام موسیٰ صدر کے اثر ورسوخ میں کمی آئے گی ۴)۔ علامہ تقی قمی کے لبنان آجانے سے شیعہ سنی اتحاد میں رکاوٹ کی مشکل جو امام موسیٰ صدر کے ذریعہ اور لبنان میں انجمن بازی کے ذریعہ سامنے آئی ہے حل ہو جائے گی۔ (گزشتہ، حوالہ ص ۳۱۱/)

مذکورہ نکات اور آنے والے مطالب پر ذرا سا غور کرنے سے قارئین کے لئے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور سامراج واستبداد کے خبیث، گندے اور منافقانہ چہرے سے نقاب ہٹ جاتی ہے۔ اسی طرح یہ سند علماء کے اندر آپسی رقابت اور حسد پیدا کر کے اسلام کو نابود کرنے کے سلسلہ میں دشمنوں کی سعی وکوشش کی گواہ ہے اور تاریخ میں لوگوں کے درمیان علماء کی محبوبیت اور ان کے اثر ورسوخ کم کرنے کی غرض سے ان (علماء) پر لگائے گئے اتہامات کی واضح دلیل بھی ہے۔

اتحاد بین المسلمین اور شیعہ واہل سنت یا مسلمان وغیر مسلمانوں کے درمیان حسن تفاہم اور بھائی چارہ کے سلسلہ میں امام موسیٰ صدر کی کاوشوں کے بارے میں بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ موصوف کی وسعت نظر اور اعلیٰ فکر سامنے آجاتی ہے نیز اس سلسلہ میں موصوف کی سعی وکوشش اور ان کے اقدامات کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ یہ واقعیت آپ کے اس خط کے مضمون سے مزید واضح ہو جاتی ہے جو موصوف نے لبنان کے مفتی اعظم کو بھیجا تھا اور اس میں مختلف ادیان ومذاہب کے اختلاف کے راز اور فلسفہ کو تحریر فرمایا تھا۔

۴۔ اتحاد، معاشرہ کو بکھرنے سے بچاتا ہے

امام موسیٰ صدر میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ لوگوں اور مسئولین کے درمیان اتحاد قائم کرنے کے لئے معاشرے سے اختلافات کو مختلف طریقوں سے دور کرتے تھے مجملہ مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف کے راز

وفلسفہ کو بیان کرتے تھے امام موسیٰ صدر کو یہ یقین تھا کہ آپسی اتحاد ایک معاشرے کو درہم برہم ہونے سے بچانے کا بہترین ذریعہ ہے، نتیجہ میں معاشرہ اپنے حد کمال کو پہنچے گا لہٰذا موصوف اختلافات کو حل کرنے کی کوششوں میں سرگرم عمل تھے وہ اپنی وسیع اور عرفانی نگاہوں سے پوری کائنات کو ایک دوسرے سے متصل اس زنجیر کی مانند سمجھتے تھے جس میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کی بقا سے وابستہ ہے۔ اسی لئے ہمیشہ اپنی شخصی، اجتماعی اور سیاسی زندگی میں چھوٹے سے چھوٹے اختلافی مظاہر سے اجتناب کرتے تھے اور موقع ملتے ہی اس قسم کے ہر امور سے مقابلہ کرتے اور اتحاد کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ (اباذری، گزشتہ، حوالہ ص/۲۸۲)

امام موسیٰ صدر بعض صاحبان نظر کے نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے انحطاط کا سبب تین چیزیں ہیں، سستی پھوٹ اور استعمار زدگی، ان تینوں کا نتیجہ ایک ایسے معاشرے کا فقدان قرار دیتے ہیں جو منسجم اور صحیح طریقہ سے سماج کی ہدایت اور تربیت کرے۔ (گزشتہ، حوالہ ص/۲۶۹ و ۲۷۰)

یہ مطلب لبنانی شیعوں کے انحطاط کے سلسلہ میں موصوف کے مخصوص نظریہ کی تائید کرتا ہے، ان کی نگاہ میں لبنانی شیعوں کے معنوی تنزل کا ایک مظہر ''ترقی کی راہ میں اعتماد بہ نفس نہ ہونا اور اتحاد و اتفاق نہ ہونا ہے۔ (صدر، گزشتہ، حوالہ ص/۳۱۱)

موصوف ''اسلام اور بیسویں صدی کی ثقافت'' سے متعلق اپنی تقریر کے آخر میں ''صلح'' کو بیسویں صدی کی اساس قرار دیتے ہیں جو کہ اسلامی تہذیب وثقافت کے ذریعہ قائم کی جاسکتی ہے، وہ اختلافات کا راز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قومی اختلاف اور دنیا میں موجود مختلف افکار نظریات عالمی پیمانہ پر صلح کی راہ میں نہ فقط مانع نہیں ہوتے بلکہ سماج کو فطری کمال و جمال عطا کرتے ہیں اور اتحاد، ہمدلی، ہمدردی اور ترقی کی راہوں کو آسان کرتے ہیں یہ اختلاف، دوسرے لفظوں میں یہ تنوع انسان کے جسم میں اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ اسی انداز میں جلوہ فگن ہے جس طرح روز پیدائش اسلام نے اسے عطا کیا تھا۔ (گزشتہ، حوالہ ص/۱۳۲)

امام موسیٰ صدر کی نظر میں اختلافات کا ایک خاص راز اور فلسفہ ہے جو فقط اسلامی معاشرے کی ترقی کا سبب ہی نہیں بلکہ مشہور حدیث ''اختلاف علماء امتی رحمۃ'' کے مطابق خود رحمت الٰہی کا ایک جلوہ ہے خاص کر اسلامی معاشرے میں اسی وجہ سے امام موسیٰ صدر کا عقیدہ ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات اسلامی فکر میں ترقی کا باعث ہیں اور ہر مسلمان انھیں اختلافات کے سایہ میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ (گزشتہ، حوالہ ص/۲۴۴) انھیں تفکرات کی بنیاد پر موصوف شیعہ سنی بحث و گفتگو کو ایک مقدس بحث سمجھتے ہیں اور ابہامات کو دور کر کے دونوں مذاہب پر لگائی گئی تمام تر تہمتوں کا سد باب سمجھتے ہیں۔ (گزشتہ، حوالہ) اس لئے کہ ان کی نگاہ میں ''موقع کی تاک میں رہنے

والے افراد نے انھیں جزئی اختلافات پر انگلیاں بلند کر کے انھیں اتحاد کی راہ میں رکاوٹ میں تبدیل کر دیا ہے نتیجہ میں ہر جماعت دوسری جماعت سے دور ہو کر جدا اور الگ تھلک زندگی بسر کر رہی ہے جو معاشرے میں بے اعتمادی، اور عدم ہمدلی و ہمدردی کا سبب بن گئی ہے اور یہ چیز دوسروں کو قبول نہ کرنے والے مذاہب میں حد سے زیادہ نظر آنے لگی اور اس کے بجائے کہ مذہب وسیلہ شمار ہوتا مذہب ہدف بن گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام اسے ہرگز قبول نہیں کرتا اور تمام مسلمانوں کو ایک ہی امت سمجھتا ہے ۔۔۔لیکن یہ سارے اختلافات آپسی رفت و آمد، ایک دوسرے کی شناخت، آزادانہ فکر و اتحاد کے ذریعہ آپسی ہمدردی کے بجائے نابودی کا سبب ہیں۔ (گزشتہ، حوالہص ۲۵۳)

امام موسیٰ صدر کی نظر میں شیعوں اور دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے جو آپسی گفتگو اور حسن تفاہم میں مانع قرار پائے۔ (گزشتہ حوالہ، ۲۷۲) اسی وجہ سے موصوف مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف کو اسی حد تک منطقی سمجھتے ہیں جب تک کہ اسلام کی ترقی کا سبب بنے ورنہ اگر مسلمانوں مین دوری اور معاشرے میں ایک دوسرے سے علیٰحدہ گی، اختلاف، حسد اور جھگڑے کا سبب بننے لگے تو کسی بھی طرح قبول نہیں ہے۔

موصوف نے خود لبنان میں فتنہ وفساد کی آگ خاموش کرنے اور اختلاف ختم کرنے کے سلسلہ میں کوئی بھی کسر نہ چھوڑی، انھوں نے لبنان میں رونما ہونے والے ان تمام فتنوں کا مقابلہ کیا جو ہمیشہ مختلف فرقوں، مذہبوں، جماعتوں اور گروہوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی غرض سے برپا کئے جاتے تھے۔ (اباذری، گزشتہ حوالہ، ص ۵۱یا۶۶)

بہر حال لبنان کی خصوصیات اور اس میں موجود مختلف مذاہب اور گروہوں کے پیش نظر یہ اختلافات کسی حد تک بدیہی نظر آتے ہیں لیکن جب یہی اختلافات درونی کشمکش میں تبدیل ہو کر فتنہ وفساد کا سبب بن جائیں تو ابتدا میں ہی اس کا گلا دبا دینا چاہئے ورنہ یہ ٹکراؤ اور بنیادی اختلافات میں بدل جائے گا۔ موصوف عیسائیوں کی مارونی جماعت کی اس کوشش سے باخبر تھے کہ وہ لوگ شیعوں کو اہل سنت سے دور کر کے خود سے قریب کرنا چاہتے ہیں لیکن انھوں نے اپنی اسلامی اصلیت کو محفوظ رکھتے ہوئے امت مسلمہ کے ساتھ وفاداری کی اور کوئی بھی ایسا قدم نہ اٹھایا جو مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہو اور مارونیوں کی اس درخواست کو قبول نہیں کیا اور اس کے سخت سیاسی بحران کا سامنا کر کے اسے برداشت کیا۔۔۔(یاران امام، بہ روایت اسناد ساواک، ج ۲ص ۳۵)

۵۔ سنی مفتی کے نام امام موسیٰ صدر کے خط کا جائزہ

امام موسیٰ صدر لبنان کے مفتی وقت شیخ حسن خالد کے نام اپنے بے مثال تاریخی خط میں اتحاد بین المذاہب کے سلسلہ میں ظریف اور دقیق نکات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس اہم اور سرنوشت ساز کام کے لئے سنجیدگی کے ساتھ عملی طور پر قدم اٹھانے کا مطالبہ کرتے ہیں موصوف نے اس خط میں اتحاد بین المسلمین کی ضرورت کی دلیلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کام کو مسلمانوں کے مستقبل کو سنوارنے اور ان کی تاریخ، اعتماد اور مسئولیتوں کو انجام دینے کے لئے ضروری قرار دیا۔ اس خط مین وحدت کلمہ کو ایسا عامل قرار دیا ہے جس سے مستقبل میں مسلمانوں اور آنے والی نسلوں کا وجود اور شرف وابستہ ہے موصوف وحدت کلمہ کو فقط ایک نعرہ یا لکھی ہوئی بات نہیں سمجھتے بلکہ اسے ایک فکری جھلک، دل کی تپن اور چلنے کے لئے ایک راہ سمجھتے ہیں جو سوائے اعلیٰ فکری کوششوں، دلی امنگوں اور شب بیداری کے ذریعہ ہی میسر ہوسکتی ہے۔ (اباذر، گزشتہ حوالہ، ص/۹۵ تا ۹۷)

اس خط سے جو اہم مطلب سمجھ میں آتا ہے وہ اتحاد بین المسلمین کی خاطر موصوف کی طرف سے دو بنیادی طرز عمل ہے امام موسیٰ صدر کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں، ان کی عقلوں اور ان کے دلوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کا دو طریقہ ہے۔

۱: ایک ہی فقہ کا ہونا

۲: مشترکہ سعی وکوشش۔ (گزشتہ حوالہ، ص/۹۷ تا ۱۰۳)

تمام مذاہب کی فقہ کو ایک کر دینے کا مطلب فقہی رویہ میں اتحاد ہے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

لیکن مشترکہ کوشش سے موصوف کا مقصد ''مختلف اہداف کے تحقق کی خاطر مشترکہ سپاہیوں کو مہیا کرنا'' ہے جس کا نتیجہ اعتماد قائم کرنا اور دلوں کو سکون ملنا ہے انھوں نے ان کو اہداف کی صورت میں بیان کیا ہے اور شرعی اہداف کے سلسلہ میں شعائر دینی، عیدوں اور بعض عبادتوں کی شکل وصورت جیسے اذان اور نماز جماعت کو ایک کرنے کا مطالبہ کیا ہے موصوف ایک ہی اور ایک معین دن تعطیل کرنے کی حمایت کرتے ہیں اس کے علاوہ ایسی اذان کے خواہاں ہیں جسے سب قبول کریں۔

موصوف اجتماعی اہداف کے سلسلہ میں بے سوادی اور بے کاری سے مقابلہ کے لئے مشترکہ سعی وکوشش نیز یتیموں کی سرپرستی اور زحمت کشوں کی زندگی بہتر بنانے کے لئے مشترکہ کوشش کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سلسلہ میں اداروں کے قیام کے مسئلہ پر زور دیتے ہیں، اور اس ملکی اہداف سے متعلق یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ: کیا ہمیں

اپنے ملکی احساسات کے سلسلہ میں متحد ہونے پر شک وشبہ ہے؟ پھر لبنان کے عوام کے مشترکہ اہداف جو کہ مسلمانوں کا بھی مشترکہ ہدف ہے کی طرف اشارہ کرتے ہیں پھر ''فلسطین کی حمایت جنوب لبنان بلکہ پورے لبنان کی پاسبانی کے موضوع کے ضمن میں آخر کار ماہ رمضان المبارک کو اتحاد بین المسلمین کے لئے ایک اہم سبب کے عنوان سے بیان کرتے ہیں جس میں مسلمانوں کی جاوداں تاریخ کو زندہ کیا جاتا ہے۔ (گزشتہ، حوالہ)

۶۔ فقہی اتحاد

جیسا کہ اس سے قبل بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ امام موسیٰ صدر ''فقہی اتحاد'' یا ''ایک ہی فقہ قرار دینے'' کو اتحاد بین المسلمین کے لئے سب سے اہم اور بنیادی باب شمار کرتے ہیں، اسی وجہ سے موصوف اس کے باوجود کہ تمام مراجع اور مجتہدین کے سلسلہ میں مخصوص احترام کے قائل تھے اور انھیں اسلام وشیعیت کا مستحکم ستون اور امین سمجھتے تھے لیکن فتویٰ اور مرجعیت قبول کرنے کے سلسلہ میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان بزرگوں میں سے کوئی ایک اس حساس منصب کو سنبھالے اور باقی مجتہدین اس کی حمایت کریں۔ موصوف اس منصب کے متعدد ہونے کو سیاسی اور اجتماعی بحران کی صورت میں فطری طور پر لوگوں کے درمیان اختلاف، پارٹی بازی، لوگوں میں افراتفری کا سبب سمجھتے تھے۔ (اباذری، گزشتہ، حوالہ، ۲۸۳/)

اسی وجہ سے امام موسیٰ صدر کی نظر میں جس طرح مسلمانوں کی ایک فقہ ہونی چاہئے اسی طرح مسلمانوں کا مرجع اور مفتی بھی ایک ہی ہونا چاہئے، موصوف فقہا اور علمائے اسلام کے ساتھ ہونے والی ہر ملاقات کانفرنس وغیرہ میں موقع ملتے ہی ''اتحاد بین المذاہب'' کا موضوع پیش کرتے تھے اور ''فقہی اتحاد'' کی وضاحت اور شرح فرماتے تھے۔ (اباذری، گزشتہ، حوالہ، ص ۱۰۶ و ۱۰۷)

فقہی اتحاد کا نظریہ، شیعہ سنی تعلقات کے سلسلہ میں امام موسیٰ صدر کا مخصوص نظریہ ہے، اس لئے کہ اتحاد بین المذاہب کے سلسلہ میں نامور اسلامی شخصیتوں کے درمیان پہلے مرحلہ میں دو نظریئے موجود ہیں ایک مثبت دوسرا منفی نظریہ۔ منفی نظریہ رکھنے والوں کا عقیدہ ہے کہ شیعہ سنی کے درمیان کسی بھی قسم کا مشترک نقطۂ نظر موجود نہیں ہے لہٰذا ان کے درمیان اتحاد کے لئے کوئی بھی دلیل نہیں ہے، لیکن مثبت نظریہ رکھنے والے اتحاد کی کیفیت اور نوعیت سے متعلق اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ لہٰذا چند گروہ میں تقسیم ہوتے ہیں: پہلا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس موضوع کا اتحاد بین المذاہب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہر مذہب کو اپنے اصول دین وفروع دین کا تحفظ کرنا چاہئے فقط ہر مذہب کے پیروکاروں کو چاہئے کہ اپنے اصول دین وفروع دین کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں

کے ساتھ متحد اور متفق رہیں۔ امام صدر کے نظریہ کے مطابق مذکورہ نظریہ پر عمل واجب ہے لیکن یہی کافی نہیں ہے۔

دوسرا گروہ: یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تمام اسلامی مذاہب کو اپنی مذہبی شناخت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مشترکہ نقاط کا اہتمام کرنا چاہئے یہ نظریہ بھی اپنی تمام تر اہمیتوں کے باوجود فقط علماء اور دانشوروں کے درمیان ہوسکتا ہے لیکن کروڑوں کی تعداد میں عوام الناس کے درمیان کوئی خاص کردار ادا نہیں کرسکتا۔

تیسرا گروہ: جس میں سرفہرست امام موسیٰ صدر ہیں جو گزشتہ نظریہ رکھنے والے تمام حضرات کا احترام کرتے ہوئے ان نظریات پر عمل ضروری سمجھتا ہے اور اسے ناکافی سمجھتا ہے، لہٰذا ''فقہی اتحاد'' کا نظریہ پیش کرتا ہے اسی لئے موصوف نے شریعت اسلام کے جزئیات اور انھیں ایک قرار دینے کی ٹھان لی اور اس بات کے معتقد ہیں کہ ''اسلام کا قلعہ جو ایک ہی بنیاد اور ستون پر استوار ہے اور امت مسلمہ کا عقیدہ، کتاب خدا مبدا و معاد کے سلسلہ میں ایک ہی ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ جزئیات میں بھی ایک ہی ہو۔ (گزشتہ، حوالہ، ص ۱۰۴ تا ۱۰۶)

موصوف نے مفتی لبنان کو لکھے گئے اپنے خط میں اتحاد بین المسلمین کو مستحکم کرنے اور اسے فکری و جذباتی ستون پر قائم رکھنے کا راستہ ''فقہی اتحاد'' قرار دیا ہے جسے ''ایک ہی فقہ قرار دینے'' کے عنوان سے پیش کیا ہے، موصوف کا عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ میں کلیات جیسے آسمانی کتابیں، قبلہ عقیدہ وغیرہ کے علاوہ جزئیات میں بھی اتحاد کی ضرورت ہے۔ موصوف ماضی میں اس کام کو فقہی اتحاد کی راہ و روش میں شمار کرتے ہیں جو ''فقہ تطبیقی'' سے حاصل ہوتی ہے جسے شیخ طوسی نے کتاب ''خلاف'' علامہ حلی نے کتاب ''التذکرہ'' میں انجام دیا ہے ان کے علاوہ خود امام موسیٰ صدر نے اس طرز عمل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قاہرہ کے ''دار التقریب بین المذاہب الاسلامیہ'' کی حمایت اور اس مرکز کی بزرگ شخصیتوں جیسے علامہ طباطبائی مرحوم وغیرہ کی سرگرمیوں کو سراہا ہے جس کی فعالیتوں کو آپ سنت نبوی کے ایک کرنے کی کوشش اور ''فقہی اتحاد'' کے تحقق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ (گزشتہ، حوالہ، ۹۸ و ۱۰۰)

البتہ فقہی اتحاد سے موصوف کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فقہا کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نظر نہ ہو اور سارے کے سارے فقہا تمام احکام و مسائل کے سلسلہ میں ایک ہی مشترک فتویٰ دیں، بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ نظریاتی اختلاف فقہ کے تکامل، اجتہاد میں سرعت اور مجتہد کے اندر تحرک کا سرچشمہ قرار پائیں گے۔ وہ کہتے تھے: جب تک یہ نظریاتی اختلاف ایک علمی نظریہ اور تھیوری کی حد تک رہے گی اس وقت تک یہ خیر و برکت اور ترقی و برتری کا سبب بنیں گے لیکن جب یہی اختلافی نظریات معاشرے میں فتوے یا شعائر دینی کی صورت میں بدل جائیں گے تو یہی فتوے یا شعار کا مختلف ہونا ان کے ماننے والوں کے متفرق ہونے کا سبب بن جائے گا۔ لہٰذا ان تمام نظریات کا اختتام ایک ہی فتوے اور شعار پر ہونا چاہئے تاکہ امت مسلمہ کے متفرق ہونے اور گروہوں میں تقسیم ہونے کا سبب

نہ بنیں، موصوف نمونہ کے طور پر مناسک حج، اسلامی عیدوں اور ماہ صیام و ماہ شوال کی آمد کو پیش کیا کرتے تھے۔ (گزشتہ حوالہ، ص ۱۰۷و۱۰۸)

مذکورہ مطالب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام موسیٰ صدر کی نظر میں ''فقہی'' اتحاد، اتحاد بین المسلمین کے تحقق کا سب سے برتر سبب اور بہترین راستہ ہے۔

۷۔ اتحاد بین الادیان

امام موسیٰ صدر اتحاد بین المسلمین کے ساتھ ساتھ اتحاد بین الادیان اور دوسرے ادیان کے ماننے والوں کے ساتھ ہمدردی، و ہمدلی کے معتقد تھے اور اس باارزش مقصد تک پہنچنے کے لئے اپنی انتھک کوششیں کیں، یہاں تک کہ اس مقدس راہ میں ایثار و قربانی اور شہادت کے لئے بھی تیار تھے ان کا کہنا تھا کہ: ہم ایک ایسی اسلامی متحدہ کیمٹی کے طرفدار ہیں جو ہمیں اتنی قدرت عطا کرے کہ ہم اپنے دوسرے ہم وطن عیسائی بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کرسکیں اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر ان کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے کا زمینہ فراہم کرسکیں۔ موصوف اگر چہ ظاہر میں شیعوں کے رہبر سمجھے جاتے تھے لیکن حقیقت میں انھوں نے خود کو دنیا کے ہر مظلوم انسان کے لئے وقف کر دیا تھا اور پوری صداقت کے ساتھ تمام ادیان و مذاہب کے چاہنے والوں کے لئے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ہر ایک کے طرفدار اور دلسوز انسان ہیں۔ (اباذری، گزشتہ، حوالہ، ص ۲۸۱)

امام موسیٰ صدر نے لبنان پہنچتے ہی عیسائیوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا تھا۔ اگر شہر صور میں موصوف کے سبب سے پہلے ہم وعدہ اہل سنت میں سے شیخ محی الدین حسن تھے تو مطران یوسف الخوری بھی اس شہر میں پہنچتے ہی موصوف سے ملحق ہوگئے (کمالیان ورنجبر کرمانی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸)

موصوف ایک طرح سے تمام الٰہی ادیان کے ساتھ اتحاد اور گفتگو کے معتقد تھے لہٰذا لبنان پہنچتے ہی عیسائی سیاسی و مذہبی پارٹیوں سے تعلقات قائم کرنے اور ان سے بحث و گفتگو کی کوشش میں لگ گئے اور روز بروز اس میں وسعت اور اضافہ کرتے رہے اس کے علاوہ انھوں نے عیسائیوں کے ہر گروہ اور ہر صف سے تعلقات جاری رکھے اور بعض نامور عیسائی شخصیتوں کو اجتماعی و امدادی فعالیتیں انجام دینے کے لئے اپنے ساتھ ساتھ رکھا۔ (اباذری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۰)

موصوف یہودیوں اور ملحدوں کے ظلم و ستم اور انسانیت کو رسوا کرنے کے خلاف قیام کے لئے اسلام اور عیسائیت کا آپسی تعاون ضروری سمجھتے تھے اور اسے کافروں و بت پرستوں کے درمیان تبلیغ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

موصوف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ: ہم لوگ چودہ صدیوں کے قبل سے بت پرستوں سے مقابلہ کرنے کے لئے عیسائیوں کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کا مشاہدہ کر رہے تھے جیسا کہ صدر اسلام میں جب روم کے عیسائی فارس کے بت پرستوں پر فاتح ہوئے تو مسلمانوں نے جشن منایا ۔موصوف مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان گفتگو کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان گفتگو اس نظریہ پر استوار ہے کہ قرآن مجید نے عیسائیت کو ایک ہی دین کے ایک مرحلہ کے عنوان سے یاد کیا ہے ۔لہٰذا موصوف کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان گفتگو، تبادل اطلاعات کی بنیاد پر ہو۔(ملاحظہ ہو، صدر، گزشتہ حوالہ، ص۲۶۰و۲۶۱)

موصوف کو یہ یقین تھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کا مل جل کر رہنا ایک نہایت اہم سرمایہ ہے جس سے اجتماعی مشکلات کے حل کے لئے پوری طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اس کے لئے انھوں نے اس قدر کوششیں کیں کہ اخلاقی اعتبار سے عیسائیوں کے لئے قابل اعتماد قرار پائے۔(اباذری، گزشتہ حوالہ، ص۱۱۳)

موصوف نے اس سلسلہ میں مختلف اقدامات انجام دیئے مثال کے طور پر ۱۹۷۷ء کے روز عاشورا کے پیغام میں ''صلح'' کو مسلمانوں اور عیسائیوں کی ناگزیر اور تاریخی وعدہ گاہ قرار دیا اور اسلام و عیسائیت کے پیروکاروں کے آپسی تقرب پر تاریخی اعتبار سے زور دیا ہے اس کے علاوہ موصوف کی دوسری بہت سی تقریریں بھی اسی سلسلہ میں ہیں۔وہ اپنی تقریر جس کا عنوان ''فرقہ گرائی'' تھا میں فرماتے ہیں ''کیا کسی عیسائی عالم نے یہ نعرہ لگایا کہ مسلمان محروم ہیں؟'' اور کیا کسی مسلمان عالم نے ارمنیوں کی محرومیت کا گلہ کیا ہے؟۔ یہ جملہ موصوف کی مستحکم اور معتدل منطق کی نشاندہی کر رہا ہے کہ جو انھوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین گفتگو کی ضرورت کے طور پر بیان کیا ہے۔ (صدر، گزشتہ حوالہ، ص۳۴۷)

عیسائی مصنفین نے اپنے مقالوں میں موصوف کی تعصّبات سے دور سرگرمیوں کو سراہا ہے اور ان کی تحریک کو ہر گروہ، ہر مذہب اور لبنان کے ہر محروم طبقے کے حق میں قرار دیا ہے۔(اباذری، گزشتہ حوالہ، ص۱۱۹، یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، ج۱/ص۴۰،۴۱)

بلاشبہ ۳۰ بہمن ۱۳۵۳ھ ش کو بیروت کے کبوشین کلیسا میں لبنانی عیسائیوں کا امام موسیٰ صدر کی اس قدر تجلیل وتکریم اس ملک کا ایک تاریخی واقعہ ہے، اس پروگرام میں پورے لبنان سے بزرگ عیسائی شخصیتیں شریک ہوئی تھیں اور امام موسیٰ صدر کا تمام عیسائی سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے اعلیٰ پیمانہ پر استقبال کیا تھا۔(کمالیان و رنجبر کرمانی، گزشتہ حوالہ، ص۲۰)

بیروت کے کبوشین کلیسا میں موصوف نے ''ادیان در خدمت انسان'' کے عنوان پر تقریر کی ہے وہ ایک

مسلمان عالم دین کی ایک اہم ترین اور دلچسپ ترین تقریر شمار ہوتی ہے۔ (صدر، گزشتہ حوالہ، ص/۱۳ تا ۲۲)

یہ تقریر کچھ ایسے انداز میں تھی کہ موصوف کا مخاطب پر صاحب عقیدہ اور دیندار شخص ہوسکتا ہے اور یہ پتا نہیں لگا سکتا ہے کہ یہ تقریر ایک مسلمان عالم دین کی ہے اس تقریر میں موصوف ''اتحاد بین المذاہب'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' خداوند عالم ایک ہی ہے، سارے ادیان کا ہدف یعنی انسان ایک ہی ہے اور ان کے تحولات کا میدان یعنی عالم ہستی ایک ہی ہے'' (گزشتہ حوالہ، ص/۱۵)

گفتگو بین اسلام و مسیحیت کے عنوان سے سالانہ اجلاس کا قیام مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان خاص کر لبنان میں اتحاد کی راہ میں موصوف کا ایک قدم تھا۔ (اباذری، گزشتہ حوالہ، ص/۱۱۴ و ۱۱۶)

بہرحال امام موسیٰ صدر کی انتھک کوششوں، صبر و بردباری نے انھیں، اتحاد بین الادیان کے نمائندہ، اور باہمی زندگی کے علمدار'' کے عنوان سے سے پہچنوایا اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے موصوف قومی اتحاد کے نمائندہ بھی تھے۔ موصوف اپنی اس خصوصیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''۔۔۔ میرے خیال میں لبنان میں میرے علاوہ کسی دوسرے نے قومی اتحاد اور ادیان کے درمیان صلح آمیز زندگی بسر کرنے کے پرچم کو بلند نہ کیا ہوگا میں اپنی حیثیت سے زیادہ قومی اتحاد کا راز بن چکا تھا اسی لئے فتنہ وفساد برپا کرنے والے اسے ختم کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے میں قومی اتحاد اور ادیان الٰہی میں بھائی چارہ کے راز کے طور پر لبنان میں ہر طائفہ کے ساتھ باہمی زندگی کا پرچم بلند کر کے صلح کا خواہاں تھا۔'' (گزشتہ حوالہ، ص/۱۱۶ و ۱۱۷)

۸۔ فلسطین اتحاد بین المسلمین کا نمونہ

امام موسیٰ صدر فلسطین کے انجام کے سلسلہ میں بہت ہی فکرمند تھے وہ مسلمانوں کے سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی حالات کے سنورنے کی ابتدا اور مستقبل میں اسلامی تمدن و تہذیب کے استحکام کو مسئلہ فلسطین کے حل میں دیکھتے اور جب بھی موقع ملتا تھا فلسطین کی باتیں کرتے تھے وہ فلسطین کے مسئلہ کو فقط اسلامی مسئلہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس مسئلہ کا جائزہ انسانی اور فطری اعتبار سے لیا جائے تا کہ غیر مسلم دل و دماغ میں بھی جگہ حاصل کر سکے وہ کہتے تھے کہ'' فلسطین کی آزادی کی کوشش تمام اسلامی و عیسائی مقدسات کی آزادی اور انسانیت کی آزادی کے لئے کوشش ہے، اسی طرح یہ خداوند عالم کے نام کو روئے زمین پر آلودہ ہونے سے بچانے کی کوشش ہے اس لئے کہ صہیونیت اپنے اعمال و کردار کے ذریعہ خدا کے نام کو آلودہ کر رہی ہے۔ (یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، ج/۳ ص/۸۴ و ۸۵)

موصوف نے لبنانی سنی مفتی، شیخ خالد کو بھیجے گئے اپنے خط میں مسئلہ فلسطین کو اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الاعراب کا شاخص قرار دیتے ہوئے فلسطین کی آزادی کو مشترکہ ہدف اور اتحاد بین المسلمین کے سبب کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ موصوف فلسطین کی آزادی کے لئے مشترکہ سرگرمیوں کی ضرورت اور مقدس فلسطینی مجاہدین کی حمایت کے فریضے کو اسلامی ممالک کے اغراض ومقاصد میں شمار کرتے تھے خاص کر ملک لبنان کے لئے۔ (اباذری، گزشتہ حوالہ، ص۱۰۱و۱۰۲)

اسرائیل کے مقابلہ میں لبنان کے بحران کو حل کرنے کے لئے شام اور مصر کے صدر جمہوریہ کو ایک دوسرے سے قریب کرنے میں موصوف کی کاوشوں کو اسرائیل کے سامنے ڈٹے رہنے اور اس مسئلہ میں اتحاد بین الاعراب کی سند سمجھنا چاہئے۔ اگر چہ بعد میں سامراج کی مکاریاں نتیجہ بخش ہوئیں اور فلسطین کے مسئلہ میں صلح یا مقاومت سے متعلق عربوں میں اختلاف کا باعث بنیں۔ حد تو یہ ہے کہ بعض اسلامی حکومتوں کو ناجائز صہیونی حکومت کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کرنے میں شرم تک نہ آئی بلکہ شاید امام موسیٰ صدر کا اغوا بھی انھیں منافق حکومتوں کے اشارے اور دشمنان اسلام وسامراج کے حیلوں کی بنیاد پر ہوا ہے۔ (حجتی کرمانی، گزشتہ حوالہ، ص۸۳)

لبنان میں داخلی جنگ چھیڑنا بھی ایک ایسی جنگ شروع کرنے کا زمینہ فراہم کرنے کی غرض سے تھا جس کے ذریعہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فلسطینیوں کو سیاست سے باہر نکال دیا جائے لیکن امام موسیٰ صدر ان مکاریوں سے پوری طرح واقف تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر یہ فتنہ وجود میں آیا تو سارے مسلمانوں اور عالم اسلام کا نقصان ہوگا وہ اپنی دور بین نگاہوں کے پیش نظر ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ فلسطینی اس فتنہ سے دور رہیں اسی وجہ سے ایثار کرتے تھے اور خود کو اور شیعہ مجاہدین کو فلسطینیوں کے لئے سپر قرار دیتے تھے اور دشمن کو موقع نہیں دیتے تھے، اکثر اوقات یہی ہوتا تھا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا سنی نشین علاقوں سے شروع ہوتا تھا لیکن موصوف کی اسی سیاست (یعنی سپر بننے) کے ذریعہ فوراً مسئلہ شیعی علاقوں میں منتقل ہو جاتا تھا اور پھر آپ کے وجود مبارک کے ذریعہ حل ہو جاتا تھا۔

اگر چہ یہ ایثار وقربانیاں شیعوں کے لئے مہنگی پڑیں اس لئے کہ شیعوں نے فلسطینی انقلاب کے لئے زیادہ شہید دیئے اور کافی مالی وجانی نقصان اٹھایا۔ (یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، ج۳، ص۸۳و۸۴)

فلسطین کے مسئلہ میں موصوف ہر دیندار شخص کے ساتھ اتحاد کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے اس لئے کہ وہ اس مسئلہ کو فطری اور انسانی لحاظ سے دیکھتے تھے لہٰذا فلسطین کو اتحاد بین الادیان کا شاخص بھی قرار دینا چاہئے اس سلسلہ میں امام موسیٰ صدر اس طرح فرماتے ہیں: ''ہم ایک ایسی اسلامی متحدہ تحریک کے طرفدار ہیں جس کے ذریعہ

ہمارے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ ہم پوری توانائی کے ساتھ اپنے عیسائی ہم وطن بھائیوں کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھا سکیں اور مسلمانوں وعیسائیوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے امکانات مہیا کر سکیں جب کہ اسرائیل کی پوری کوشش یہی ہے کہ وہ اس امر کو دنیا والوں کے سامنے غیر ممکن ثابت کرے اور ایک ایسے فلسطین کے وجود میں رکاوٹ بنے جس میں یہودی، مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ (حجتی کرمانی، گزشتہ حوالہ، ص/۸۶)

۹۔ نتیجہ

اتحاد بین المسلمین بلکہ اتحاد بین الادیان کے سلسلہ میں امام موسیٰ صدر کے یہ اقدامات اور ان کی انتھک کوششوں کا سرچشمہ اس الٰہی انسان کی اعلیٰ فکر اور پاک روح ہے ایک طرف موصوف کی ہر طرح کے اختلاف سے متعلق منطقی تفسیر اور وضاحت تو دوسری طرف ''فقہی اتحاد'' کے عنوان سے ان کا حل موصوف کی اعلیٰ نظری اور روشن ضمیری، کی دلیل ہے۔ لبنانی سنی مفتی اعظم کے نام آپ کے پر معنی اور مفید خط کو اگر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں موصوف کی دیگر سرگرمیوں کے ساتھ دیکھا جائے تو یہ اس بات کی واضح سند قرار پائے گا کہ موصوف کے نظریات وافکار کسی مذہب یا فرقہ بلکہ قوم کی حد تک محدود نہیں تھے نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ موصوف حق کے مسئلہ میں کس درجہ پیش پیش تھے۔

.....

حوالے:

۱۔اباذری، عبدالرحیم، ''امام موسیٰ صدر، سروش وحدت'' مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی، تہران، طبع اول ۱۳۸۳ھ ش۔

۲۔ اباذری، عبدالرحیم، ''امام موسیٰ صدر، امید محرومان'' انتشارات جوانہ رشد، تہران، طبع اول ۱۳۸۱ھ ش۔

۳۔حجتی کرمانی، علی، ''لبنان بہ روایت امام موسیٰ صدر شہید چمران'' انتشارات تہران، طبع اول ۱۳۶۴ھ ش۔

۴۔صدر امام موسیٰ، ''ادیان در خدمات انسانی (جسارتہائی در بارہ دین ومسائل جہان معاصر)، گروہ مترجامن، مسوسسہ فرہنگی۔تحقیقاتی امام موسیٰ صدر تہران، طبع اورل ۱۳۸۴ھ ش)

۵۔صدر، امام موسیٰ، ''نانی ولی'' بہ اہتمام وترجمہ علی حجتی کرمانی، موسسہ فرہنگی، تحقیقاتی امام موسیٰ صدر، تہران طبع اول،

۱۳۸۳ھ ش۔
۶۔ علمی اردبیلی، علی، ''زندگی ومبارزات امام موسیٰ صدر و سید محمد باقر صدر'' انتشارات امامت، مشہد مقدس، طبع اول، ۱۳۵۸ھ ش ۔
۷۔ کمالیان، محسن و رنجبر کرمانی، علی اکبر، '' عزت شیعہ، مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم، طبع اول، ۱۳۷۷ھ ش۔
۸۔ ''یاران امام بہ روایت اسناد ساواک'' کتاب ہفدہم پیرامون امام موسیٰ صدر، ۳ جلد، مرکز بررسی اسناد تاریخی وزارت اطلاعات تہران، طبع اول، ۱۳۷۹ھ ش۔

اسلام اور زیبائی

محمد علی قاسمی
ترجمہ: فصاحت حسین

لباس کی آراستگی

جب ہم معصوم رہنماؤں اور انکے واقعی پیروکاروں کے اقوال اور انکی سیرت دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اچھا اور خوبصورت لباس پہننا پسندیدہ عمل ہے اور لباس رنگارنگی کو اسراف نہیں شمار کیا گیا ہے۔ اسحاق بن عمار نے امام صادقؑ سے پوچھا: اگر مومن کے پاس دس لباس ہوں تو کیا یہ اسراف ہے۔ امامؑ نے جواب میں فرمایا: نہیں۔ دوبارہ سوال کیا: اگر بیس لباس ہوں تو کیسا ہے؟ امامؑ نے پھر جواب میں فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ تیسری بار سوال کیا: اگر تیس لباس ہوں تو کیسا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ یہ کام اسراف نہیں ہے بلکہ اسراف یہ ہے کہ باہر پہننے والا لباس گھر میں پہنا جائے۔[1]

امام سجاد علیہ السلام کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپ گرمی کیلئے ۵۰ درہم کے دو لباس خریدتے تھے۔[2]

جب بعض تنگ نظر افراد نے ابن عباس کو اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا: آپ علم کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں پھر ایسا لباس کیوں پہنتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنْ الرِّزْقِ

پیغمبر آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جسے خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے۔[3]

لہٰذا اچھے اور خوبصورت لباس پہنو لیکن اس بات کی جانب توجہ رہے کہ اسے حلال روزی سے فراہم کیا ہو۔[4]

اسی طرح بہت سی احادیث میں سفید لباس پہننے کی تاکید کی گئی ہے اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ سفید لباس خوبصورت ہوتا ہے۔۵

یہاں تک کہ سیاہ لباس پہننے کی مذمت کی گئی ہے اور اسے غم وحزن کا لباس اور جامۂ اہل جہنم سے تعبیر کیا گیا ہے۔۶

گزشتہ باتوں کے علاوہ، مہمانوں اور دوستوں سے ملاقات کے وقت زینت وآراستگی کا لحاظ رکھنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: ایک آدمی رسول خداؐ سے ملاقات کے لئے ان کے گھر آیا۔ اس سے ملنے کے لئے کمرے سے نکلتے وقت آپؐ کمرے میں موجود پانی کے برتن کے پاس کھڑے ہوگئے، آپ نے اس میں اپنا چہرہ دیکھا، بال سنوارے اور کپڑے درست کئے، عائشہ کو آپ کے اس کام سے تعجب ہوا۔ آنحضرتؐ کے واپس آنے کے بعد ان سے سوال کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلتے وقت آپ پانی کے برتن کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے چہرہ اور بال صحیح کررہے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

''یاعایشة ان الله یحب اذا خرج عنده المؤمن الی اخیه ان یتهیّأ له و ان یتجمّل''۔۷

یعنی: اے عائشہ خداوند عالم کو یہ بات پسند ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے بھائی سے ملنے جارہا ہو تو خود کو اس ملاقات کیلئے آمادہ وآراستہ کرے۔

جوان اور خوبصورت لباس

ائمہ معصومینؑ کی رفتار وگفتار میں جابجا جوانوں کے ظاہری رکھ رکھاؤ اور انکی آراستگی پر تاکید نظر آتی ہے۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ امام علیؑ اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے غلام قنبر کے ساتھ لباس خریدنے کیلئے بازار آئے۔ آپ نے دو لباس خریدے ایک کی قیمت تین درہم اور دوسرے کی دو درہم تھی۔ خریدنے کے بعد آپ نے جناب قنبر سے فرمایا: تم تین درہم والا لباس پہن لو۔ قنبر نے کہا: آپ کے لئے یہ لباس زیادہ مناسب ہے کیونکہ آپ لوگوں کے سامنے تقریر وغیرہ کرنے کے لئے آتے ہیں لہٰذا مہنگا اور اچھا والا لباس آپ کو پہننا چاہئے۔ آپ نے فرمایا: تم جوان ہو اور دوسرے جوانوں کی مانند تمہیں بھی آراستگی پسند ہے....۸

امامؑ کا یہ عمل اس اہم نکتہ کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ جوانوں میں موجود فطری جمال پسندی اور آراستگی کی معتدل انداز میں حمایت کرنی چاہئے تاکہ اچھے کپڑے پہن کر انکے ذوق آراستگی کی تسکین ہو۔

جوان اور سر کے بال

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اسلام نے حلال زینتوں سے منع نہیں کیا ہے بلکہ انہیں حرام قرار دینے والے کی مذمت کی ہے۔اسی وجہ سے اسلامی آداب کی کتابوں میں ملتا ہے:

مردوں کے لئے ان دو میں سے کوئی ایک چیز سنت ہے:''یا تو سر کے بال مونڈیں... یا اگر بال رکھ رہے ہیں تو انہیں صاف رکھیں اور ان میں کنگھی کریں''۔[9]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں بالخصوص جوانوں کو سر کے بال رکھنے یا منڈانے کے سلسلہ میں اختیار ہے لیکن اگر بال رکھ رہے ہیں تو انہیں اچھی طرح سے رکھیں، انکی پاکیزگی کا خیال رکھیں اور کنگھی وغیرہ کریں۔لیکن اگر کسی معاشرے میں سر کے بال منڈانا عیب سمجھا جاتا ہے تو اسلام نے ایسے معاشرے کے حالات کو بھی مدنظر رکھا ہے۔اسی وجہ سے علامہ مجلسیؒ پیغمبرؐ اور ائمہؑ کے بال رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: چونکہ ابتدائے اسلام میں عرب کے درمیان بال منڈانا عیب سمجھا جاتا تھا اور پیغمبر یا امام کو کوئی قبیح کام نہیں کرنا چاہئے اس لئے رسول خداؐ چار انگلیوں کے برابر سر کے بال رکھتے تھے۔[10]

پیغمبر اسلامؐ کا یہ عمل سارے مسلمان جوانوں کیلئے آئیڈیل ہے کہ اپنی سوسائٹی اور سماج کے ماحول کے پیش نظر بال رکھنا یا منڈانا ضروری ہے لیکن بال رکھنے کی صورت میں اسکے آداب یعنی پاکیزگی، صفائی اور کنگھی کرنے کا خیال رکھنا چاہئے۔

نماز میں زیب وزینت

قرآن تمام فرزندان آدم کو حکم دیتا ہے:

يَابَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِد

اے اولاد آدم نماز کے لئے مسجد جاتے وقت اپنی زینت کرو۔[11]

یہ آیت جسمانی زیب وزینت کی جانب بھی اشارہ کررہی ہے کہ جس میں پاکیزہ اور اچھا لباس پہننا، بالوں میں کنگھی کرنا اور عطر استعمال کرنا وغیرہ شامل ہے اسی طرح اس سے معنوی زینتیں یعنی انسانی اور الٰہی صفات بھی مراد ہیں۔

درحقیقت یہ آیت زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے اس قبیح کام کی مذمت کررہی ہے کہ وہ مسجد الحرام کی زیارت اور طواف کعبہ کے وقت برہنہ ہوجاتے تھے۔قرآن نمازیوں اور سماج میں عمومی جگہوں پر آنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ گندے کپڑے نہ پہنیں بلکہ بارگاہ الٰہی میں حاضری اور اس سے ہمکلام ہونے کیلئے اچھے اور

خوبصورت لباس سے آراستہ ہوں۔ ہمارے معصوم رہنما ان آداب کے بہترین عملی نمونے ہیں۔

امام حسنؑ نماز پڑھتے وقت اپنا سب سے اچھا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ بعض لوگوں نے آپ سے اس کام کے بارے میں سوال کیا۔ امامؑ نے فرمایا:

''ان اللہ جمیل و یحب الجمال فأتجمل لربی و ھو یقول خذوا زینتکم عند کل مسجد''[۱۲]

یعنی خداوند عالم جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میں اپنے خدا کیلئے زیب و زینت کا خیال رکھتا ہوں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ ہر نماز کے وقت اور مسجد جاتے وقت (یعنی نماز کے لئے) زینت ساتھ رکھو۔

اس بنا پر بہت سی احادیث کے مطابق اگر آدمی حلال روزی کے ذریعہ اپنی حیثیت کے مطابق زیب و زینت کا خیال رکھے اور اچھے اور پاکیزہ لباس پہنے تو اسلام کی نگاہ میں اس کا یہ عمل قابل ستائش اور خوشنودی پروردگار کا باعث ہے۔

عورت، زیبائی اور آراستگی

جمال پسندی اور آراستگی کی خواہش مردوں سے زیادہ عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ آراستگی کی خواہش انکی فطرت کا حصہ اور انکے خمیر میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی احکام بھی انکی فطرت کے مطابق ہیں۔

خوبصورت زوجہ کا انتخاب

شریک حیات کے انتخاب کے سلسلہ میں اسلام نے مردوں سے کہا ہے کہ تم میں سے جب بھی کوئی شادی کا ارادہ کرے تو جس طرح وہ لڑکی کے چہرے کے بارے میں پوچھتا ہے اسی طرح اس کے بالوں کے بارے میں بھی دریافت کرے کیونکہ بال زیبائی کے دو ارکان میں سے ایک رکن ہے۔[۱۳]

پیغمبر اسلامؐ اپنی امت میں ان خواتین کو سب سے اچھا بتاتے ہیں کہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ جن کا مہر کم ہو۔[۱۴]

ائمہ معصومینؑ کی نگاہ میں شادی کے موقع پر شریک حیات کے حسن و جمال پر توجہ رکھنا ایک پسندیدہ کام ہے لیکن اصل اور تنہا پہلو نہیں ہے۔ بلکہ کبھی کبھی خوبصورت چہرے کی مالک عورتوں کی مذمت کی جاتی ہے کیونکہ ایسے حسن کی ہی تعریف کی گئی ہے جو اخلاق اور دینداری کے ساتھ ہو۔ پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''خضراء الدمن'' (گندگی پر اگنے والی گھاس) سے بچو۔ صحابہ نے عرض کی: اے رسول خدا خضراء الدمن سے آپ کی کیا مراد

ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ خوبصورت لڑکی جس نے برے خاندان میں تربیت پائی ہو۔(۵۷)

امام صادقؑ نے بھی اس بات پر تاکید فرمائی ہے کہ عورت کو صرف اسکے حسن اور مال کی وجہ سے شریک حیات نہ بناؤ بلکہ اسکے دین اور اخلاق پر زیادہ توجہ دو۔۱۵

زوجہ کا شوہر کی خاطر آراستہ ہونا

اسلام عورتوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے لئے خود کو آراستہ کریں اور کسی بھی وقت بغیر زیب و زینت کے نہ رہیں کہ اس کا نتیجہ ثواب اور محبت آمیز زندگی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

امام صادقؑ نے فرمایا: مناسب نہیں ہے کہ عورت کسی بھی وقت بغیر زینت کے رہے، اگر چہ گلے میں صرف ہار ہی پہنے رہے، اور مناسب نہیں ہے کہ عورت کے ہاتھ سادے رہیں اگر چہ تھوڑی سی مہندی ہی کیوں نہ ہو اور وہ عورت عمر دراز ہی کیوں نہ ہوگئی ہو۔۱۶

عورتوں کی زیب و زینت کے سلسلہ میں یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ رسول خداؐ نے مردوں سے فرمایا: ''اپنے ناخن چھوٹے رکھو اور عورتوں سے فرمایا اپنے ناخن تھوڑے سے بڑھا کر رکھو کیونکہ یہ تمھارے لئے باعث زینت ہے''۔۱۷

اسلام کی نگاہ میں ہر وہ چیز جو عورت کیلئے باعث زینت ہو جائز اور پسندیدہ شمار کی گئی ہے۔۱۸

بالوں کی خوبصورتی کا خیال رکھنا، تیل کا استعمال اور سرمہ لگانا مستحب ہے۔ اگر عورتیں یہ کام انجام دیں تو انہیں الفت و محبت سے لبریز ازدواجی زندگی میسر ہوتی ہے اور وہ دوسرے مردوں اور عورتوں کو دیکھ کر کسی کمی یا کمزوری کا احساس نہیں کرتی ہیں۔

قرآن عورتوں کے شوہروں کی خاطر زینت کرنے کو جائز بتاتا ہے اور صرف نامحرموں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کرنے کی مذمت کرتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلاَيُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں علاوہ اس کے جو از خود ظاہر ہے۔ ۱۹

مقاصد جمالیات اسلام کی رو سے

اسلام کی نگاہ میں انسانی زندگی کے فلسفہ اور مقصد کے بارے میں تحقیق وجستجو کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خداوندعالم نے اس پوری کائنات کو انسان کے لئے خلق کیا ہے اور اس کے اختیار میں دیدیا ہے لیکن یہ دین کا اصلی مقصد نہیں ہے بلکہ اسکی نگاہ میں انسان کا ایک بہت مقدس اور پاکیزہ انجام ہے جس کے لئے خدا نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے۔

قرآن کریم کی نگاہ میں خلقت انسانی کا مقصد تکامل اور مرحلۂ عبودیت تک رسائی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔۲۰

خداوندعالم کے بے نیاز ہونے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی خلقت سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہے لہٰذا انسانی خلقت کا مقصد اسکی ذات نہیں ہے بلکہ اسکا فائدہ درحقیقت خود مخلوقات کو ہے کیونکہ یہ خلقت ان کے لئے باعث کمال ہے۔ یہ آیت عبودیت و بندگی کے مسئلہ کو بیان کرتی ہے اور انتہائی واضح انداز میں اسے جن و انس کی خلقت کا مقصد بتاتی ہے۔دوسری بعض آیات میں اگر موت وحیات کی تخلیق کا اصل مقصد انسان کا امتحان بیان کیا گیا ہے، ۲۱ یا آسمانوں اور زمین کی خلقت کا مقصد خدا کے علم اور قدرت سے واقفیت بتایا گیا ہے۔ ۲۲ تب بھی اصل مقصد بندگی ہے۔''امتحان'' اور ''علم ودانش'' وہ اہداف ومقاصد ہیں جو بندگی کی راہ میں آتے ہیں اور لامتناہی رحمت الٰہی تک رسائی اسی بندگی کا نتیجہ ہے۔

میری نگاہ میں اسلام اور زیبائی کے سلسلہ میں مذکورہ مقصد اور اسلام کی اصل روح کے کچھ خاص مظاہر ہیں جن میں زیبائی کے تینوں محوروں یعنی حسن وجود، حسن افعال کے بیان اور زیبائی وآراستگی کے حکم پر توجہ دی گئی ہے۔

حسن وجود کا مقصد

انسان کا فطری طور پر زیبائی کی جانب مائل ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے لہٰذا انسانی حواس کا کسی حسن کو درک کرنا اسکی اس فطرت کو متأثر کرتا ہے اور اس وجود سے دلبستگی کا سبب بنتا ہے۔جب انسان کے سامنے نامرئی جمال الٰہی آتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود میں پائے جانے والے حیرت انگیز جمال اور ہستی کے جمال وجلال شکوہ کے ذریعہ اس کے خالق کی جانب متوجہ ہو اور اس راہ میں قدم بڑھائے۔اس کائنات کے خوبصورت موجودات میں دی جانے والی دعوت فکر ونظر میں بھی یہی راز پوشیدہ ہے۔جب یہ کہا جاتا ہے:

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ

اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور محفوظ بھی بنا دیا ہے کہ یہ خدائے عزیز وعلیم کی مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔۲۳

اور اسے انسانوں کو یاددہانی کا ذریعہ شمار کیا جاتا ہے۔ منکرین حق سے باز پرس کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں بکھرے ہوئے جلووں کا بابصیرت نگاہوں سے نظارہ کرتے تو انکار حق کی کوئی صورت نہ ہوتی۔۲۴

اسلام انسان، حیوانات کی رفت وآمد، زمین اور سمندروں کا حسن بیان کرتے وقت بھی انسانی ضمیر کو بیدار کرنے کے درپے ہوتا ہے تاکہ انسان معلول کو دیکھ کر علت کا علم حاصل کرے اور اثر کے ذریعہ مؤثر تک پہنچے اور اس معرفت کے نتیجہ میں کمال کی منزلیں طے کرے۔ اسی وجہ سے ان تمام تذکروں میں خداوند عالم کے خاص صفات کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے اور لطیف، علیم، خبیر وغیرہ جیسے الفاظ کے ذریعہ انسان کو حقیقی مبدأ کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ انسان ظاہری حسن میں الجھ کر نہ رہ جائے اور نظارۂ جمال الٰہی سے خود کو محروم نہ کرلے۔

لہٰذا سارے انسانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حسن کائنات میں محو نظارہ ہوں اور خداوند عالم نے اس عالم وجود میں تصویروں اور انکے معانی کو جو حسن عطا کیا ہے، انکا مشاہدہ کر کے اپنے احساسات کو جلا دیں نیز ان میں غور وفکر کر کے اور ظاہری حسن سے آگے نکل کر خالق یکتا تک پہنچیں۔

حسن افعال بیان کرنے کا مقصد

قرآن کریم کی نگاہ میں ایمان زینت ہے اور وہ عفو ودرگذر، فراق وجدائی، بردباری وصبر اور رنگ الٰہی کے حسن کی توصیف کرتا ہے تاکہ انسان کی جمال پسند فطرت کو حسن معقول کی جانب دعوت دے اور یہ بتائے کہ یہ اصول وعقائد وہ خوبصورت حقائق ہیں جو خود بھی حسین ہیں اور جو ان کو اپنالے اسے بھی حسین بنا دیتے ہیں۔

ہم کسی انسان کے غلط اعمال دیکھ کر اس کی روح وضمیر کی کثافت اور اس کے اچھے اعمال کے ذریعہ اس کی حسین روح کا اندازہ لگاتے ہیں کیونکہ انسان جن اعمال کو انجام دیتا ہے اگر ہم بیدار روح کے ساتھ انہیں ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان تمام جگہوں پر وہ اس کی انسانی فطرت کے بہترین یار ودمساز ہیں۔

وہ روح جو الٰہی احکام کے مطابق انتہائی حسین انداز میں اعضا وجوارح پر حکمرانی کرتی ہے اس کے بارے میں علامہ محمد تقی جعفری فرماتے ہیں:

''جب ہم اپنے قاتل کے حق میں حق وانصاف کی رعایت اور عفو ودرگذر نیز دوسرے مختلف میدانوں میں

امام علیؑ کے کردار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسی باعظمت اور حسین روح کا تصور ہمارے حسن پسند ذوق و شہود کو تحریک کرتا ہے اور اس حد تک آگے بڑھتا ہے کہ یہ عالم امکان جس میں ایسی روح نے پرورش پائی ہے ہمارے لئے حسین ہو جاتا ہے''۔

اس بنا پر، خداوند عالم اور ہمارے معصوم رہبروں کے بیانات میں موجود توصیف مذکورہ اعمال کے حقیقی حسن کو بیان کر رہی ہے تا کہ یہ توصیف انسان کی جمال پسند فطرت کے ساتھ ہماہنگ ہو سکے اور نتیجۃً انسان خوبصورت اعمال کی انجام دہی کے ذریعہ حسن کی روح تک رسائی حاصل کرے۔

آراستگی کا حکم دینے کا مقصد

کیا یہ ممکن ہے کہ خداوند عالم انسان کو خوبصورت روح اور فکر کے ساتھ خلق کرے لیکن اسے اپنی فطری صلاحیت استعمال کرنے سے منع کر دے۔ یہ بات حکمت اور صحیح فکر کے مخالف ہے بلکہ انسان کو جو صلاحیت بھی عطا کی گئی ہے اسے کمال تک پہنچانے کا راستہ بھی معین کیا گیا ہے تا کہ انسان راہ زندگی میں غلط سمت نہ جائے۔ مزید یہ کہ اگر اسلام انسان کو حسن و جمال سے دور رکھے تو یہ ایسے مکتب فکر سے نفرت کا باعث بنے گا اور ایسی فکر اس دینی روح کے ساتھ ناسازگار ہوگی جو فطرت اور انسانی ضروریات کے مطابق ہے۔

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ قرآن ان افراد کی مذمت کرتا ہے جو حلال مظاہر حسن کو حرام قرار دیتے ہیں اور اسکی نگاہ میں خدائی نعمتوں سے استفادہ پسندیدہ عمل اور مقصد خلقت ہے۔ اسلام ظاہری آراستگی (کپڑے پہننا، عطر لگانا، کنگھی کرنا، صفائی اور پاکیزگی کا خیال رکھنا....) پر توجہ دیتا ہے تا کہ سماجی زندگی میں مسلمان انسان کامل کا نمونہ اور مومنوں کے درمیان الفت و محبت کا باعث ہو۔

نماز میں اچھا لباس پہننا عبادت میں نشاط اور ظاہری زینت استعمال کر کے معنوی اور معقول حسن تک پہنچنے کا سبب بنتا ہے۔

عورتوں کا اپنے شوہروں کے لئے بناؤ سنگھار کرنا بھی مردوں کو گناہ سے دور رکھنے، حریم خانوادہ کی حفاظت اور مشترکہ زندگی میں الفت و محبت کا سبب بنتا ہے نیز زندگی کو ایک خاص دلکشی عطا کرنے کے ساتھ ساتھ زوجہ و شوہر کو ایک دوسرے کی نگاہ میں باعظمت بناتا ہے۔

اس بنا پر اصول آراستگی کی رعایت انسان کے نفسیاتی سکون اور معنوی و الٰہی حسن تک پہنچنے کا باعث ہے۔ جن مواقع کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جن کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے وہ سب انسان کے کمال تک پہنچنے میں بے انتہا موثر

ہوتے ہیں۔

نتیجہ

آیات وروایات اس دنیا کے مظاہر حسن کا تذکرہ کر کے انسان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان صناعی کے جلووں کا نظارہ کر کے صناع ازل کی مدحت سرائی کرے اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ انسانی خلقت، زمین، آسمان، ستاروں و....کا حسن اسے خدا کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

اس کے علاوہ بعض اعمال کے حسن کی توصیف کی گئی ہے تا کہ سب کو شوق ورغبت کے ساتھ انہیں اپنانے کی دعوت دی جائے اور انسان کو ظاہری حسن کی حدوں سے آگے لے جا کر حقیقی اور باطنی حسن تک پہنچایا جائے تا کہ انسان ظاہری حسن کے مقابلہ میں روح حسن کا ادراک کر سکے۔

جمال وجود اور حسن اعمال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام آراستگی اور ظاہری حسن پر بھی توجہ دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں کے سامنے اچھے لباس میں ظاہر ہوں، جوانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ یا وہ اپنے بال چھوٹے رکھیں یا بڑے رکھنے کی صورت میں انہیں صاف اور مرتب رکھیں اور خداوند عالم کی بارگاہ میں حاضری کے وقت بہترین لباس زیب تن کریں۔

اسلام عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے آراستگی اور بناؤ سنگھار کا خیال رکھیں۔ یہ سارے احکام کسی نہ کسی طرح انسان کے معنوی حسن کو دوبالا کرتے ہیں، ایک خاص محبت والفت کا باعث بنتے ہیں اور انسان کو گناہوں سے روکتے ہیں کیونکہ گناہ انسان کی روح کے قبیح ہونے کا باعث بنتے ہیں۔

۱۔اعراف ۳۲

۲۔محمد بن یعقوب الکلینی، ایضاً، ۴۴۲، حدیث ۷

۳۔ایضاً، ص ۴۴۶-۴۴۵

۴۔ایضاً ص ۴۴۹

۵۔الحسن بن الفضل الطبرسی، مکارم الاخلاق، مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۶ق، ج ۱، ص ۸۵-۸۴

۶۔مرزا حسین نوری، مستدرک الوسائل، المکتبۃ الاسلامیہ، تہران، ج ۱، ص ۲۱۰

۷۔محمد باقر مجلسی، حلیۃ المتقین، مؤسسہ انتشارات ہجرت، قم، چاپ نہم، ۱۳۷۵ق، ص ۱۷۴

۸۔ایضاً

۹۔اعراف ۳۱
۱۰۔ہاشم الحسینی البحرانی، البرہان فی تفسیر القرآن، دار الکتب الاسلامیہ، قم، قم ۱۳۹۳، ج ۱۴، ص ۳۷
۱۱۔محمد بن الحسن الحر العاملی، وسائل الشیعہ، انتشارات اسلامیہ، تہران، ۱۳۸۴ق، ج ۱۴، ص ۳۷
۱۲۔محمد بن یعقوب الکلینی، ایضاً، ج ۵، ص ۳۲۴
۱۳۔ایضاً ص ۳۳۲
۱۴۔محمد بن الحسن الحر العاملی، ایضاً، ج ۱۴، ص ۳۰
۱۵۔ایضاً، ج ۱، ص ۴۱۰، ج ۱۴، ص ۱۶۳؛ محمد تقی مجلسی، روضۃ المتقین، بنیاد فرہنگ اسلامی، قم، ج ۸، ص ۳۶۵
۱۶۔ایضاً، ج ۱، ص ۴۳۵
۱۷۔ایضاً، ج ۱، ص ۴۳۲، ج ۱۴، ص ۱۳۵
۱۸۔نور ۳۱
۱۹۔ذاریات ۵۶
۲۰۔ملک ۲
۲۱۔طلاق ۱۲
۲۲۔فصلت ۱۲
۲۳۔سورۂ صافات کی ۱۳ویں آیت سے استنباط
۲۴۔محمد تقی جعفری، ایضاً، ص ۳۰۴

اسلامی مقدسات کی توہین محرکات اور اسباب

ایک جائزہ

سید نجیب الحسن زیدی

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نبرد آزمائی اور ان کے مقدسات کی بے حرمتی کی تاریخ کوئی نئی نہیں ہے۔ جب سے اسلام کے آفاقی تعلیمات کا نزول ہوا ہے، تبھی سے اہریمنی طاقتوں کی جانب سے ان کی مخالفت شروع ہوگئی تھی اور اسلامی مقدسات کے مذاق اور انکی توہین کا بازار گرم ہو گیا تھا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مقدسات کی اہانت کے واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

گزشتہ صدیوں میں عمومی سطح پر اس اہانت اور اسلامی دستورات کا مذاق اڑائے جانے کی علت کو ممکن ہے اسلامی شخصیات اور مقدسات کے تقدس واحترام سے اقوام وملل کی نا آگاہی کو بیان کیا جائے لیکن آج ایک نقطہ میں سمٹتی ہوئی دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جو نہ جانتا ہو کہ کس مذہب کے ماننے والوں کے لئے کیا چیز مقدس اور کیا محترم ہے؟ جس دور میں ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں اربوں، کھربوں اطلاعات کے ذخائر برقی لہروں کے ذریعے دنیا کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں منتقل ہو جاتے ہیں، اس دور میں کیونکر کسی مذہب کے مقدسات کی بے حرمتی کرنے کے بعد یہ عذر تراشا جا سکتا ہے کہ ہمیں اپنے اس اقدام سے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ہماری وجہ سے کسی کی دل آزاری بھی ہو سکتی ہے؟ کیا موجودہ حیرت انگیز ارسال وترسیل اور ذرائع ابلاغ کے ترقی یافتہ نظام کے باوجود یہ ممکن ہے کہ انجانے میں کوئی ایسا اقدام کیا جائے جس سے کسی مذہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح ہوں؟!۔ جب الکٹرانک میڈیا اور جدید ارسال وترسیل کے وسائل نے دنیا کو ایک چھوٹا سا دیہات بنا دیا ہے

،ایسی صورت میں یہ احتمال نقطۂ صفر پر پہنچ جاتا ہے کہ انجانے میں اسلام کی عظیم ترین کتاب یا شخصیت کی اہانت کی جائے اور اہانت کرنے والے افراد کو پتہ ہی نہ ہو کہ جو کام وہ کر رہے ہیں وہ اہانت کے زمرے میں آسکتا ہے!۔

یقیناً آج کے ترقی یافتہ دور میں انسان کسی بھی معروف شخصیت کے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے یا کچھ لکھ رہا ہے تو خوب اچھی طرح یہ جانتا ہے کہ وہ شخصیت کن صفات کی حامل ہے اور الٰہی مکاتب فکر کی نظر میں اس کا مقام کیا ہے۔اب اگر یہ اہانت اس کتاب کی ہو جسے دنیا کے تمام مفکرین نے سراہا ہے یا اس شخصیت پر نازل ہوئی ہو کہ انسان کی تمدنی تاریخ کی ابتدا سے لے کر اب تک کی اگر عظیم شخصیات کا شمار کیا جائے تو اسے سرفہرست قرار دیا جائے۔(۱) تو واضح سی بات ہے کہ اس کے بارے میں کچھ لکھنے یا بولنے والا اپنے کلام یا تحریر کی حساسیت سے اچھی طرح باخبر ہے دوسری طرف یہ بات بھی قابل قبول نہیں ہے کہ اگر کچھ جنونی لوگ انفرادی طور پر کوئی ایسا قدم اٹھاتے ہیں جس سے کسی دین کے مقدسات کی توہین ہوتی ہے اور اس دین کے ماننے والوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں تو یہ کہا جائے کہ اس میں حکومت کیا کرسکتی ہے؟ اس لئے کہ حکومتوں کو اچھی طرح اس طرح کے معاملات کی سنگینی کا علم ہوتا ہے اب اگر وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کریں اور ان اقدامات کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر نہ کریں اور ان کے عمل میں آنے کے بعد بھی ان کے خلاف کسی ردعمل کا اظہار نہ کریں یا ہر اہانت آمیز اقدام کے بعد معافی کے چند جملوں پر اکتفا کریں تو اسکا مطلب ہے کہ وہ خود بھی اس میں شامل ہیں خاص کر اگر یہ اہانت آمیز رویہ زنجیروں کے حلقوں کی صورت میں اپنے ماقبل سے جڑا نظر آئے تو اس میں ضرور کسی سازش کی بو پائی جاتی ہے۔

ہر ملک میں مقدسات کی اہانت کے خلاف بنیادی دستورالعمل میں تعزیرات کے عام اعلان اور اس کے سنگین نتائج کے باوجود اگر کوئی تحریر یا تجسیم وجود میں آتی ہے یا کوئی اہانت آمیز اقدام سامنے آتا ہے اور اس کے ذریعے کروڑوں لوگوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کسی بھی طرح کے عذر کو قبول نہیں کیا جاسکتا بلکہ شواہد و قرائن کی روشنی میں اس بات کے تجزیہ کی ضرورت ہے کہ اس اقدام کے پیچھے کون سے محرکات کارفرما ہیں؟ اور کون لوگ ہیں جو اس طرح کی اشتعال انگیزیاں کرا کے آسمانی مکاتب فکر کی اہانت کے درپے ہیں؟ اور ان کو اس کام سے کیا ملتا ہے؟ حال ہی میں رونما ہونے والے ان دو حادثات نے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے رونما ہوئے اپنے پہلو میں دل رکھنے والے تمام لوگوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ان دو واقعات میں اسلام کی دو معتبر بنیادوں کو نشانہ بنایا گیا ایک میں پہلے تو ''فیس بک'' کے ذریعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی اور دوسرے میں آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کی بے حرمتی کی گئی ان

دونوں شرمناک واقعات نے جہاں تمام مسلمانوں اور انسانی قدروں پر ایمان رکھنے والے تمام آزاد انسانوں کے ذہن و دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے وہیں یہ سوچنے پر بھی مجبور کیا کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کس نے کیا؟ اور اس کے پیچھے کون سے محرکات کارفرما تھے؟ کیا یہ محض چند جاہل اور لاابالی قسم کے احمقوں کا کام ہے یا اس کے پیچھے کوئی ذہنیت کار فرما ہے جو کٹھ پتلیوں کی طرح کچھ سرپھروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہے؟

اس بات میں شک نہیں کہ ایک ایسی کتاب کی توہین کرنے کے پیچھے جو لوگوں کو انسانی اقدار کے تحفظ کا درس دیتی ہے بہت ہی خطرناک عزائم پوشیدہ ہیں ہے انسانی اقدار کے تحفظ کا درس ہر آسمانی کتاب میں موجود ہے قرآن بھی اسی بات کو پیش کر رہا ہے جو پہلے کی کتابوں میں پیش کی جا چکی بس فرق یہ ہے کہ سابقہ کتابوں میں تحریف کر دی گئی لیکن الحمدللہ قرآن ہر طرح کی تحریف سے پاک و منزہ ہے۔

آج دنیا کے تمام انصاف پسند دانشوروں کے اعتراف کے مطابق قرآن ایسی کتاب ہے جو لوگوں کو ایمان، تقوی، پرہیزگاری، عدل و انصاف، ، اخوت، امن و صلح، بھائی چارگی، آپسی رواداری، حسن اخلاق حسن معاشرت ،غریبوں یتیموں اور محروموں کی حمایت، علم و دانش کے فروغ، ترقی اور برائیوں و بدعنوانیوں کے خلاف جدوجہد کی دعوت دیتی ہے اور یہ سب وہ چیزیں ہیں جو تمام الہی ادیان کے مشترکہ احکام میں شامل ہیں؛ چنانچہ جن لوگوں نے قرآن مجید کی توہین کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے صرف قرآن کی توہین نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے در حقیقت تمام انبیا اور تمام آسمانی ادیان و مذاہب کی توہین کی ہے اور توحید پر عقیدہ رکھنے والے تمام انسانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے چاہے وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق کیوں رکھتے ہوں۔

اب قرآن کریم کی توہین پر اگر یہ کہا جائے کہ یہ چند ایک نادان لوگوں کا کام تھا ہم سے اسکا کوئی مطلب نہیں تو یہ سراسر جھوٹ ہوگا کیونکہ یہ عجیب سی بات ہوگی کہ گلوبل ولیج کی نمبرداری کی دعویدار وہ امریکی انتظامیہ جو نئے نظام کے نفاذ کے بہانے دنیا میں اپنی چودھراہٹ چلانا چاہتی ہے کیا وہ مٹھی بھر انتہا پسند جنونیوں کو لگام نہیں دے سکتی کہ وہ وہائٹ ہاوس کے سامنے میڈیا کی بھرپور کوریج میں دنیا کے اربوں مسلمانوں کی توہین نہ کریں؟ ! کیا کسی کو یہ بات باور کرائی جاسکتی ہے کہ امریکی حکومت اور اس کے گرجے کے سربراہوں میں اتنی بھی سکت نہیں ہے کہ ان افراد کو قابو میں رکھ سکیں جو ان کے اپنے اقرار کے مطابق بے قدر و قیمت اور دیوانے ہیں؟

مانا کہ ان کی اس ہانت کے پیچھے کچھ خشک فکر جاہل دیوانے قسم کے لوگوں کا ہاتھ ہے لیکن ان جاہلوں اور دیوانوں کے پیچھے دنیا کو کھا جانے کی آرزو رکھنے والی طاقتوں اور ان کے صہیونی ایجنٹوں کے منصوبوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو اپنی آغوش میں ان جاہلوں کو پروان چڑھاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت انہیں استعمال کیا جاسکے

ان اہانت آمیز اقدامات کے پیچھے کارفرما کیسے ان سازشی ذہنوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے جنہوں نے ہمشیہ ہی جمہوریت اور آزادی کے لالی پاپ دے دے کر مختلف قوموں کا مختلف ادوار میں استحصال کیا ہے اور جمہوریت پسندانہ نعروں کی آڑ میں استبداد کی چولیں گاڑی ہیں ۔

لہذا ان تمام بہانوں اور عذر تراشیوں سے ماورا ہمیں سوچنا ہوگا ؟ آخر توہین کا یہ سلسلہ مسلمانوں کے ہی لئے کیوں؟ توہین کے اس زنجیری حلقہ میں قرآن اور حضور سرور کائنات ہی پر اتنا زیادہ زور کیوں ہے؟ بار بار قرآن کو جلانے کی بات کیوں ہوتی ہے؟ بار بار قرآنی آیات کا مذاق کیوں اڑایا جاتا ہے؟

کیا توہین کرنے والوں کو نہیں معلوم کہ قرآن کا تعلق کروڑوں لوگوں کے جذبات سے ہے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ قرآن جناب موسی وعیسی وابراہیم علیھم السلام اور جناب مریم کو مقدس ہستیوں کے عنوان سے پیش کرتا ہے؟ کیا انہیں نہیں معلوم کہ قرآن کی توہین سے اگر مسلمانوں کے صبر کا دامن چھوٹ گیا تو ایک خطرناک جنگ کے شعلہ بھڑک سکتے ہیں؟ پھر کیوں بار بار یہی عمل دہرایا جارہا ہے اس عمل سے مغرب کو کیا حاصل ہورہا ہے؟

بار بار اس عمل کی تکرار سے وہ مسلمانوں کو کیا باور کرانا چاہتے ہیں ان تمام سوالوں کے جواب سے پہلے ہمیں سنجیدگی کے ساتھ یہ دیکھنا ہوگا کہ توہین کسے کہتے ہیں اور اس کا اطلاق کہاں کہاں ہوتا ہے

توہین کیا ہے؟

اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ توہین کسی بھی انداز یا کسی بھی قسم کی کیوں نہ ہو، بین الاقوامی برادری میں اسے ایک سنگین جرم شمار کیا جاتا ہے۔ یہ جرم اس لئے بھی اپنے مختلف زاویوں سے قابل غور ہے کہ ایک طرف تو اس کی وجہ سے فرد، اجتماع، یا قوم کی دل آزاری ہوتی ہے تو دوسری طرف اس کے ردعمل کی صورت میں توڑ پھوڑ، فساد وخونریزی کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔ قضائی نقطۂ نظر سے توہین سے مراد ایک ایسا اقدام ہے جو زبان کے علاوہ تحریر، تجسیم یا تصویر کے ذریعے کسی فرد یا معاشرے کے احساسات پر چوٹ پہنچنے کا باعث بنے۔ توہین کسی بھی عنوان سے کسی کی بھی کیوں نہ ہو، مہذب انسان کی نگاہ میں مذموم وقبیح ہونے کے ساتھ ساتھ عدلیہ کی نظر میں ایک ایسا جرم ہے جو مختلف اقوام کے قضائی اداروں میں الگ الگ تعزیرات کی حامل ہے۔ جب ایک فرد کی اہانت محکمۂ عدالت میں ایک جرم حساب ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ مقدسات کی اہانت تو اور بھی بڑا جرم ہے کیونکہ مقدسات کا تعلق فرد سے نہیں ہے بلکہ اس کے ریشے مذہبی عقائد اور جذبات میں پائے جاتے ہیں چنانچہ حقوق بشر کے ۵۵/ویں اجلاس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ کسی بھی مذہب کی توہین ایک جرم ہے اور اس قرارداد کے بموجب تمام ممالک تک یہ بات

ابلاغ کی گئی کہ کسی بھی ملک کو کسی بھی مذہب کے مقدسات کی اہانت کی اجازت نہیں ہے۔(۲)

علاوہ ازایں عالمی عدالت انصاف کے مختلف تبصروں میں جہاں مقدسات کو محترم جانا گیا ہے وہیں بین الاقوامی رواجوں کو بھی Evdeng of genrel pratice کا درجہ دینے کے ساتھ ساتھ عالمی عدالت انصاف کے آرٹکل ۳۸/ کے تحت محترم جانا گیا ہے۔(۳) جب بین الاقوامی رواجوں کو عالمی عدالت انصاف کے آرٹکل ۳۸/ کے تحت ثبت کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بعض مقدسات کو نہ بھی مانے پھر بھی وہ اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ بین الاقوامی رواجوں کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ''میرا منصف وہی میرا قاتل وہی'' کے پیش نظر ممکن ہے اسلام سے مربوط بعض چیزوں کو دور حجر سے تعبیر کرتے ہوئے انہیں بین الاقوامی رواجوں میں ہی نہ شمار کیا جائے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپکا حسن کرشمہ ساز کرے

اظہار آزادی اور صحافت

مغرب کا یہ پرانا شیوہ رہا ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کر ڈالتے ہیں اور جب مسلمان اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کام تو آپ بھی کر سکتے تھے آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ مثلاً وہ مسلمانوں کے مقدسات کی توہین کرتے ہیں اور جب مسلمان ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اظہار آزادی صحافت کا مسلمہ اصول ہے۔ اگر آپ کو کچھ کہنا ہے تو آپ بھی کہیں اور ہم آپ کے بیانات کا بھی استقبال کریں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اسلامؐ کی شان مبارک میں متنازع خاکے شائع ہوئے تو ڈنمارک کے سرکاری وکیل نے توہین آمیز خاکے اور آرٹکل شائع کرنے والے اخبار کے خلاف جاری مقدمے کو مسترد کرتے ہوئے اخبار کے حق میں فیصلہ دیا(۴) اور جب امام رائد الہلال نے کہا کہ مسلمانوں کے لئے ایسی جمہوریت کے کوئی معنی نہیں اور مسلمان اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تو اس اخبار کے مدیر نے جواب دیا: ''ہم جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں اور طنز و مزاح ہمارے ملک میں برداشت کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں خاکے بنانے پر کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔ آزادی اظہار کی راہ میں مذہبی رکاوٹیں نہیں کھڑی کرنی چاہئیں۔''(۵) جبکہ خود آزاد صحافت میں یہ بات قابل قبول نہیں کہ دوسرے مذاہب کے مقدسات کی توہین کی جائے چنانچہ انگریزی روزنامے ''ہندو'' کے ایڈیٹر جناب این.رام کہتے ہیں: '' کارٹونوں کی اشاعت شرانگیزی ہے۔ آزادی اظہار ایک مسلمہ امر ہے لیکن اس کے ساتھ ہی صحافت پر ایک سماجی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔''(۶) اور ایسا بھی نہیں ہے کہ خود انکے

یہاں حقیقت میں اتنی آزادی ہو جس قدر وہ شور مچاتے ہیں اور اظہار نظر پر کوئی پابندی نہ ہو۔ خود امریکا میں الکٹرانک حد بندی کا قانون موجود ہے جسے Electronic Frontier کے نام سے جانا جاتا ہے۔(۷) حتی امریکا کی عدلیہ کے حکم کے بموجب وہ عمومی کتابخانے جو انٹرنیٹ سے متصل ہیں، ان سب کو فلٹر سے گزارا جانا ضروری ہے (۸) اور ابھی بھی اظہار نظر سے متعلق مختلف فائلیں شنوائی کے لئے عدالت میں پڑی ہیں (۹) حتی آسٹریلیا جیسے ملک میں بھی Australia,S New Internet Cencorship Regime اور Media Law کے نام سے قانون موجود ہے۔(۱۰) اسکے علاوہ دیگر مغربی ممالک میں اس طرح کے قوانین موجود ہیں جن کے بموجب خبروں یا دیگر اشاعتی مواد کی کاٹ چھانٹ کی جاسکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔(۱۱) چنانچہ اپریل ۲۰۰۳ء میں ڈنمارک کے ایک کارٹونسٹ ''کرسٹوفرز یلر'' نے اسی اخبار (جیلونڈس پوسٹن) کے لئے حضرت عیسیٰؑ کے کارٹون بنانے کی پیشکش کی تھی، جس پر اخبار کے مدیر نے جواب دیا تھا: ''میرا خیال نہیں ہے کہ لینڈس پوسٹن پڑھنے والے افراد کسی ایسی ڈرائنگ سے لطف اندوز ہوں گے بلکہ میرا اندازہ ہے کہ ایسی اشاعت سے سخت ردعمل بھی سامنے آسکتا ہے اس بنا پر میں ایسے کارٹون کو شائع نہیں کرسکتا۔''(۱۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی صحافت کا نعرہ مغرب نے صرف اس لئے دیا کہ بوقت ضرورت اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں۔ ہر کام کے پیچھے ان کے معین اہداف ہوتے ہیں۔ اپنے اہداف تک پہنچنے کے لئے ''میکیاولی تفکر'' کے تحت انہیں جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے اسے انجام دیتے ہیں۔

یک بام و دو ہوا

آزادی صحافت محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔ ایک ایسا نعرہ ہے جسکے ذریعے اسلام دشمن عناصر صرف اسلام کے خلاف زہر اگل کر اپنے ناپاک عزائم تک پہنچنا چاہتے ہیں ورنہ حقیقت میں صحافت کے اصولوں کی جس قدر دھجیاں مغرب نے اڑائی ہیں اس سے ہر خاص و عام واقف ہے۔

ہولوکاسٹ کے ہی معاملے کو دیکھ لیں کہ اگر ہولوکاسٹ کے سلسلے میں کسی زبان یا قلم کو جنبش ہو تو آزادی صحافت کا دم بھرنے والے کس طرح دنیا سر پر اٹھا لیتے ہیں، چند نمونے ملاحظہ ہوں:

ابھی حال ہی میں بیس برس قبل نازیوں کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ یہودیوں کے قتل عام کی کہانی کو بے بنیاد قرار دینے والے برطانوی مورخ ''ڈیوڈ اورینگ'' کو ۲۰۰۵ء میں سولہ سال پرانے کیس میں گرفتار کرلیا گیا اور آسٹریلیا کی عدالت نے تین سال کی سزا سنائی جبکہ اس سے قبل ''ڈیوڈ اورینگ'' پر برطانیہ میں یہودیوں کی جانب

سے ہرجانے کے دعوے پر اسے ادا نہ کرنے پر لندن شہر کے مرکز میں ان کے انتہائی قیمتی گھر کو نیلام کر دیا گیا۔(۱۳)

بیلجیم میں ہولوکاسٹ کے سلسلے میں قلم اٹھانے والے ''سیک فرائڈ'' نامی مصنف کو ہالینڈ کی حکومت نے گرفتار کرلیا اور وہ بیچارہ آج بھی جرمنی کی عدالت میں اپنے فیصلے کا انتظار کر رہا ہے۔(۱۴)

۱۹ر ستمبر ۲۰۰۵ء کو بیلجیم ہی کے ایک اور قلم کار ''ڈینسٹ ریونارڈ'' کے گھر پلیس نے گھس کر توڑ پھوڑ کی اور کہا کہ اسے صرف اسی وقت رہا کیا جائے گا جب وہ پاگلوں کے ڈاکٹروں سے اپنا معائنہ کرائے۔(۱۵)

کینیڈا میں ''میلکم روس''، ''ڈوک گولز'' اور ''آرینسٹ زنڈل'' کو بھی اسی لئے عدالت میں لا کھڑا کیا گیا کہ انہوں نے ہولوکاسٹ کے سلسلے میں حقیقت جاننی چاہی تھی اور نہ صرف عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا بلکہ معاشرے میں نفرت پھیلانے کا الزام عائد کر کے انکی جائداد ضبط کر لی گئی اور انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔(۱۶)

ہولوکاسٹ کے سلسلے میں مغرب کا جو رویہ رہا ہے، یہ اس کے چند ایک ہی نمونے تھے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب میں آزادی صحافت کی عملی صورتحال کیا ہے کہ ایک طرف تو وہ ہولوکاسٹ کے بارے میں قلم اٹھانے والے افراد کے ساتھ سخت ترین ردعمل کا اظہار کرتے ہیں وہیں خود اپنے ہی ہاتھوں آزادی صحافت کا گلا گھونٹ کر خود کو میدان صحافت کا سورما گردانتے ہیں۔ خود اسی ''یالند پوسٹن'' کے کلچرل ایڈیٹر ''فلیمنگ روز'' کو متنازع خاکے شائع ہونے کے بعد انکے اس اعلان پر کہ اگر ایرانیوں کی طرف سے یہودیوں کی نسل کشی کے سلسلے میں بھی کارٹون ہمیں موصول ہوئے تو ہم انہیں شائع کریں گے، بیچارے کو اخبار کی انتظامیہ نے ایسی چھٹی پر بھیجا کہ نہیں معلوم ابھی تک واپس پلٹے یا نہیں؟!(۱۷)

اپنے ان اقدامات سے مغرب نے واضح لفظوں میں یہ اعلان کر دیا کہ موجودہ صحافت کا نظام ان صہیونی آقاؤں کی جنبش لب وابرو کا منتظر ہے جن کے اشاروں پر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کر کے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکی جارہی ہے۔

دنیا بھر میں عالمی پیمانہ پر خبریں اور اطلاعات فراہم کرانے والے بڑے مراکز پر اگر نظر ڈالی جائے تو ہر جگہ صہیونیت کے جمے ہوئے پیر ضرور نظر آئیں گے چنانچہ دنیا میں اگر میڈیا کے آقاؤں پر نظر ڈالیں تو وہ کچھ یوں ہیں۔

دنیا کو خبریں اور اطلاعات فراہم کرنے والے مراکز۔

۱۔ایسوسی ایٹڈ پریس {Associated press(A.P)}

۲۔یونائٹڈ پریس {United press international.U.PI}

۳۔رائٹر { Reuiter r.t

۴۔فرانس پرس A.F.P [FRANCE PRESS AGENCY}

جرمن خبر رساں ایجنسی۔ D.P.A{Dutch press agency}

تاس خبر رساں ایجنسی TASS}

ٹانیوگ خبر رساں ایجنسی Taniug}

یہ تمام ادارے یا تو خود صہیونی طرز فکر رکھتے ہیں یا صہیونی لابیوں کے زیر نظر اپنا کام انجام دے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر ہلوکاسٹ جیسے مسئلہ پر کوئی بات ہوتی ہے تو یہ آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ آخر یہ لوگ اس معاملے میں اس قدر حساس کیوں ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ہولوکاسٹ کے مسئلہ کو انہوں نے غیر قابل انکار حد تک اہم بنا دیا ہے۔اس مسئلہ کے بارے میں جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی جہاں بہت ساری وجوہات ہیں وہیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ یورپ میں اپنی مظلوم نمائی کر کے اپنے خلاف عیسائیوں کی اس ذہنیت کو بدلنا چاہتے ہیں جو انکے بارے میں عموماً پائی جاتی ہے وہ ذہنیت کیا ہے اسے وہی شخص بیان کر سکتا ہے جو انکے نفسیات سے واقف ہو، چنانچہ معروف مصنف ''روژہ گارودی'' جو پہلے عیسائی تھے یہودیوں کے بارے میں عیسائیوں کی ذہنیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یورپ کے لوگ انکے بعض خصائل کی بنا پر انہیں منفی نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے ان کی نظر میں یہودی پست اور ان کے اقتصاد کو برباد کرنے والے لوگ تھے یہ ایسے دشمن تھے جنہوں نے عیسائیوں کے اقتصاد کو خاک میں ملا دیا اور ان کی معیشت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ''(۱۸)

صرف اتنا ہی نہیں اگر ''ڈاکٹر بابر اعوان'' کی تحقیق کو تسلیم کیا جائے تو آج سے پچاس سال قبل تک خود امریکہ میں یہودیوں کو ترچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں:''صرف پچاس سال پہلے تک جنوبی امریکا کی کئی ریاستوں میں کالوں کے ساتھ یہودیوں پر بھی یہ پابندی تھی کہ وہ گوروں کے کلبوں اور ہوٹلوں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے ہارورڈ یونیورسٹی کے بعض اہم شعبوں میں یہودیوں کے لیے محدود کوٹا تھا۔آج ہمیں یہودیوں اور مسیحیوں کے مابین جو محبت دکھائی دیتی ہے اس کی تاریخ چالیس پچاس سال سے زیادہ نہیں۔اس سے پہلے کسی معروف دانشور کے ہاں ہمیں یہودی مسیحی تہذیب (Judeo-Christian Civilization) کا تصور نہیں ملتا۔ (۱۹)

یہ بات عیسائی اسکالرس اور دانشوروں کے یہودیوں کے سلسلہ میں نظریات سے بھی درست معلوم پڑتی ہے کہ ممکن ہے ایسا ہی رہا ہو چنانچہ معروف عیسائی فرانسیسی اسکالر ''گوستاولوبون'' یہودیوں کی نفسیات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

''اگر ہم یہودیوں کے صفات وخصائل کو بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہودی ان انسانوں کی مانند ہیں جو تازہ تازہ جنگل سے آزاد ہو کر شہر میں آتے ہیں جو انسانی صفات سے بے بہرہ ہوتے ہیں کیونکہ یہودی کرہ ارض پر سب سے پست ترین لوگ ہیں، بنی اسرائیل کے لوگ ہمیشہ سے وحشی، سفاک قسی القلب اور بے غیرت رہے ہیں، یہاں تک کہ جس زمانہ میں وہ اپنی زمینوں پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی اپنی درندگی وشقاوت سے دست بردار نہیں تھے یہ لوگ بغیر کسی دلیل ومنطق کے جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے اور جب جنگ میں ان کو شکست ہوتی تو خیالات پر مبنی اور انسانیت سے دور عزائم کی پناہ لیتے تھے'' (۲۰) ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یورپ میں یہودیوں کے سلسلہ میں کیا تصور پایا جاتا تھا لہذا یہ بات قرین قیاس لگتی ہے کہ مسلمانوں سے اپنی دیرینہ دشمنی کے چلتے یہودیوں نے اپنے بارے میں اس منفی نظریے کو ختم کرنے اور عیسائیوں کی ہم دردی حاصل کرنے کے لئے ہلوکاسٹ کے افسانے کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہو۔

ہلوکاسٹ کا افسانہ جیسے بھی پیش ہوا لیکن صہیونی محافل نے ذرائع ابلاغ کا بھرپور استفادہ کرتے ہوئے ہلوکاسٹ کے جھوٹ پر اتنا شور مچایا کہ بھولے بھالے لوگ اسے سچ سمجھ بیٹھے۔ یہاں پر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ جب یہ گنے چنے چند لوگ اپنی کرتوتوں کی بنیاد پر ہر جگہ نفرت کی نظر سے دیکھے جا رہے تھے تو کیوں کر ایک جھوٹ کو عام کرنے میں کامیاب ہو گئے ان کے پاس اتنا پیسہ اور سرمایہ کہاں سے آ گیا کہ ہر طرف سے ہلوکاسٹ ہلوکاسٹ کی فریادیں آنے لگیں اور انہوں نے ہلوکاسٹ کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کو پیسہ کے زور پر دنیا میں پھیلنے کا موقع ہی نہ دیا اور میڈیا کی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے جو چاہا کیا۔

جب ہم اس بات کا جواب ڈھونڈھتے ہیں تو عجیب وغریب حیرت انگیز اسرار کا انکشاف ہوتا ہے۔ اگر چہ صیہونیوں کے پاس پیسے اور دولت کی کمی نہیں ہے اور دنیا کا اقتصاد ان کے سرمایہ پر گھوم رہا ہے، اس میں بھی کوئی مبالغہ نہیں، اگر وہ اپنے پیسے اور اثر ورسوخ کو ہی کام میں لے آئیں تو بھی سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں لیکن ہولوکاسٹ پر صرف ہونے کا اکثر سرمایہ وہ ہے جسے انہوں نے اپنی نیرنگیوں سے اپنی جیب میں ڈال کر اپنے اہداف کی تکمیل میں خرچ کیا ہے۔ یہ رپورٹ ہمیں دیکھ کر کوئی زیادہ تعجب نہیں ہوا کہ ممکن ہے اس سے زیادہ اور بھی ایسے موارد ہوں کہ جن سے دنیا بے خبر ہے۔

حلوائی کی دکان پر دادا کا فاتحہ

دراصل ایک فرانسوی نواب کے بیٹے Smith son کی بے حساب دولت اور اس کی جائداد سے

واشنگٹن میں بہت سارے عجائب گھر بنے جنمیں ڈائناسور کے ڈھانچوں کا میوزیم، دنیا کے پہلے جہاز سے خلائی سفر کا میوزیم اور دیگر قیمتی پینٹنگز کا میوزیم؛ یہ سب اس نواب زادے کی ملکیت ہیں جن پر اس کے مرنے کے بعد یہودیوں نے قبضہ کرلیا اور ظاہر ہے کہ آج کل نوادرات کی جتنی قیمت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انکے ہاتھ جب اس نواب زادے کی بے پناہ دولت لگی تو انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جنگ عظیم میں مرنے والے یہودیوں کی یادگار کے طور پر ایک ہولوکاسٹ میوزیم بنایا جس کا خرچ بھی دیگر نوادر کے میوزیم کی نمائش سے آنے والے سرمائے سے دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس ہولوکاسٹ میوزیم کے تیار ہوتے ہی اس سلسلے میں پروپیگنڈہ شروع کردیا اور ساٹھ لاکھ یہودیوں کے قتل کا افسانہ بنایا اور پھر شروع ہوگیا بالکل ماہرانہ طور پر ایک افسانے کو حقیقت کا رنگ دینے کا شاطرانہ کھیل۔ اب کیا تھا بے حساب دولت تو ہاتھ آ ہی گئی تھی، انہوں نے سوچا اسے کام میں لایا جائے۔ اب ہر طرف ہولوکاسٹ نظر آنے لگا۔ مکالمے لکھے جانے لگے، کہانیاں لکھی جانے لگیں، دستاویزی فلمیں اور ڈاکومنٹریز بننے لگیں، فلمیں بننے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف ہولوکاسٹ کا شہرہ ہوگیا۔(۲۱)

یہ مغرب کی دوغلی پالیسی ہے کہ جب ہلوکاسٹ جیسے افسانہ پر کوئی انگلی اٹھاتا ہے یا اس کے بارے میں تحقیق کی بات کرتا ہے تو اس پر صحافت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی تعزیرات لگا دی جاتی ہیں لیکن جب صحافت ہی کے میدان میں اسلامی مقدسات کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو اسے آزادی صحافت کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف بولنے والوں کو آزادی صحافت کا دشمن کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے طویل المدت ہدف تک پہنچنے کے لئے توہین مقدسات کو وسیلہ بنا کر ایک ہی وقت میں متعدد اطوار اپناتے ہیں تا کہ کوئی انکی اس خطرناک چال کو نہ سمجھ پائے اور کوئی ان سے پردہ نہ اٹھا پائے کہ ان مقدسات کی اہانت کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ اور حقیقت میں ہوتا بھی یہی ہے کہ مسلمان اگر اپنے اسلامی مقدسات کی توہین کا جائزہ لیں تو نظر آئے گا کہ بیک وقت کئی کئی علاقوں میں مختلف رنگ ونسل کے افراد کو آلۂ کار بنا کر یہ کام لیا گیا ہے۔ ایسی صورتحال میں عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب بھی کوئی توہین ہوتی ہے تو مسلمان شور شرابہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ دن بعد پھر توہین ہوجاتی ہے اور پھر مظاہروں اور توڑ پھوڑ کے ذریعہ مسلمان اپنے غم وغصہ کا اظہار کر کے چپ بیٹھ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جبکہ اپنے جذبات اور غم وغصہ کے اظہار کے ساتھ ساتھ اگر مسلمان کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب دیں جس سے آئندہ ایسے اقدامات کو روکا جاسکے تو یہ بات زیادہ موثر ثابت ہوسکتی ہے لیکن لائحہ عمل کی ترتیب تو اسی وقت ہوسکتی ہے جب ہم یہ جانیں

مقدسات کی توہین پر ایک اجمالی نظر

اگر چہ اہانت مقدسات کی تاریخ بہت پرانی ہے اور اگر صرف فہرست کے طور پر ہی ان اہانتوں کے سلسلے کو بیان کیا جائے تو اسی کے لئے چند سو صفحے درکار ہیں۔

ہم یہاں پر ان چند مقدسات کی اہانت کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں جو اپنی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے عالمی احتجاج کا باعث بنیں۔

سلطان نورالدین زنگی کے عہد میں یہودیوں نے عیسائیوں کی مدد سے نبی اکرمؐ کے روضہ کو خراب کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔(۲۲)

جب فلسطین پر یہودیوں نے قبضہ کیا تو مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر منبر کو جلا دیا اور مسجد کی بنیادوں کو کمزور کرنے کے لئے سرنگیں کھود دیں۔(۲۳)

مصر میں ''ولیمۃ لاعشاب البحر'' (دریائی گھاسوں کی ایک ضیافت کے نام سے) چھپنے والی کتاب میں پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخی کی گئی۔(۲۴)

۱۹۸۸ء میں سلمان رشدی نے ''شیطانی آیات'' نامی کتاب تالیف کر کے نہ صرف قرآن کا مذاق اڑایا بلکہ پیغمبر رحمتؐ کی شان مبارک میں بھی ایسی گستاخی کی کہ زبان وقلم بیان سے عاجز ہیں اور برطانیہ نے اس کے گرد حفاظتی حصار قائم کر کے مسلمانوں کا اور بھی زیادہ مذاق اڑایا۔(۲۵)

۱۹۹۳ء میں تسلیمہ نسرین نے ''شرم'' نامی کتاب لکھ کر ایک بار پھر مقدسات کا مذاق اڑایا اور صہیونی اداروں نے اسے راتوں رات شہرت کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچا دیا۔

شرم نامی کتاب سلمان رشدی کی کتاب کے ٹھیک پانچ سال کے بعد لکھی گئی۔ ادھر مسلمان اس توہین پر احتجاج کر رہے تھے ادھر توہین آمیز اقدام کرنے والی تسلیمہ نسرین کو تحفہ وتحائف دے کر مسلمانوں کا منہ چڑایا جا رہا تھا حتی اس وقت اتریش کے صدر اعظم نے مہمان خصوصی کے طور پر اسے اپنے حضور قبول کیا۔ فرانس کے صدر جمہوریہ نے بھی اس کی خوب آؤ بھگت کی اور حد تو یہ ہوگئی کہ یورپ کی پارلیمنٹ نے اسے پاداش میں سپاسنامہ پیش کیا۔(۲۶)

اس کے بعد نوعیت اور شہرت کے اعتبار سے چھوٹی موٹی توہین ہوتی رہی اور کسی بڑے توہین آمیز اقدام میں ذرا وقفہ رہا پھر اچانک ''ابزو ماذل'' نامی خاتون نے نائجیریا کے ایک روزنامے This day میں ملکۂ حسن کے انتخاب کے بہانے پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخی کی جس کے نتیجے میں قریب ۲۰۰ لوگ مارے گئے اور ۶۰۰ زخمی

ہوئے۔(۲۷) اسی نائجیریا میں ہونے والی توہین کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے پیچھے مغرب کے کیا اہداف تھے۔ جب مبصرین نے اس کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ ملکۂ حسن کے انتخاب کے سلسلے میں ہونے والی تقریب سے مسلمانوں کو اختلاف تھا لہٰذا ایک روزنامے نے سفارشی طور پر توہین آمیز مقالہ شائع کیا تاکہ مسلمانوں کا دھیان اس تقریب سے ہٹا کر دوسری طرف منتقل کیا جاسکے اور یہ دکھایا جائے کہ یہ وحشی درندے ہیں اور انہیں نام نہاد متمدن رسومات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے اس مذموم اقدام کے سلسلے میں اس قدر سرعت عمل اور باریک بینی سے کام لیا گیا کہ جب اس اہانت آمیز اقدام کے خلاف پورے نائجیریا میں فساد پھوٹ پڑے۔ انہیں فسادات کے بیچ کچھ نامعلوم عناصر نے کلیساؤں میں آگ لگا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے نائجیریا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک خانہ جنگی شروع ہوگئی اور اس کے بعد ''کادونا'' نامی شہر میں کئی مساجد کو نذر آتش کر دیا گیا۔ جب یہ سب دیکھ کر لوگوں کا اشتعال اور بڑھا اور انہوں نے توہین آمیز مقالہ تحریر کرنے والی مصنفہ کا رخ کیا تو انہیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ وہ اچانک غائب ہوگئی تھی۔ آسمان نے اسے اچک لیا یا زمین نگل گئی کسی کو کوئی خبر نہیں۔ مسلمانوں کی جھنجھلاہٹ کی انتہا نہ رہی جہاں بھی اسے ڈھونڈھنے کی کوشش کی ناکام رہے اور جب معاملہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو معجزاتی طور پر بی بی سی نے اس کا انٹرویو شائع کیا (۲۸) جس سے معلوم ہوا کہ توہین کرنے والا کوئی بھی ہو مغربی سیاست یہ رہی ہے کہ ہر توہین آمیز اقدام کرنے والے کو اس قدر تحفظ فراہم کر دو کہ کوئی بھی شہرت اور پیسے کا پجاری اگر اپنے ضمیر کو بیچنے کے بعد اسلام کے خلاف کچھ زہر اگلے تو اسے اس بات کا خوف نہ رہے کہ ردعمل کی صورت میں اس کا کیا ہوگا؟۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اقدام کے بعد پیدا ہونے والے حالات اور ممکنہ خطرات کا دل میں خیال لاکر اپنے مذموم ارادے سے پیچھے ہٹ جائے۔ چاہے سلمان رشدی کا مسئلہ ہو یا تسلیمہ نسرین یا نائجیریا کی مصنفہ کا، اگر دیکھا جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ ان تینوں کے گرد تحفظ کا حصار کھینچ کر مغرب نے کھلے عام جہاں مسلمانوں کا منہ چڑھایا ہے وہیں تمام اسلامی مقدسات سے کینہ رکھنے والے شہرت اور پیسے کے بھوکے افراد کو دعوت عام دی کہ تم اپنا اقدام کرو تمہارا کوئی کچھ نہیں کرسکتا، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

جب نائجیریا کا مسئلہ دھیرے دھیرے ٹھنڈا ہوا تو امریکا میں ''جری فالول'' نامی پروٹسٹنٹوں کے پادری نے پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت کو ایک جنگ جو یا نہ مزاج رکھنے والے انسان کے طور پر پیش کرنے کے علاوہ اسلام کو ایک خونریز مکتب کے طور پر پیش کیا اور ایک بار پھر عالم اسلام نے اپنے پرانے شیوے یعنی توڑ پھوڑ اور مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا، کچھ ہی دنوں کے بعد سارا جوش و جذبہ فروکش ہوگیا اور سب پہلے کی طرح معمولی حالت پر آگئے۔(۲۹)

پھر کچھ وقفے کے بعد امریکا کے ''فلوریڈا'' صوبے میں ''جیسکو نیزول'' نامی کلیسا کے سامنے ایک بینر لگایا

گیا جس میں پیغمبر اسلامؐ کو خطاب کر کے ''قاتل'' لکھا گیا۔(۳۰)

امریکا کے سابقہ صدارت کے امیدوار ''رابرٹ سن'' (جس کے مختلف پروگرام ۱۷۱ زبانوں میں ۱۸۰ ممالک میں نشر ہوتے ہیں) نے مسلمانوں کو نازیوں سے بدتر کہہ کر انکا مذاق اڑایا۔(۳۱)

وائٹ ہاؤس کی سائٹ نے ۲۰۰۲ء میں قرآن کو دہشت گردوں کی مقدس کتاب کا نام دے کر مسلمانوں کی دل آزاری کی۔(۳۲)

گوٹانامو میں قرآن کو بیت الخلاء میں بہا کر مسلمانوں کے احساسات کو چوٹ پہنچائی گئی۔جس کے بعد بھڑکنے والے فسادات میں دس سے زیادہ لوگ صرف افغانستان میں مارے گئے۔(۳۳)

دو تین سال قبل ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے ایک رکن (Geertwinders) نے نیٹ پر نشر ہونے والی فتنہ {Fitna} نامی فلم بنائی جو ۲۷ مارچ ۲۰۰۸ء ہالینڈ میں انگریزی اور ہالینڈی زبان میں نیٹ کے ذریعہ منظر عام پر آئی۔

جبکہ فلم کے منظر عام پر آنے سے پہلے مسلمانوں نے ۲۲ مارچ کو یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ وہ پہلے فلم کو دیکھیں گے اور اس میں موجود غیر قانونی چیزوں پر گفتگو کریں گے اور { Wilderes} اپنے حامیوں کے ساتھ اس گفتگو میں شریک ہوں تا کہ مسائل کو گفتگو کے ذریعہ حل کیا جا سکے لیکن { Wilderes} کی جانب سے اس تجویز کو ٹھکرا دیا گیا۔(۳۴)

فیس بک نے ایک بار پھر اپنی خباثت کا ثبوت دیتے ہوئے توہین قرآن کر دی اور ایک نیا پیج "Everyone can burn Quran" بنا ڈالا جس میں دنیا بھر کے لوگوں کو دعوت دی گئی کہ وہ قرآن پاک کو جلائیں۔(۳۵)

ناروے کے روزنامے ڈاگبلادت (Dagbladet) نیز اس ملک کی پلیس کی ویب سائٹ (PST) نے ۳ فروری (2010 کے روز ایک توہین آمیز خاکہ شائع کر کے) معاذ اللہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کیا، یہ خاکہ روسی نژاد یہودی عورت ٹیٹیانا ساسکین Tatiana Soskin نے کھینچا ہے۔ یہ عورت روس سے مقبوضہ فلسطین کے علاقے "مغربی پٹی" میں آ بسی ہے۔اس عورت نے یہ خاکہ 28 سال کی عمر میں 1997 میں کھینچا تھا۔(۳۶)

امریکہ میں بعض انتہا پسندوں کے ہاتھوں قرآن کریم کو نذر آتش کئے جانے کے گھناؤنے اقدام کے بعد صہیونی ریاست کی ایماء پر مقبوضہ فلسطین کے شہر بیت لحم میں مسجد الانبیا کو نذر آتش کر کے وہاں موجود قرآن کریم

کے نسخوں کو آگ لگا دی گئی۔اس کے بعد فرانس کے شہر اسٹریسبرگ میں ایک انتہا پسند فرانسیسی شہری نے ایک ویڈیو شائع کی جس میں قرآن کریم کو پارہ پارہ اور پھر اسے نذر آتش کئے جانے کے گھناؤنے مناظر دکھائے گئے ہیں۔ اس ایک گھنٹے کی ویڈیو فلم میں ایک شخص چہرے پر شیطانی نقاب ڈالے ہوئے ہے جو پہلے قران کریم کے اوراق کو پھاڑتا ہے پھر انہیں نذر آتش کرتا ہے۔(۳۷)

یہ چند وہ نمونے تھے جنہیں ہم نے مختصر طور پر پیش کیا ہے اگر چہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صرف توہین آمیز اقدامات کی فہرست بھی گنائی جائے تو اس کے لئے کئی سو صفحے درکار ہوں گے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس قدر معاندانہ رویہ کو دیکھ کر انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ممتاز نومسلم اسکالر محمد اسد اپنی کتاب ''دی روٹ ٹو مکہ'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: ''صلیبی جنگوں سے پہلے کی صدی اور پھر صلیبی جنگیں مغربی تہذیب اور اس کے ماننے والوں کے حافظے میں اس طرح موجود ہیں جس طرح ایک انسان کے بچوں کی یادیں، تعصّبات، ہمدردیاں اور مخالفتیں جو ساری زندگی رہتی ہیں اور وہ ان سے وہ چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔''(۳۸)

چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''آج اسلام کے خلاف اس طرح کی غلط سماجی ذہنیت پھیلائی جا رہی ہے جسے صلیبی جنگ کے دوران وجود میں لایا گیا تھا۔

صلیبی جنگ! میرے دوستو! جسکا اعلان کیا جا چکا ہے۔آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ جو جنگ اب سے ہزار سال پہلے لڑی گئی تھی، اس کا اثر آج کی بیسویں صدی کے افراد پر اب بھی کس طرح باقی ہے؟

لیکن یہ حقیقت ہے!.....یہ صدی جو بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔اس لئے اچانک اس صدی کے آخر میں صلیبی جنگ کو لوگوں کے درمیان دوبارہ ظاہر کر دیا گیا ہے جسے ہم مسیحی تمدن کی صدی کا نام دے سکتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح جس طرح صلیبی جنگ کے بعد انکا تمدن دنیا میں وجود میں آیا۔(۳۹)

مغرب کا یہ معاندانہ رویہ اتنی جلدی نہیں بدلا جا سکتا اور جب تک انکے ذہن و دل و دماغ میں نفرت کے شعلے بھڑکتے رہیں گے تب تک یہی کچھ ہوتا رہے گا اور درحقیقت یہ استکبار اور عالمی سامراج ہے جو اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتا اسی لئے ایسے اقدامات کرتا ہے جن سے مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہو۔اس معاندانہ رویے کے جہاں دیگر عوامل ہیں وہیں ایک وجہ اسلام کا تیزی کے ساتھ مغرب میں پھیلنا ہے۔استکبار کی لاکھ کوششوں کے باوجود اسلام تیزی کے ساتھ یورپ اور مغربی ممالک میں مقبول ہو رہا ہے مغرب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سکولریزم اور اومانیزم کی آندھیوں کے درمیان بھی دین کا دیا روشن رہ سکتا ہے اور مغربی آئیڈیالوجی کو مات دے کر

الٰہی تصور کائنات دنیا میں زندگی کے ہر شعبہ میں چھا سکتا ہے قرون وسطی میں کلیسا کے دوران اقتدار پیدا ہونے والی گھٹن کے نتیجہ میں یہ تو کبھی سوچا ہی نہ گیا تھا کہ وہ دین جسے افیون کا نام دیا گیا تھا کبھی زندگی اور بقا کا ضامن بن کر ابھرے گا اور سیاست، معیشت، عمرانیات، فرہنگ، ثقافت، حقوق، ہر ایک رخ حیات میں اس کی ضرورت کو محسوس کیا جائے گا ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد عالمی سامراج نے لوگوں کو دین سے دور کرنے کے لئے جو بھی چال چلی اسے منھ کی کھانی پڑی وہ پینترے بدل بدل کر چالیں چلتا رہا لیکن ہر چال کے بدلہ میں اسے اپنی ناکامی اور دین کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نظر آئی۔ عالمی سامراج کو اسلام سے سب سے زیادہ بوکھلاہٹ اس لئے ہوئی کہ عمومی طور پر دین کے تعلیمات کو اس نے جہاں بھی مسخ کر کے پیش کیا وہاں خال خال اگر اسے اپنی سیاست میں کامیابی مل بھی گئی لیکن اسلام کے خلاف اپنائے گئے سارے ہتھکنڈے ناکام ہوتے نظر آئے اس کی ایک وجہ اسلام کی جامعیت ہوسکتی ہے کہ تمام سابقہ ادیان میں نہ تو کسی دین کے اندر اتنی جامعیت تھی جتنا اسلام نے ایک جامع نظام زندگی پیش کیا اور نہ ہی کسی دین کے پاس قرآن جیسی کتاب تھی جسکی تعلیمات کی روشنی میں ہر وقت اور ہر دور کی ضرورت کا حل ڈھونڈھا جا سکتا ہو جب وہ نہ اسلام کے تعلیمات کو مسخ کر سکے نہ ہی قرآن میں اپنے منشا کے مطابق کوئی تبدیلی لا سکے تو اب انہوں نے اسلام کے دو بنیادی ارکان پر حملہ کیا ایک خود قرآن تھا دوسرے قرآن کو لانے والی رحمۃ للعالمین کی ذات تھی۔ جب عالمی سامراج کو دونوں اپنی سیاست اور اپنے نظام زندگی کے نفاذ میں رکاوٹ نظر آئے تو انہوں نے بوکھلاہٹ میں اہانت آمیز اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کیا قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں سے مسلمانوں کی محبت اور انکے احترام نے اسلام دشمن عناصر کی نیندیں حرام کر دی ہیں چنانچہ متنازع و توہین آمیز خاکے شائع ہونے اور اسکے بعد قرآن کریم کی بے حرمتی اور پھر مختلف مراحل میں مقدسات کی اہانت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ جب مغربی رہنماؤں سے کسی بھی طرح اسلام کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت برداشت نہ ہوئی تو انہوں نے یہ سیاست اپنائی کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے مسلمان مشتعل ہو کر توڑ پھوڑ کرنا شروع کر دیں اور ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ تو دہشت گرد، جنگجو قسم کے بے تمدن لوگ ہیں، یہ تو وحشی ہیں۔ جو دین توڑ پھوڑ سکھاتا ہو، دوسروں کا مال لوٹنا سکھاتا ہو؛ وہ کیوں کر کمال وارتقاء کی راہیں بتا سکتا ہے؟''

خاص کر عالمی استکبار نے مقدسات کی اہانت کے شعلوں کو اس لئے اور بھی ہوا دی کہ ساری دنیا میں چین وسکون کی تلاش میں سرگرداں انسانیت کہیں چشمہ دین تک نہ پہنچ جائے جس کی حقانیت اور جامعیت کا اعتراف خود انکے اپنے ہی بڑے بڑے دانشوروں اور اسکالرز نے کیا ہے۔

توہین مقدسات کے اسباب ومحرکات:

۱۔ مغربی دانشوروں اور مستشرقین کی اسلام اور قرآن کے بارے میں حقیقت بیانی

جہاں اسلامی مقدسات کے کی اہانت کے دیگر اہداف ومحرکات ہیں وہیں ایک یہ ہے کہ جیسے جیسے اسلام مغرب میں پھیل رہا ہے، مغربی دانشوروں پر یہ عقدہ کھل رہا ہے کہ انہیں نہایت ہی اندھیرے میں رکھا گیا۔ اسلام کے سلسلے میں انہیں یہی بتایا گیا کہ یہ لوٹ مار، چوری ڈکیتی کرنے والوں کا مذہب ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ جب وہ لوگ ''رنساس'' سے پہلے اسلام کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو انہیں نظر آتا ہے کہ مغرب ان سے جھوٹ بولتا چلا آرہا ہے۔ اسلام ویسا نہیں ہے جیسا انہوں نے بنا کر پیش کیا۔ چنانچہ خود مغربی دانشوروں نے جب اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پڑھنا شروع کی تو کچھ یا تو مسلمان ہوگئے یا پھر مغربی قید و بند کی صعوبتوں سے خوف کے مارے دل سے تو مسلمان ہوئے لیکن زبان سے اس کا اظہار نہ کیا لیکن ڈھکے چھپے لفظوں میں انکی سیاست کی تنقید کرنے لگے۔ جب مغرب نے یہ دیکھا تو اب انہوں نے اسکے سد باب کے لئے ایسے راستے اپنائے جن سے ایک طرف تو ان افراد کا ذہن بانٹا جائے جو انکی سیاست کی تنقید کررہے ہیں اور دوسرے یہ دکھایا جائے کہ تم ماضی کے جھروکوں سے جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ اب نہیں ہے۔ اب جو اسلام ہے، اسکا تمدن اور ثقافت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ چنانچہ اس بات کا کافی احتمال ہے کہ ان مقدسات کی اہانت کے پیچھے یہ محرک بھی کارفرما رہا ہو کیونکہ ۱۱ ستمبر کے حادثے کے بعد جس قدر غیر مسلموں کے درمیان اسلام کے بارے میں آشنائی کا رجحان بڑھا ہے، وہ غیر قابل وصف ہے۔

نہ صرف مغرب میں اسلام کے بارے میں جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا بلکہ جس بات کو کہنے سے مغربی زعماو عمائدین ڈرتے تھے، مغربی محققین اور دانشوروں نے کھلے عام کہنا شروع کردیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ آج مغرب جس علم وصنعت پر ناز کررہا ہے، وہ دراصل اسلام ہی کا ہدیہ ہے۔ جس قرآن کی آج توہین ہورہی ہے ذرا اس کے بارے میں خود معروف دانشوروں اور مغربی اسکالرز کے اعترافات ملاحظہ ہوں جن کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن ہی ان کی نظروں میں کیوں کھٹک رہا ہے اور وقفہ وقفہ سے یہ لوگ قرآنی ہی پر کیوں حملہ کررہے ہیں چند نمونے ملاحظہ ہوں:

اسلام اور قرآن کے بارے میں مغربی دانشوروں کا اعتراف

مشہور مستشرق سنڈ بارلی۔M.r .balrle اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں ''قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں چودہ سو برس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، یہودی اور عیسائی مذہب میں کوئی ایسی چیز نہیں

ہے جو معمولی طور سے بھی قرآن کے مقابلہ میں پیش کی جا سکے'' (۴۰)

ایڈون یوک۔ Adwan yok قانون محمدی یعنی قرآن ایک ایسا قانون ہے جس میں سربراہ مملکت سے ادنی رعیت تک کا قانون موجود ہے جو محکم ترین اور جدید ترین قانون قضاوت پر مشتمل ہے، یہ قانون اپنی جگہ ایک موزون اور درخشان قانون ہے ایسا قانون جس سے پہلے کبھی کوئی دوسرا وجود میں نہیں آیا، (۴۱)

استنجاس ہوز۔Istenjasshos ''ہم انتہائی قوت اور قدرت سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن تاریخ بشریت میں لکھی گئی سب سے بڑی کتاب ہے لہذا اس کتاب سے کسی دوسری کتاب کا موازنہ یا مقابلہ کرنا صحیح نہیں ہے یہ کتاب اپنے سننے والوں کی تمام قوت، سماعت، اور قناعت میں نفوذ کر چکی ہے۔ اسنے انکے اندر جگہ لینے سے پہلے تمام ناپائدار اور غلط و بیہودہ افکار و نظریات کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ اور اپنی سادہ بیانی و بلاغت سے ایک وحشی و درندہ صفت لوگوں سے ایک متمدن قوم کو وجود بخشا ہے (۴۲)

جارج ثوف۔ Jeorgesdaf قرآن ایک ایسی اساس اور بنیاد پر واقع ہے جس پر عالم تمدن مستند ہے قرآن کے مضامین ان بنیادوں اور اصولوں پر قائم ہیں جن پر دنیا کا وزن قائم ہے۔ (۴۳)

لئون ٹولسٹیو {Leon tolstio} روس کے مشہور اسکالر:

جو بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ اسلام کی سادگی اور آسانی کو سمجھے تو اسے قرآن میں غور کرنا چاہیے اس لیئے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں ایسے مفاہیم پائے جاتے ہیں جو دین اسلام کی عظمت کے ساتھ اس کتاب کے لانے والے پیغمبر (ص) کی پاک اور مقدس روح کے ترجمان ہیں (۴۴)

ویلز: {Wells} ہماری دنیا کو جتنا قرآن نے متاثر کیا ہے آج تک کوئی کتاب اتنا متاثر نہ کر سکی۔ (۴۵)

ڈاکٹر مارڈیل{DR:Mardril}، فرانس کے اسکالر:

قرآن کا طرز بیان آسمانی و ملکوتی ہے جو ہرگز فکر بشر کی تخلیق نہیں ہے جو کچھ قرآن میں ہے وہ کسی کتاب میں نہیں مل سکتا (۴۶)

ڈاکٹر گرینہ{dr:Grineh} :

میڈیکل اور فزکس سے متعلقہ میں نے تمام قرآنی آیات کو پڑھا ان پر ریسرچ کی بچپن سے میں ایسی آیات کو پڑھتا اور ان پر تحقیق کرتا رہا ہوں انجام کار جب میں نے اپنی تمام تحقیقات کو قرآنی معارف سے ہم آہنگ پایا تو میں مسلمان ہو گیا۔ (۴۷)

Sherflas شیر فلس مجھے امید ہے کہ میں دنیا کے تمام دانا اور باشعور لوگوں کو یکجا کر کے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک لاثانی نظام قائم کروں گا کیونکہ یہی تعلیمات انسانوں کو مسرتوں سے روشناس کرسکتی ہیں۔ (۴۸)

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور۔Dr: Rabandhanath tagor وہ وقت دور نہیں جب قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور اپنے روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کرلے گا، وہ زمانہ بھی دور نہیں جب اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائیگا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا (۴۹)

مسز سروجنی نائیڈو Miss srogeninaiedo لندن میں تقریر کے دوران کہتی ہیں ''قرآن شریف غیر مسلمانوں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے اسکے اصولوں کی پیروی سے دنیا خوشحال ہوسکتی ہے، دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔(۵۰)

بلکہ بقول اڈوارمونٹ{Edvarmontet }''سیکڑوں اور ہزاروں لوگوں کی زندگی قرآن سے وابستہ ہے'' (۵۱)

ڈاکٹر مارڈیل{DR:Mardril}،فرانس کے اسکالر:

قرآن کا طرز بیان آسمانی وملکوتی ہے جو ہرگز فکر بشر کی تخلیق نہیں ہے جو کچھ قرآن میں ہے وہ کسی کتاب میں نہیں مل سکتا(۵۲)

جرمنی کا معروف شاعر گوئٹے کہتا ہیں:

ہم نے اگرچہ پہلی بار جب قرآن کو دیکھا تو اس سے منھ موڑ لیا لیکن کچھ ہی عرصہ میں قرآن نے پھر ہماری توجہات کو اپنی طرف مبذول کیا بہت جلد ہی ہم قرآن کے عظیم مقاصد اور کرہ ارض پر اسکے پائے جانے والے اثرات کا مشاہدہ کریں گے۔(۵۳)

مغربی مفکر ''رابرٹ برینالٹ'' اپنی کتاب The Making of humanity میں اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں اسلامی تمدن کا اثر نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگار نہ ہو جس نے مغربی زندگی کو متاثر نہ کیا ہو۔(۵۴)

مغرب کا مشہور دانشور ''ڈینورٹ'' کہتا ہے :''ہمیں اس بات کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ فلکیات، ریاضیات اور علوم طبیعی بلکہ جو کچھ بھی آج یورپ میں رائج ہے، وہ قرآن کی تعلیمات کا نتیجہ ہے اور ہم اس سلسلے میں مسلمانوں کے احسان مند ہیں۔''(۵۵)

William Motgomrwall اپنی مشہور زمانہ کتاب ''قرون وسطیٰ میں اسلام کے یورپ پر اثرات'' میں لکھتا ہے کہ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری تہذیب اور ہماری ثقافت اسلام کی رہین منت ہے۔ اگر ہم اس بات کو چھپاتے ہیں یا انکار کرتے ہیں تو یہ غرور کی علامت اور غلط ہے۔(۵۶)

وہ ایک اور جگہ کہتا ہے: ''میں مسلمانوں کو ایک عظیم ثقافت کا نمائندہ سمجھتا ہوں جن کے عظیم تمدن نے کرۂ خاکی کے ایک بڑے حصے کو متاثر کیا ہے اور جو زمین کے خاصے حصے پر دیکھتے دیکھتے ہی چھا گئے نیز یہ کہ آج مغرب کے پاس جو کچھ بھی فرہنگ وثقافت کے نام پر ہے اور انہیں اس پر ناز ہے، وہ دنیا کے عظیم کتابخانے، میوزیم اور وہ خطی کتب ہیں جو مسلم دانشوروں کی جانفشانیوں کی یادگار ہیں۔ اسلامی ریاضی داں اور اقلیدس کے ماہرین ؛ابوریحان، خواجہ نصیرالدین طوسی، ابن سینا جیسے عظیم علم وحکمت کے منارے دنیائے علمی کے مفاخر ہیں۔''(۵۷)

ایک اور مغربی دانشور کہتا ہے: ''اسلامی تمدن نے نہ صرف یہ کہ یونانی میراث کو فنا ہونے سے بچالیا، بلکہ اس کو باقی رکھنے میں اہم کردار ادا کیا فیزکس کیمسٹری، علم حساب، زمین شناسی، عمرانیات جیسے علوم کی بنیاد مسلمانوں کے ہی ذریعے رکھی گئی۔ یہ مسلمانوں کی ہی خدمات ہیں جنکے ذریعے آج یورپ نے قوانین طبیعت کو پہچان کر انہیں تسخیر کیا ہے۔''(۵۸)

''جب انسان اسلام اور مسیحیت کے درمیان مقابلہ آرائی کے تمام پہلوؤں پر غور کرتا ہے تو اسکے لئے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عیسائی سماج پر اسلام کی تاثیر اس سے کہیں زیادہ ہے جس قدر بیان کی گئی۔ اسلام نے نہ صرف یورپ کی مادی ایجادات میں اہم رول ادا کیا ہے بلکہ اس کی ٹیکنولوجی میں بھی اسلام کے رول کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے نہ صرف عقلائی زاویۂ نظر سے علم وفلسفے کے میدان میں یورپ کو آگے بڑھنے میں ناقابل توصیف مدد کی ہے بلکہ درحقیقت اسلام نے ہی آج یورپ کو اس مقام پر پہنچایا ہے کہ آج یورپ خود کو یورپ کہہ سکے۔''(۵۹)

''آج مغرب کا سب سے اہم فریضہ ہے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے اور یہ بات مانے کہ وہ اسلام کا مقروض ہے۔''(۶۰)

ویل ڈیورنٹ جیسے عظیم دانشور بھی اسلامی تاریخ کے مطالعے کے بعد یہ کہتے نہیں چوکتے: ''تجارت، صنعت، علم فلسفہ، ریاضی، نجوم، طب، منطق، دریانوردی، زراعت اور معادن کی شناسائی اور ان سے مختلف ذخائر کے استخراج کے فن مسلمانوں نے مغرب کو ہدیہ کئے۔ مسلمانوں نے اپنے بہترین آئین کی روشنی میں ہنر وفن نیز

آداب ورسوم کے میدان میں بھی بہترین زندگی کے آثار کو مغرب کے لئے بطور یادگار چھوڑا۔'' (۶۱)

یہ مغربی مفکرین اور دانشور طبقے کے مسلمانوں، قرآن اور اسلام کے سلسلے میں اعترافات کے ادنیٰ نمونے تھے جن سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں اسلام نے مغرب کی موجودہ ترقی میں کیا رول ادا کیا ہے۔ جن شخصیات کے اسلام کے بارے میں حقائق پر مشتمل اعترافات کو ہم نے پیش کیا، وہ کوئی معمولی شخصیات نہیں ہیں بلکہ مغرب میں ان شخصیات کا اساطیری شہرہ رہا ہے۔ آج جب مغرب کا ایک نوجوان مختلف تعصّبات اور اسلام کے خلاف مغرب میں جاری سیاسی پروپیگنڈوں سے ہٹ کر اپنے مفکرین اور دانشوروں کی کتابیں پڑھتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ اسلام وہ نہیں جو ہمارے سامنے بیان کیا جارہا ہے جسے الکٹرانک اور پرنٹڈ میڈیا کے ذریعہ ایک دہشت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے بلکہ یہ دین تو ہمارے مانے جانے اسکالرز کے بیان کے مطابق انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے ایک ٹھوس اور پختہ لائحۂ عمل رکھتا ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیاوآخرت کی فلاح سے ہمکنار ہوجاتا ہے تو اس کے ذہن میں مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ جب اسلام ایک بہترین اور جاوداں دین ہے تو پھر اس کے سلسلے میں غلط بیانی کیوں کی جارہی ہے اور ہر جگہ اسکے خلاف زہر کیوں اگلا جارہا ہے؟ اور یہی سوالات اسے اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ حقائق کی طرف جائے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب عالمی استکبار ''Arrogance'' کو اس کے خوابوں پر پانی پھرتا نظر آتا ہے لہٰذا اس طرح کے منصوبے تیار ہوتے ہیں جنکے ذریعے اسلام کی طرف راغب نوجوانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اسلام انسانیت کی فلاح ہرگز نہیں چاہتا بلکہ وہ تو انسانیت کی نابودی چاہتا ہے اور اسی منصوبے کے پیش نظر طالبان معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسامہ بن لادن کو مسلمانوں کے ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور جب استکبار کو ان تمام حربوں کے استعمال کر لینے کے بعد بھی وہ کچھ نہیں ملتا جو کچھ انہیں چاہئے بلکہ انکے ہر عمل کے ردِّعمل کے طور پر اسلام کی مقبولیت میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے تو اب جھنجھلاہٹ میں قرآن کو جلایا جاتا ہے، کبھی بیت الخلاء میں بہا کر اسلام سے دشمنی کا اظہار کیا جاتا ہے تو کبھی عریاں جسموں پر آیات قرآنی کو منقش کر کے ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور سرانجام ایسے کارٹون شائع کئے جاتے ہیں جن کے بعد مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو اور پھر سارے ذرائع ابلاغ کے کیمرے مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر زوم ہوجاتے ہیں اور مسلمان جب احتجاج کرتے ہیں تو انہیں تصویروں میں قید کر کے یہ پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دیکھو یہ اسلام کے ماننے والے ہیں، یہ لوٹ مار اور توڑ پھوڑ کرنے والے ہیں، انہیں تو جینے کا سلیقہ بھی نہیں آتا، انہیں تہذیب وتمدن سے کیا سروکار! ایسے بے شمار شواہد وقرائن موجود ہیں کہ خود اس لوٹ مار اور توڑ پھوڑ میں استکبار کی ایجنسیوں کے افراد شامل ہوکر اس کو اور ہوا دیتے ہیں تا کہ انکے آقا اپنے مکروہ عزائم کو

عملی جامہ پہنا سکیں۔(۶۲)

۲-استکبار کو اپنی سیاست کی ناکامی کا خطرہ

اسلامی مقدسات کی توہین کا ایک سبب اور محرک مسلمانوں کی موجودہ نسبی بیداری کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ استکبار کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی برسوں کی محنت رائگاں چلی جائے لہٰذا وہ اس طرح کے توہین آمیز اقدام کرتے ہیں تا کہ ان کی ان سیاستوں سے پردہ نہ اٹھ پائے جو موجودہ دور میں وہ اسلامی حکومتوں اور مسلمانوں کے لئے تدوین کر رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کی تمام تر توجہ کو خود سے ہٹا کر کسی ایسے واقعے اور حادثے میں مرکوز کرنے کے لئے بھی وہ اس طرح کے اقدامات انجام دیتے ہیں اس لئے کہ اگر لوگوں کے ذہنوں کو بانٹا نہیں جائے گا تو آسانی سے وہ اپنا کام نہیں کر سکیں گے اسی لئے انہوں نے اسلامی مقدسات کی توہین کی سیاست اپنائی اور وقتاً فوقتاً توہین کرنے کے بعد ہونے والے ردعمل کی آڑ میں اپنی سیاست کو عملی جامہ پہناتے ہیں چنانچہ اسی طرح انہوں نے اپنی پالیسیوں کو پہلے بہترین اور دلفریب نعروں اور ناموں سے تمام ملکوں اور قوموں کے درمیان رائج کیا۔ ترقی یافتہ ثقافت کے معیاروں کو پہلے ٹیلیویزن اور انٹرنیٹ سے بیان کیا گیا پھر پرکشش استعماری مصنوعات کو تمام اقوام میں یہ کہہ کر رائج کیا کہ یہ وہ آب حیات ہے جسے پی کر ہی پسماندہ قومیں آگے بڑھنے کی توانائی حاصل کر سکتی ہیں اور جو اس آب حیات کو نہ پیئے وہ فرسودہ معاشروں میں مختلف امراض کا شکار رہے گا لہٰذا پروپیگنڈہ کے زور پر بے شمار ایسی چیزوں کو انسانی زندگی کا جز بنا دیا گیا جنکی حقیقت میں انسان کو کوئی ضرورت نہیں تھی انہوں نے اپنی سیاست کو عملی کرنے کے لئے جن اصولوں کو ترتیب دیا، بطور خلاصہ حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں:

تعلیم پر کنٹرول اور اس میں نفوذ

تعلیم نہ ہو تو انسان کسی بھی حد کو لانگ سکتا ہے، یہ تعلیم ہی ہے جو انسان کو لگام دیتی ہے، چنانچہ امام خمینی (رہ) فرماتے ہیں: ''اگر تعلیم و تربیت نہ ہو تو انسان حیوانیت کی حد سے بھی آگے نکل سکتا ہے'' (۶۳)

تعلیم کے سایہ میں پرورش پا کر ہی آج انسانی معاشرے حیوانیت کے مرحلہ سے گزر کر انسانیت کی منزل تک پہنچے ہیں۔

''انبیاءؑ انسان بنانے کے لئے ہی آئے تھے'' (۶۴)

بقول غزالی: ''اگر علماء اور اساتید نہ ہوتے تو لوگ چوپایوں کی طرح ادھر ادھر منھ مار رہے ہوتے، انسان تعلیم کے سایہ ہی میں پرورش پا کر انسانیت کی منزلوں تک پہنچ سکے ہیں''۔ (۶۵) آج کی دنیا میں تعلیم کا کیا مقام

ہے؟کسی پر پوشیدہ نہیں،تعلیم نہ صرف آج مادی سہولت وکمال کی باعث ہے بلکہ زندگی کے صحیح شعور کی بھی ضامن ہے۔ارسطو نے تعلیم کے۲ پہلو بیان کئے ہیں:

الف/ ''انفرادی''{individualaspect}:

انسان تعلیم کے ذریعہ نیکی کا شعور حاصل کرسکتا ہےاوراسکے ذریعہ اپنی اندورنی،داخلی اورروحانی نظرکو سچائی کے قالب میں ڈھال سکتا ہے(٦٦)

ب/''اجتماعی'' : {colectiveaspect}

اس کی بنیاد پر غلط رائج طریقہ سے آگاہی ہوتی ہے اور معاشرہ کو نئی بنیادوں پر کھڑا کیا جاسکتا ہے۔(٦٧)

افلاطون کے بقول:''جس طرح ایک جسم کے لئے خوراک ضروری ہےاسی طرح روح کی نشوونما کے لئےتعلیم لازمی ہے جس طرح جسم کو پوری زندگی خوراک کی ضرورت ہے اسی طرح روح کو بھی پوری زندگی اپنی خوراک چاہئے''۔(٦٨)

روح ایک نامیاتی جسم ہے تعلیم کا مقصد ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جہاں روح کے تمام عناصر کی نشونما ہوتی ہے۔معیاری علم وہ ہے جو جسم اورروح کی تربیت پر مشتمل ہو۔ (٦٩)

تعلیم کا چاہے انفرادی پہلو ہو یا اجتماعی دونوں میں ہی مغرب نے جس طرح اندر تک گھس کے روح کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا ہے اسکا اثر خود بخود مسلم معاشروں میں نظر آرہا ہے آج درسی نصاب تعلیم ہو یا علمی معتبر مجلّات اور سائٹس ہر جگہ مغربیت نظر آرہی ہے ہر جگہ نظام تعلیم پر انکا کنٹرول نظر آرہا ہے یونیورسٹیوں میں انکا دبدبہ ہے، کالجوں اور درسگاہوں سے لے کر پرائمری اسکولوں تک ہر طرف انہیں کی تہذیب کا جال بچھا ہوا ہے۔

ہر قوم کی ترقی اور تنزلی میں تعلیم کا کیا رول ہے اس بات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے انہوں نے نصابوں کی تدوین اور کتب کی تالیف حتی کتابوں کے سرورق اور انکی تزئین میں بھی اپنی مخصوص سیاست کے پیش نظر کام کیا ہے اور آج اکثر وبیشتر اسلامی معاشروں کا جو حال ہے وہ سامنے ہے۔

جس تعلیم کے ذریعہ دین ودنیا دین وسیاست کے ایک دوسرے سے متناقض جدا ہونے کا سبق دیا جائے اسکے رواج کے بعد مسلم معاشروں کا حال کیا ہوگا؟

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ جہاں مغرب نے اپنے تسلط کی خاطر جس نظام تعلیم کو مسلمانوں کے سر تھوپا

مسلمانوں نے اسے سر کا تاج سمجھ کر اپنے سر پر رکھ لیا اس سے بے خبر کہ۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

فساد و فحشا کی ترویج و اشاعت

جب تعلیم کے ابتدائی مراحل ہی سے معصوم ذہنوں کے تصورات میں جنس مخالف کی طرف میلان اور دیگر فسادات کا رجحان ہو جائے گا اور ایسی تعلیم کا بھی فقدان ہوگا جو انسانی قدروں کو نکھار سکے تو اس مرحلہ پر خود بخود فساد و فحشا کی ترویج کا میدان صاف ہوتا چلا جائے گا چنانچہ جو قوم بھی اخلاقی زوال اور تعلیم سے دوری جیسے عفریتوں کا شکار رہے گی وہ وہی کرے گی جو استکبار اور سامراج چاہے گا۔ وہ کبھی بھی ترقی کی طرف نہیں جا سکتی کیونکہ بے حیائی اور بے شرمی کے انجکشن کی تزریق کے ساتھ عیاشی کے اڈوں اور شراب خانوں کی کثرت، جسمانی لذت کا بہر طور حصول؛ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو انسان کو پاگل بنا دیتی ہیں اور عالمی سامراج انسان کو پاگل ہی دیکھنا چاہتا ہے۔

منشیات کی ترویج

تعلیم سے دوری، فساد و فحشا کی ترویج کے بعد انہوں نے اپنی سیاست کو عملی کرنے کے لئے جس چیز کو اختیار کیا وہ منشیات کی ترویج تھی اور اس بات سے ہر ایک واقف ہے کہ نشہ کرنے والے شخص کے افکار و خیالات کا محور صرف اس زہر کا حصول ہوتا ہے جسے وہ اپنے جسم میں سرایت کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ اس کے لئے وہ ہر حد کو توڑ سکتا ہے، دین، شرافت حتی اپنی ناموس کو بھی قربان کر سکتا ہے چنانچہ اس کے لئے انہیں افغانستان کی بنجر زمین بہت زرخیز نظر آئی اور یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کا نوے فیصد منشیات کا خام مال افغانستان میں پیدا ہوتا ہے۔

گندی ثقافت کی ترویج

ملبوسات، ماڈل، رنگ، ڈزائن، لمبائی، چوڑائی، تنگی، چستی؛ ان تمام ہی مفاہیم کو انہوں نے فن اور ہنر کے بہترین ترجمان سینما اور ٹیلیویزن کے ذریعے من چاہے طریقے سے من چاہے انداز میں پیش کر دیا تا کہ کہیں سے بھی کوئی ایسی چیز باقی نہ بچے جو انسان کو یہ بتائے کہ تم انسان ہو اور تمہارا ہدف کچھ اور ہے بلکہ جس قدر بندر بن جاؤ، اسی قدر اچھے انسان ہو کی پالیسی کو اس طرح رواج دیا گیا کہ انسان بندر بن گیا اور بندر انسانوں کو دیکھ کر وہی کام کرنے لگے جو انسانوں کے بچے کبھی بندر دیکھ کر کیا کرتے تھے۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف
تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت

مبتذل ثقافت کی ترویج کو عملی کرنے کے لئے انہوں نے جہاں مختلف ادارے اور کلب قائم کئے وہیں فری میسیزی یعنی فراموش خانوں کو بھی قائم کیا۔

فری میسیزی کیا ہے؟

فری میسنری{Freemason }اومانیزم کے نظریہ کے حامی مادہ پرست افراد کا ایک ایسا مشن ہے جو گیارہوں صدی تک تو ایک ٹیریڈ یونین{Tradeunion} کے نام پر بظاہر انسانوں کی مادی فلاح کے لئے کام کرتا رہا لیکن اٹھارہویں صدی تک یہ مشن یونین سے ایک باڈی ایسوسی ایشن اور لاجز میں ڈھل گیا اور اسکی شاخیں فرانس، ہندوستان، سویڈن ، ہالینڈ، پرتگال، اٹلی و...میں پھیلی چلی گئیں اور اس وقت اس کی ۱۶۰۰/ سے زیادہ لاجز دنیا بھر کے مختلف ممالک میں موجود ہیں(۷۰)

فری میسن سے جڑے ہوئے لوگ روح پر عقیدہ نہیں رکھتے ہیں انکا اصلی پیغام تمام ادیان کے مشترکہ عقائد سے مقابلہ کرنا ہے، ان لوگوں کی نظروں میں شیطان ایک مقدس وجود ہے۔ جناب سلیمان کو یہ لوگ ایک بڑا بادشاہ اور جادوگر سمجھتے ہیں اور انہیں میسن اعظم کا لقب دیتے ہیں انکے افکار کے تین بنیادی محور ہیں مادہ پرستی، سیکولرزم ،اور اومانیزم، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے جناب سلیمان کے معبد کو مسجد اقصی میں کشف کرنے کا دعوی کیا تھا اور اسی کے بعد صہیونی تحریک وجود میں آئی (۷۱)

موجودہ دور میں ان کا مشن آزاد معماروں کے نام سے پراسرار اداروں کا قیام ہے جو مخفی طور پر اپنا کام کرتے ہیں اور انکا ظاہری تعارف یہ ہے کہ یہ افراد اپنے تمام مخالفین کی تنقید کا استقبال کرتے ہیں اور کسی کو کوئی جواب نہیں دیتے وہ اپنے اطراف میں ان افراد کو جمع کرتے ہیں جو سخت سے سخت بات سن کر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کریں۔ یوں تو یہ ایک اخلاقی حربہ ہے ہمیں کچھ بھی کہو ہم جواب نہیں دیں گے لیکن اسکے پیچھے ان کے کیا اہداف ہیں

کسی کو نہیں معلوم۔ بظاہر یہ لوگ ہر بات سن کر خاموشی سے سر جھکا لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے عزائم کی تکمیل میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ دنیا میں فری میسن لاجز کے بارے میں اب تک پانچ ہزار سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں حتی فری میسن انسائکلو پیڈیا بھی موجود ہے۔ فری میسن اداروں نے ۱۸۸۹ء تک دنیا کے چھیانوے خطوں میں اپنے لاجز قائم کر رکھے تھے۔ اس سے موجودہ صورتحال کا خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد یہ لوگ کہاں ہوں گے؟ روٹری کلب، لائنس کلب، اخلاقی اسلحے، عالمی برادری جیسے ناموں پر مشتمل کلب فری میسن کے ذیلی اداروں کے طور پر اپنا کام کر رہے ہیں۔

قوم پرستانہ نظریات کی تلقین، فساد و فحشا کی ترویج و اشاعت

عرب، عجم، ہندی، پاکستانی ترکی، ایرانی، قومیت پر مشتمل وہ نظریات تھے جنہیں اپنے خاص اہداف کے پیش نظر استکبار نے عام کیا چنانچہ اٹھارہویں صدی میں نوآبادیات پر قبضے اور حکومت کے معاملے میں استعماری ممالک کے مابین جب کشمکش ہوئی تو اسی قومیت کے علم کو بلند کر کے انہوں نے اپنے درمیان اختلاف کی آگ کو بجھانے کے ساتھ ساتھ دیگر قوموں کو تاراج کرنے کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا جبکہ اسلامی تعلیم اس کے سراسر خلاف تھی۔ بقول علامہ اقبال:

این وطن مصر و حجاز و شام نیست
این وطن جائیست کہ آنرا نام نیست

ایک اور جگہ وطنیت نامی اپنی نظم میں علامہ اقبال وطن اور قوم پرستی کو سب سے بڑا بت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
وہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

تعلیم پر کنٹرول اور اس میں نفوذ، اخلاقی فساد اور فحش مواد کی ترویج، منشیات کی ترویج، گندی ثقافت کی ترویج، وطن پرستی اور قوم پرستی کے نظریات کی تلقین ان پانچ اصولوں پر عمل درآمد کے لئے استکبار نے مختلف منصوبے بنائے اور ان پر عمل بھی کیا لیکن گزشتہ چند برسوں میں خاص طور پر اسلامی انقلاب کی کامیابی کی کرنوں کی تیز شعاؤں نے مغرب کے اصولوں کے برفیلے تودوں کو پگھلا کر پانی پانی کر دیا۔

انہوں نے ان اصولوں کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ان تمام طریقوں کو اپنایا جنکے ذریعے عملی طور پر استکبار دنیا میں پھیل سکتا تھا۔فوجی، سیاسی، ثقافتی وسائل کو بروئے کار لا کر ذرائع ابلاغ، جرائد، رسائل، ویڈیو، خبر رساں ایجنسیوں، سینما، انٹرنیٹ کے علاوہ کبھی Globlaization Cultuer تو کبھی Post Modernaization اور Lebral Democracy اور Reforms کے نعروں کو عملی کرنے کے ذریعے انہوں نے اپنے ہدف تک پہنچنے کی ہر ممکنہ کوشش کی۔اس میں وہ خاصے کامیاب بھی ہو جاتے لیکن اسلامی انقلاب کی بنا پر پوری دنیا کے مسلمانوں کے درمیان جو ایک بیداری کی لہر دوڑی اس لہر نے خوابیدہ ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔جس کی بنا پر مسلمانوں نے سامراج کی چالوں سے پردہ ہٹانا شروع کر دیا اور ساتھ ہی گاہے بگاہے مختلف مواقع پر ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے انکے اقتصاد کو بری طرح متاثر کیا۔انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جس قدر بھی ثقافتی اور تہذیبی یلغار کی مسلمانوں نے اسلامی انقلاب سے حاصل ہونے والی بیداری کے نتیجے میں اسلام کا دامن اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دیا جب انہوں نے دیکھا کہ ثقافتی، سیاسی اور ہر طرح کے استحصال کے بعد بھی مسلمان اسلام کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہیں بلکہ ہر دن کے سورج کے ساتھ ان کے اندر نیا جذبہ اور آگے بڑھنے کی امنگ کے ساتھ استکبار کے خلاف لڑنے کا عزم پیدا ہو رہا ہے تو پہلے ان کے عزم و حوصلے کو پسپا کرنے اور ان کے ذہن کو اپنے مکروہ عزائم سے دوسری سمت موڑنے کے لئے رسول اسلامؐ کی مقدس شان میں گستاخی کی لیکن بجائے اس کے کہ مسلمان اس اقدام سے ناامیدی کا شکار ہوتے یا ان کے حوصلوں میں کمی واقع ہوتی، پہلے سے بہتر طور پر منظم ہو گئے اور اس لئے ضروری تھا کہ ان کے اس اتحاد کو سبوتاژ کرنے کے لئے کوئی ایسا اقدام کیا جائے جس کی بنا پر تیزی کے ساتھ انکے خلاف تبدیل ہوتی صورتحال بدل جائے اور مسلمانوں کے درمیان ایک داخلی جنگ چھڑ جائے لہٰذا انہوں نے سامرا میں دلخراش حادثے کی سازش رچی اور وسیع پیمانے پر اپنی سائٹ، روزناموں اور

اخبارات و دیگر ذرائع ابلاغ کے اولین صفحات پر سامرا کے مقدس مزاروں کا مسماری کے بعد تاسف بار منظر پیش کیا تا کہ مسلمان آپس میں کٹنے مرنے کو تیار ہو جائیں لیکن مکتب تشیع کی بابصیرت قیادت نے عراق کے ساتھ ساتھ دیگر جگہوں پر بھی نہ صرف حالات کو بگڑنے سے بچا لیا بلکہ ایسے اقدامات انجام دئے جن سے اتحاد میں مزید پایداری و استحکام اور مضبوطی پیدا ہوگئی۔

مسلمانوں کی بیداری نے استکبار کے وجود کو اس قدر خطرے کا احساس دلایا کہ انہوں نے اپنے تمام اصولوں کو خاک میں ملتا ہوا دیکھا جو انہوں نے مسلمانوں کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے بنائے تھے، لہٰذا مسلمانوں کے درمیان خوف و ہراس پیدا کرنے اور انکی گھبراہٹ اور افراتفری سے ممکنہ استفادہ کرنے کے پیش نظر نیل سے فرات تک (۷۲) اپنی حکومت کے خواب کو ایک بار پھر شرمندۂ تعبیر بنانے کے لئے پہلے مرحلے میں رسول اعظمؐ کی شان میں گستاخانہ کارٹون شائع کئے اور دوسرے مرحلے میں سامرا کے مقدس مزارات کی بے حرمتی کی اور یہ وہ چیز ہے جو مدت سے انکی پالیسی میں شامل تھی چنانچہ ''جان لولمن'' انکا معروف دانشور صراحت کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے: ''جیسے بھی ہو ان لوگوں کو خوف و ہراس اور شک و تزلزل میں رکھا جائے تا کہ اپنی فکر سے صحیح سمت میں جانے کا اندازہ نہ کر سکیں ساتھ ہی شکوک اور خوف و ہراس کے ساتھ متعدد و متضاد خبروں کو نشر کیا جائے جس سے کوئی یہ اندازہ نہ کر سکے کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہی وہ صورت ہے جسے اپنا کر ہم انہیں ان کے مقصود سے دور کر سکتے ہیں اور یہی وہ وقت ہے جب ہم ان پر حملہ کر کے ان کی درونی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اہداف کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔'' (۷۳)

اگر چہ یہ ان کی کوئی نئی سیاست نہیں ہے، قرآن نے بھی انکی اس چال کا تذکرہ یوں فرمایا ہے ''کفار کی تمنا یہی ہے کہ تم اپنے سارے ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر حملہ کر دیں لیکن اللہ نے کفر اختیار کرنے والوں کے لئے رسوا کن عذاب رکھا ہے۔'' (۷۴)

۳- تہذیبی تصادم کا نظریہ

ابھی تک جو کچھ بھی مقدسات کی اہانت کے اسباب اور انکے محرکات کے بارے میں بیان کیا گیا، وہ تمام چیزیں ان قرائن اور شواہد پر مبنی تھیں جنہیں استکبار کی سیاست اور اس کے اصولوں کے پیش نظر بیان کیا گیا، ان میں سے ہر ایک کو مقدسات کی توہین میں دخیل مانا جا سکتا ہے لیکن ان تمام محرکات میں سب سے اہم یہی تہذیبی تصادم کا نظریہ ہے کہ جسکو دشمن نے اپنی اس Strategy اور لائحۂ عمل کی صورت میں مدون کیا اور گام بہ گام اس پر عمل

کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جسے The Clash of Civilaization کے نام سے ہاورورڈ یونیورسٹی کے استاد Samual Hantington نے ۱۹۹۲ء میں پیش کیا۔(۷۵) اور نہ صرف اس نظریے کو پیش کیا بلکہ ایک روزنامے کو انٹرویو دیتے ہوئے اس کی وضاحت بھی یوں کی کہ آج اسلامی تمدن مغرب کے سامنے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔(۷۶)

آج مغربی ممالک میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنے کے لئے ضروری تھا کہ ایسے حادثات رونما کئے جائیں جنکی بنا پر تہذیبی تصادم سامنے آئے لہٰذا سب سے پہلے بش نے ۱۱ر ستمبر کے بعد یہ اعلان کیا کہ یا ہمارے ساتھ ہو جاؤ یا تم Terrorism کے حامی ہو۔ یہ تہذیبی تصادم کو ہوا دینے کی اولین کوشش تھی لیکن اس کوشش کو ناکام بناتے ہوئے اسلامی انقلاب کے رہبر نے فرمایا: ''نہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ہی دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں۔'' اس نظریے کے آنے کے بعد امریکا میں ایک نئی وزارت کی تاسیس ہوئی جس کا نام Fofalth Department یعنی وزارت ایمان رکھا گیا اور پھر اس وزارت نے تہذیبوں کے مابین تصادم کو عملی کرنے کے لئے یہودی لابیوں کے ساتھ مل کر اپنا کام کرنا شروع کیا۔(۷۷) اور سب سے پہلے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان میکیاولی سیاست کے اصول Dont Let United ''تفرقہ واختلاف پھیلاؤ اور حکومت کرو'' کے تحت (۷۸) خلیج پیدا کرنے کے لئے یہ بتانا شروع کیا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کا خدا الگ الگ ہے۔ صرف اس انداز سے ہی آپس میں اختلافات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ آسٹریلیا کے وزیر اصلاحات ''رابرٹو کالدوورلی'' کو مہرہ بنا کر استعمار نے صلیبی جنگ چھیڑنے کے لئے اپنے سارے پتے کھول دیئے اور ''روبرٹو کالدوورلی'' نے تمام تر انسانی قدروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عیسائیوں کے اس وقت کے سب سے بڑے راہنما پاپ بنڈیکٹ سے یہ مطالبہ تک کر ڈالا کہ اسلامی تمدن کے خلاف صلیبی جنگ چھیڑنے کے لئے اقدام کریں اور دنیائے مسیحت کو اسلام کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے متحد کریں (۷۹) اور اس کے بعد توہین آمیز اقدامات کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے اجمالی خاکے کو ہم نے پیش کیا۔ اگر توہین آمیز اقدامات کی نوعیت اور تسلسل کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ واقعا ان واقعات کا تہذیبی تصادم کے نظریہ سے کس قدر گہرا ربط ہے۔ اس نظریہ کے بعد صہیونی ادارے تیزی کے ساتھ اس کو عملی کرنے میں مشغول ہو گئے جن میں انکا سب سے بڑا قدم رسول اکرمؐ کی شان میں اہانت آمیز متنازع خاکے شائع کرنا تھا۔ جب یہ خاکے شائع ہوئے تو ایک طرف ملت اسلامیہ سراپا احتجاج بنی ہوئی تھی تو دوسری طرف امریکی وزیر خارجہ رائس کا یہ بیان بار بار برقی لہروں کے ذریعہ دنیا کے گوش گزار کیا جا رہا تھا: ''ان کارٹونوں کی اشاعت کو ایران اور شام، مغرب کے خلاف پرتشدد جذبات ابھارنے کے لئے استعمال

کررہے ہیں۔''(۸۰) جبکہ اس سے قبل جیمس ولیس (سی.آئی.اے کا سابق صدر) نے اسی تہذیبی تصادم کی جنگ کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم اس تہذیبی تصادم کی جنگ میں جو پچیس سال پر محیط ہوگی، ۲۰۲۶ء تک بائیس ممالک سے نبرد آزما ہوں گے۔ اس جنگ میں ہمارے مختلف اہداف ہوں گے جن میں سب سے پہلا ہدف اسلام کی نابودی ہوگا۔(۸۱) لیکن مغرب کا یہ خواب ابھی تک تو شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا ہے، اب دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے، البتہ اس میں شک نہیں کہ آئندہ زمانے میں ممکن ہے اس نظریہ کو عملی کرنے کے لئے مغرب اور دوسرے ہتھکنڈے بھی کو استعمال کرے اور مسلمانوں کو اور بھی خطرناک موڑ کا سامنا کرنا پڑے جن سے صحیح سالم گزرنے کے لئے ہمیں اپنے زمانے کے حالات کے ساتھ ساتھ دشمن اور اس کے مقاصد کو اچھی طرح پہچاننا ہوگا اس لئے کہ **العالم بزمانه لا تهجم عليه اللوابس** (۸۲) یہ ہماری نادانی ہوگی کہ ہم صرف ایسے حالات میں جاگیں جب دشمن ہمارے مقدسات پر حملہ کرے اور دشمن کی جانب سے معافی تلافی کی بات یا اسکی جانب سے دوستی کا بڑھتا ہوا ہاتھ دیکھ کر ہم خاموش ہو جائیں اس لئے کہ دشمن تو دشمن ہے اسے جب اور جیسے موقع ملے گا وہ ہمیں ہراساں کرنے سے باز نہیں آئے گا لہذا دشمن کے ہر اٹھتے ہوئے قدم پر ہمیں توجہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کی ہر نقل وحرکت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے اقدام سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر ظاہری طور پر جنگی حالات نہ بھی ہوں تب بھی دشمن سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے چنانچہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: **ولكن الحذر كل الحذر من عدوك بعد صلحه فان العدو ربما قارب ليتغفل،فخذ بالحزم** ،

لیکن صلح کے بعد دشمن کی طرف سے مکمل طور پر ہوشیار رہنا کہ کبھی کبھی وہ تمہیں غافل بنانے کے لئے تم سے قربت اختیار کرنا چاہتا ہے لہذا اس سلسلہ میں مکمل ہوشیاری سے کام لینا۔(۸۳)

ایک اور جگہ آپ دشمن سے ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**لا تامن عدوا ان شكر** ''دشمن سے کبھی امن وسکون محسوس نہ کرنا چاہے وہ تمہارا شکر گزار ہی کیوں نہ ہو (۸۴)۔

دشمن شناسی کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان نشانیوں کو دیکھیں جو قرآن نے ہمارے دشمن کی علامت کے طور پر بیان کی ہیں۔

قرآن کی نظر میں اسلام دشمن عناصر کی نشانیاں

جنگ بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے ہیں (۸۵)

خدا کے خلاف جھوٹ کی نسبت دیتے ہیں (۸۶)

خائن ہیں اور عہد و پیمان کو توڑنے والے ہیں۔(۸۷)

ان کے اندر اکڑ پائی جاتی ہے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور قتل و غارت گری کرتے ہیں۔(۸۸)

خدا کے نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں (۸۹)

وہ دل و زبان دونوں سے مومنین کے دشمن ہیں (۹۰)

اسلام کو مٹانے کے لئے اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں۔(۹۱)

لغو اور مہمل باتوں کے ذریعے بندگان خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔(۹۲)

اہل کتاب اور مشرکین مسلمانوں کی بھلائی ہرگز نہیں چاہتے۔(۹۳)

مسلمانوں سے جلتے ہیں۔(۹۴)

ان پر حملے کی تاک میں رہتے ہیں۔(۹۵)

یہود، مومنین کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔(۹۶)

یہ وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعے ہم اپنے دشمن کو پہچان سکتے ہیں۔قرآن نے جتنی بھی آیتیں دشمن شناسی کی بیان کی ہیں، ان میں ہر ایک پر خاص توجہ کی ضرورت ہے ورنہ کسی بھی وقت مسلمان ان کا شکار بن سکتے ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوگی کہ انکے ساتھ کیا ہوا۔دشمن اپنی پالیسیوں کو عملی کرنے میں کس طرح مخفی طور پر تیزی کے ساتھ کام کر رہا ہے، اگر یہ جاننا ہے تو ملاحظہ ہو رسول اسلامؐ کی اہانت کے سلسلے میں متنازع خاکے شائع کرنے کی خفیہ سازش رچنے والی تنظیم Bliderberg کا پس منظر۔

۱۴ رمئی ۱۹۹۸ء میں اسکاٹ لینڈ کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں سیاہ لیمزن کاروں کا ایک بیڑا آکر رکتا ہے جس میں مغربی دنیا کی انتہائی طاقتور شخصیات موجود ہیں۔اطلاعات کے مطابق اس ہوٹل میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا تھا جس میں شرکت کے لئے مغربی دنیا کی ۱۲۰ رسیاسی و اقتصادی شخصیات کو شرکت کرنا تھی۔

بائیس سو کمروں پر مشتمل اس ہوٹل کو اجلاس سے ایک ہفتہ قبل ہی خالی کرالیا گیا تھا۔تین دن تک جاری رہنے والے اس اجلاس کے دوران کسی رکن کو بھی ہوٹل سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔سخت ترین سیکیورٹی کے انتظامات، امریکن سی. آئی. اے کے خصوصی اسکوارڈ اور برطانوی خفیہ ایجنسی M.I.60 کے ذمے تھے۔

غیر سرکاری ذرائع کے مطابق تین دن جاری رہنے والے اس خفیہ اور اہم اجلاس کے ایجنڈے میں کئی عالمی امور زیر بحث آئے جس میں نیٹو، یورپی یونین، ایشیا کی اقتصادی صورتحال، دنیا میں سر اٹھانے والی نئی طاقتیں، خلیج کی صورتحال، عالمی سطح پر تیل کی پیداوار، اس کے حمل و نقل اور وسطی ایشیائی ریاستوں سے متعلق امور شامل تھے۔ ان امور کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید یہ عالمی سیاسی زعماء یا سربراہان مملکت کا اجلاس ہو مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس

اجلاس میں شامل بیشتر ارکان عام دنیا کے لئے غیر معروف ہیں۔ جی ہاں! یہ دنیا کی خفیہ عالمی تنظیم بلڈربرگ کا چھالیسواں سالانہ اجلاس تھا۔(۹۷)

اس اجلاس میں کیا ہوا، کسی کو کچھ نہیں معلوم لیکن اس کے تین سال بعد ۱۱ر ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بعد سے تہذیبی تصادم کے نظریے کو عملی کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے بعد ۵ر مئی ۲۰۰۵ء کو جرمنی کے صوبے لویر ہابن میں ایک خفیہ اجلاس بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اجلاس بھی عالمی صہیونزم سے متعلق عالمی تنظیم بلڈربرگ کا تھا جس کے بارے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس تنظیم کا رکن بنے بغیر نہ تو کوئی امریکہ کا صدر بن سکتا ہے اور نہ ہی برطانوی وزیر اعظم۔ اس خطرناک ترین تنظیم کا نشان آدھی روشنی اور آدھی تاریک دنیا کا گلوب ہے جس کے نیچے ایک آہنی ہاتھ دکھایا گیا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ اس تنظیم کے ہاتھ دنیا کے گرم وسرد پر ہیں۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ درحقیقت یہی تنظیم دنیا پر حکومت کرتی ہے۔ دیگر اجلاسوں کی طرح ۵ر مئی کو جرمنی کے علاوہ لویریا کے سب سے بڑے ہوٹل ''ڈونٹ سوئل سی ہوٹل'' میں ہونے والے بلڈربرگ کے خفیہ اجلاس کا ایجنڈا کسی کو معلوم نہیں... اس خفیہ اجلاس کا دورانیہ ۵ر مئی ۲۰۰۵ء تھا۔ اس کے صرف چند ماہ بعد ہی ستمبر میں توہین رسالت کے خاکے شائع ہوئے۔ ان دونوں میں کیا ربط ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس اجلاس میں شامل اسامی پر نظر ڈالی جائے۔

اس اجلاس کے خفیہ شرکا ومندوبین

۱- امریکا کے سابق وزیر خارجہ ''ہینری کیسنجر''

۲- نیٹو کے جنرل سکریٹری ''باب ہوپ شیفرڈ''

۳- بین الاقوامی بینک کار ''فیمارک فلرڈ''

۴- اور عالمی سطح کے یہودی سرمایہ دار خاندان روتو شائلڈ (Rothcild) کے افراد

۵- ڈنمارک کی طرف سے ''اینڈرو ولدرب''

۶- نیز بلجیم، برطانیہ، ہسپانوی اشرافیہ اور بیوکریسی سے متعلقہ افراد

اینڈرو ولڈرب کا نام ہمارے لئے خاصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ گزشتہ پانچ برسوں سے بلڈربرگ کی کانفرنسوں میں شریک ہورہا ہے۔ یہ ڈنمارک کی ''ڈینش گیس اینڈ آئیل'' نامی کمپنی کا چیئرمین ہے۔ اس کی بیوی ''میری انڈرب'' جیولنڈس پوسٹن نامی پبلکیشن فرم کی مینیجنگ ڈائرکٹر ہے جس نے سب سے پہلے توہین رسالت سے متعلق خاکے شائع کئے۔ اس تنظیم کے بارے میں صحیح طور پر دقیق اطلاعات تو نہیں ہیں لیکن ''بین الاقوامی مافیا'' کے مصنف انیس الرحمٰن کے بقول اس تنظیم کا باقاعدہ قیام ۱۹۵۴ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بعد سے اس کے سالانہ

اجلاس عموماً یورپ میں منعقد ہوتے ہیں۔ عام طور پر اس کے مستقل ارکان کی تعداد ۱۲۰ر سے ۱۳۰ر تک رہی ہے۔ اس اجلاس کو انتہائی خفیہ رکھا جاتا ہے۔ کسی صحافی یا الکٹرانک میڈیا سے متعلق کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ (۹۸) اس تنظیم کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کے لئے ''بین الاقوامی مافیا'' کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

ہم نے ابھی تک جو کچھ بھی بیان کیا وہ تمام چیزیں ان حقائق اور واقعیات پر مشتمل تھیں جنہیں شواہد و قرائن کی روشنی میں ہم نے قریب دو مہینہ کی مسلسل کوشش و جستجو کے بعد مختلف جرائد، رسائل، اخبارات بالخصوص نیٹ اور دیگر منابع سے حاصل کیا۔ نہ جانے کتنی ایسی خفیہ تنظیمیں ہیں جو اپنے نہ جانے کس قدر خفیہ مقاصد اور خفیہ پالیسیوں کے ساتھ مصروف عمل ہیں لیکن ہمیں ان کی خبر تک نہیں۔ مغربی طاقتوں کی جانب سے کوئی اقدام ہوتا ہے اور ہم چیخ چلا کر اور نعرے بازی کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ وقتی تقاضوں کے سبب یہ بھی ایک ضروری امر ہے لیکن کیا یہ کافی ہے؟ خود سوچیں کہ مغرب کی اسقدر خفیہ پالیسیاں اور اسلام دشمن معاندانہ رویے اور اسلام کی نابودی کے خطوط پر ترسیم ہونے والی سیاست کا کیا یہی جواب ہے جو ہم کر رہے ہیں؟!!

بارش سنگ حوادث کا تماشائی بھی ہو
امت اسلام کی آئینہ دیواری بھی دیکھ

آج امت مسلمہ نے اگر بیداری کا ثبوت دیا ہوتا قرآن کی بے حرمتی اور مقدسات کی توہین پر محض رسمی اظہار افسوس نہ کر کے انکی جڑوں تک جانے کی کوشش کی ہوتی تو وہ بارش سنگ حوادث کے تماشائی نہ بنتے اور اپنے جزوی اختلافات میں نہ الجھے ہوتے بلکہ متحد ہو کر دشمن کے خلاف ایک محاذ پر شانہ بہ شانہ ڈٹے ہوئے نظر آتے اب بھی پوری امت مسلمہ چاہے تو ایک پلیٹ فارم پر آ کر اپنے دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے اور مل کر ایک ایسا واحد ردعمل پیش کر سکتی ہے جو عقلی و منطقی ہونے کے ساتھ ساتھ اسکی بصیرت کا بھی ترجمان ہو۔

قرآن کریم کی اہانت و بے حرمتی کے بعد اسلامی انقلاب کے رہبر کا بصیرت افروز بیان ایک ایسا محور بن سکتا ہے جسکی روشنی میں اس طرح کے اقدامات کے مقابل امت مسلمہ آئندہ ایک ایسی مشترکہ پالیسی اپنا سکتی ہے جس کے چلتے دشمن کو اس کی ہر چال میں ناکام بنایا جاسکے۔

استعمار و استکبار اور صہیونیت اپنے مذموم ارادوں سے نہ باز آئے ہیں اور نہ ہی آنے والے ہیں اس لئے کہ انکی گھٹی میں توہین، اہانت، اور دیگر مکاتب فکر کے تعلیمات کی بے حرمتی شامل ہے وہ کیوں کر اس سے پیچھے ہٹ سکتے۔ ہیں یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ اپنی تدبیر کو عمل میں لا کر انہیں ان کے منحوس عزائم سے باز رکھیں چنانچہ قرآن کی

اہانت کے بعد یوں تو مختلف دانشوروں، علماء ومفکرین، عمائدین اور دردمندان قوم نے اپنے اپنے تاثرات پیش کئے لیکن رہبر انقلاب نے جن چیزوں کو اپنے بیان میں پیش کیا ہے وہ قابل غور ہونے کے ساتھ ساتھ تمام مسلم معاشروں کے لئے قابل استفادہ ہیں لہذا اپنی اس تحقیقی کاوش کے حسن اختتام کے طور پر ہم اسلامی انقلاب کے رہبر کے بیان کا ترجمہ من عن پیش کررہے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الله العزيز الحكيم: انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون

ایران کی عزیز قوم اور اسلام کی عظیم امت:

امریکہ میں قرآن کریم کی بے حرمتی اور توہین کا جنون آمیز اور نفرت انگیز واقعہ درحقیقت ایک بھیانک، تلخ اور سنگین واقعہ ہے اور اس کو صرف چند احمق شر پسند اور دیوانے افراد کی سعی وکوشش قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ کام بعض ان مراکز کی جانب سے ایک سوچی سمجھی سازش اور منظم ومرتب منصوبے کے تحت انجام پذیر ہوا ہے جو کئی برسوں سے دنیا کو اسلام سے ڈرانے اور اسلام کا مقابلہ کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور سینکڑوں طریقوں اور ہزاروں تبلیغاتی، مواصلاتی اور نشریاتی وسائل کے ذریعہ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ ہیں ان کے فاسد اور مجرم حلقوں کا یہ ایک نیا سلسلہ ہے جس کا آغاز سلمان رشدی ملعون سے ہوا اور ڈنمارک کے کارٹونسٹ کی توہین آمیز حرکت اور ہالی وڈ میں اسلام کے خلاف بنائی گئی دسیوں فلموں کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا، جواب اس نفرت انگیز عمل کی شکل میں ظاہر ہوا ہے ان شر پسند حرکات کے پس پردہ کون لوگ اور کون شر پسند عناصر ہیں؟

حالیہ برسوں میں ان شرارتوں کا سلسلہ افغانستان، عراق، فلسطین، لبنان اور پاکستان میں جاری رہا ہے جس کے بعد کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس سازش کا اصلی نقشہ اور حقیقی منصوبہ صہیونی افکار اور تسلط پسند نظام کے رہنماؤں کے ہاتھوں میں ہے جنکا امریکی حکومت، امریکی سکیورٹی اور فوجی اداروں نیز برطانوی حکومت اور بعض دیگر یورپی حکومتوں پر اچھا خاصا تسلط ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو 11 ستمبر کے واقعہ میں ملوث ہیں اور مستقل تحقیقات کی روشنی میں 11 ستمبر کی کارروائیوں کا الزام انہی عناصر کے کاندھوں پر عائد ہوتا ہے جنھوں نے امریکہ کے اس دور کے جرائم پیشہ صدر کو افغانستان اور عراق پر حملہ کرنے کا بہانہ فراہم کیا اور اس نے صلیبی جنگ کا اعلان کیا اور اطلاعات اور رپورٹوں کے مطابق اسی شخص نے کل یہ اعلان بھی کیا ہے کہ چرچ کے شامل ہونے سے اس صلیبی جنگ کا میدان کامل ہوگیا ہے۔

حالیہ نفرت انگیز اقدام کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف عیسائی برادری کو ہر لحاظ سے اسلام اور مسلمانوں کا

مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتارا جائے اور پادریوں اور چرچ کی مداخلت سے اس کو مذہبی رنگ دیا جائے تا کہ مذہبی تعصّبات وتعلقات کا اس پر گہرا اثر پڑے اور دوسری طرف امت اسلام کا دل مجروح کر کے اس کو مشرق وسطی اور عالم اسلام کے مسائل سے غافل کر دیا جائے۔

عداوت اور دشمنی پر مبنی یہ اقدام کوئی نیا اقدام نہیں ہے بلکہ یہ عمل امریکی حکومت اور صہیونزم کی سرکردگی میں اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے طویل المدت منصوبہ کا حصہ ہے۔ سامراجی واستکباری رہنما اور نمایندگان کفر اس لئے اسلام کے مقابلے میں آ گئے ہیں، کیونکہ اسلام انسان کی آزادی اور معنویت کا دین ہے، اور قرآن رحمت و حکمت اور عدل و انصاف پر مبنی کتاب ہے، تمام ادیان ابراہیمی اور تمام حریت پسندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ملکر اسلام سے مقابلہ کرنے کی صہیونیوں کی نفرت انگیز حرکتوں اور سازشوں کو ناکام بنائیں، امریکی حکام فریب کارانہ اور خالی باتیں بنا کر اپنے آپ کو اس سنگین جرم کی ہمراہی کرنے سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ کئی برسوں سے افغانستان، پاکستان، عراق، لبنان اور فلسطین میں لاکھوں مسلمانوں کی عزت و حرمت، حقوق اور ان کے مقدسات کو پامال کیا جا رہا ہے، لاکھوں افراد ہلاک، کئی ہزار مرد وعورتیں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا، ہزاروں بچے اور عورتیں اغوا، کئی لاکھ زخمی، معذور اور آوارہ وطن، ان لوگوں کو کس جرم کی سزا میں قتل کر دیا گیا؟ مسلمانوں کی اس مظلومیت کے باوجود، مغربی میڈیا میں کیوں مسلمانوں کو تشدد پسند اور اسلام اور قرآن کو بشریت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے؟ ہر انسان جانتا ہے کہ امریکی حکومت کے اندر موجود صہیونیوں کی مدد، تعاون اور مداخلت کے بغیر اتنی بڑی اور وسیع سازش کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں ہے؟!

میرے عزیز بھائیو اور بہنو!

میں مندرجہ ذیل چند نکات کی طرف سب کی توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

اول: اس حادثے اور اس سے پہلے رونما ہونے والے حوادث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آج سامراجی نظام کے حملے کا اصلی نشانہ، اسلام عزیز اور قرآن مجید ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ سامراجی طاقتوں کی آشکار دشمنی کا اصلی سبب بھی یہی ہے اور سامراجی طاقتوں کے ساتھ اسلامی جمہوریہ ایران کا آمنے سامنے کا مقابلہ بھی اسی وجہ سے ہے۔ دشمن کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہ کرنے کا اظہار محض ایک شیطانی فریب اور بہت بڑا جھوٹ ہے وہ اسلام اور ہر اس فرد کے دشمن ہیں جو اسلام کا پابند ہے اور

جس میں مسلمان ہونے کی کوئی علامت پائی جاتی ہے۔

دوم: اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عداوتوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گذشتہ چند برسوں سے اب تک نور اسلام پہلے کی نسبت درخشاں تر ہوگیا ہے۔ عالم اسلام بلکہ مغربی ممالک میں لوگوں کے دلوں میں اسلام کا جذبہ پیدا ہورہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام نے اپنا نفوذ اور راستہ بنالیا ہے اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ امت اسلامی پہلے کی نسبت بیدار ہوچکی ہے مسلمان قوموں نے اب سامراجی اور تسلط پسند طاقتوں کی دوصدیوں سے اپنے پیروں میں پڑی ہوئی زنجیروں کو توڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ناقابل برداشت اور ناقابل تحمل اور بہت ہی تلخ عمل ہے لیکن یہ عمل اپنے دل میں ایک عظیم بشارت کا بھی حامل ہے کہ قرآن مجید کا درخشاں آفتاب روز بروز درخشاں تر ہوتا جائے گا۔

سوم: ہم سب کو جان لینا چاہیے کہ حالیہ حادثے کا تعلق چرچ اور عیسائی برادری سے نہیں ہے اور کچھ صہیونی مزدور پادریوں کی نازیبا حرکات کا الزام تمام عیسائیوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں پر عائد نہیں کرنا چاہیے۔ ہم مسلمان اس قسم کے نازیبا عمل کو دوسرے ادیان کے مقدسات کے لئے ہرگز روا نہیں سمجھتے ہیں اس سازش اور منصوبہ کا اصلی مقصد مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان نفرت اور عداوت کی دیوار قائم کرنا ہے جبکہ ہمیں قرآن مجید نے جو درس دیا ہے وہ اس بات کے بالکل خلاف ہے۔

چہارم: آج تمام مسلمانوں کا امریکی حکومت اور امریکی سیاستدانوں سے مطالبہ ہے کہ اگر وہ اس معاملہ میں اپنی عدم مداخلت کے دعوے میں سچے ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کرنے والے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے اصلی مجرموں کو پکڑ کر انھیں واقعی سزا دیں۔

والسلام علی عباد اللہ الصالحین (۹۹)

سید علی خامنہ ای

۲۲/شہریور/۱۳۸۹ش

حوالے و حواشی:

۱۔ستر کی دہائی میں مائیکل ہارٹ نامی عیسائی مصنف نے اپنی تحقیقی کتاب دی ۱۰۰ گریٹ میں جب سو عظیم شخصیتوں کا تذکرہ کیا جنھوں نے مختلف شعبہ ہائے حیات میں انسانیت کے لئے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے درجہ پر قرار دیا۔www.urdupoint.com

۲۔رؤوس یک قطعنامہ جہانی، کیہان ۷۸/۲/۲۱

۳۔فاروق ملک، قانون بین الاقوام ص ۳۱/
۴۔www.jang.com
۵۔۱۴فروری ۲۰۰۶ءwww.Bbcurdu.com
۶۔۱۵/فروری ۲۰۰۶ءwww.Siasat.com
۷۔ www.Nauristgornal.com, www.Interestingpeple
۸۔ www.Interestingpeple ,
۹۔ WWW.free Expressionorg.newswire
۱۰۔ WWW.lawmurdoch. edu.au.christophen kendalli{seniorlectuter
school of law murdoch university}
۱۱۔ WWW.Interestingpeple
۱۲۔ WWW.Bbcurdu.com ۱۴/فروری۔6.29.GMT
۱۳۔WWW.jang.com
۱۴۔آبروئے مازنام مصطفیٰ است، کالم، حرف راز، WWW.jang.com
۱۵۔ایضا
۱۶۔ایضا
۱۷۔ایضا
۱۸ ۔روژہ گارودی، المسیر ی، ص ۳۳، ۳۶،
۱۹۔ ۔http://www.fedu.tebyan.net/index.aspx?pid=41112
۲۰ دنیا باز یچہ یہود، ص ۱۲
۲۱۔WWW.jang.com
۲۲۔ایضا
۲۳۔ایضا
۲۴۔ا شبکہ اہانت ہا راچہ کسی ہدایت می کند، جمہوری اسلامی ۸۱/۸/۲۶
۲۵۔ایضا

۲۶۔ایضا
۲۷۔مطبوعات نائجیریہ وعبور از خط قرمز، جمہوری اسلامی ۸۱/۸/۲۶
۲۸۔ایضا
۲۹۔ارتباط ۱۱ر سپتامبر وتوہین مقدسات، مردم سالاری، ۸۱/۹/۹
۳۰۔شبکہ اہانت ہا راچہ کسی ہدایت می کند، جمہوری اسلامی، ۸۱/۸/۲۶
۳۱۔وزارت ایمان ومقدسات، توسعہ، ۸۰/۳/۲۱
۳۲۔تقدیس مقدسات در شریعت امریکائی، جام جم، ۸۳/۶/۲
۳۳۔ از مسجد الاقصی تا گواتانامو، ابرار، ۸۴/۳/۳
۳۴۔www.rasanews.com
۳۵۔http://www.abna.ir/print.asp?lang=6&id=178744
۳۶۔http://www.abna.ir/print.asp?lang=6&id=178744
۳۷۔http://www.abna.ir/data.asp?lang=6&id=207775
۳۸۔www.janf.com ۲۲ر محرم الحرام، مطابق ۲۳ر فروری ۲۰۰۶ء
-39
"Traumatic experience of the crausades gave eupose its cultural awwareness and its unity: ,but this same esperience was destined heneeforth also too provide the false colour in wich islam was too appear too westerneyes .not simply becuse the crusades meant waar and blood shed .so may wars have been wage between nation,s and subsequently forgottn . and so mane any mosities viche in ther time seemed in eradi cable have later turned into friendships. the damage caused by the crusades was not restricted to a clash of weapons ;it was first and formst,an intellectual damage _ the poisoning of the western mind against

the muslim world through a deliberate misrepresentation of the teaching and ideals of islam ,for acrusade was to maintein its validity,the prophet of the muslims had,of neccessity.to be stampes as the anti-christ and his crusades,that the ludierous notion that islam was a religion of crude sensualism and brutal violence,of and observance of ritual instead of a purfication of heart,entered the western mind and remainded there,and its was then that the name of the prophet muhammad-the same muhammad who had insisted that his owr followers respect the prophets of other religions-was contemptmptuosly by Europens in to "mahound" -

۴۰۔ قرآن اور مستشرقین ص/۱۷۰

۴۱۔قرآن اور مستشرقین،ص/۱۵۹

۴۲۔قرآن ومستشرقین ۱۶۰

۴۳۔قرآن ومستشرقین ۱۶۵

۴۴۔درآمدی برقرآن،رژی بلاشر،ترجمہ اسداللہ مبشری،ص۱۱۔

۴۵۔تمدن وعلوم اسلام/۱۰

۴۶۔بیان حقیقت،ص/۳۳

۴۷۔اسلام چیست/۱۸

۴۸۔بوناپارٹ اور اسلام،ص/۱۰۵

۴۹۔قرآن اور مستشرقین،۱۷۶

۵۰۔قرآن اور مستشرقین،۱۷۶

۵۱۔قرآن اور مستشرقین،ص/۱۵۹،تمدن وعلوم اسلام/۱۰

۵۲۔بیان حقیقت،ص/۳۳

۵۳۔اسلام، دین وامت، لوئی گاردہ، ترجمہ مشایخی رضا ص ۲۰/
۵۴۔مسلمانوں کی تمدنی تاریخ، عنبر آصف آغائی، یونیورسل پبلشر، کراچی، پاکستان
۵۵۔قرآن برفراز آثار نقل از ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، جلد ا ص ۱۳۸/
۵۶۔تاثیر اسلام براروپای قرون وسطی، ترجمہ حسین عبدالمحمدی، ص ۱۴۳/
۵۷۔ایضا
۵۸۔تمدن اسلامی اززبان بیگانگان، ص ۱۰۶/
۵۹۔تاثیر اسلام براروپای قرون وسطی، ترجمہ حسین عبدالمحمدی، ص ۱۴۳/
۶۰۔ایضا
۶۱۔ویل ڈورنٹ، تاریخ تمدن، ص ۴۰۳/
۶۲۔ شناخت استکبار، جواد منصوری
۶۳۔ درجستجوی راہ از کلام امام خمینی، فرھنگ تعلیم وتربیت ص ۴۶/"
۶۴۔عوامل موثر در تعلیم وتربیت، از دیدگاہ امام خمینی (رہ) ص ۲۹۴/
۶۵۔احیاء علوم الدین، ص ۱۱/
۶۶۔مغربی سیاسی افکار، چودھری احسان اللہ، ص ۵۵۔
۶۷۔ایضا ص ۵۵/
۶۸۔۔ایضا ،ص ۵۷/
۶۹۔ایضا ،ص ۵۷/
۷۰۔ http://www.jamejamonline.ir/newstext.aspx?newsnum= 100886844802
۷۱۔http://www.jamejamonline.ir/newstext.aspx?newsnum=100886844802
۷۲۔تاریخ یک ارتداد اسطورہ ہائے مذیانگزار سیاست اسرائیل، ۳۱ پروژہ صہیونیزم، رواق اندیشہ، شمارہ ۳۶/ص ۲۱/
۷۳۔جان کولمن، جنگ روانی، ص ۴۶
۷۴۔نساء ۱۰۲/

۷۵۔استعماری سازشیں،ص۵، مسلمانان دردام جنگ تمدنھا نیافتند WWW.Baztab.com

۷۶۔ مسلمانان دردام جنگ تمدنھا نیافتند WWW.Baztab.com

۷۷۔ وزارت ایمان،امریکا،مہران قاسمی،توسعہ،۸۰/۳/۲۱

۷۸۔مغربی سیاسی افکار،چودھری احسان اللہ،ص۲۳

۷۹۔WWW.Baztab.com

۸۰۔ www.urdupoint.com،۱۵فروری ۲۰۰۶ء

۸۱۔استعماری سازشیں،ص۸

۸۲۔محمد یعقوب کلینی،اصول کافی،جلد۱ص۲۶

۸۳۔نہج البلاغہ/مکتوب ۵۳

۸۴۔غرر الحکم،جلد۲،ص۸۰۲

۸۵۔وَ قالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْديهِمْ وَ لُعِنُوا بِما قالُوا بَلْ يَداهُ مَبْسُوطَتانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشاءُ وَ لَيَزيدَنَّ كَثيراً مِنْهُمْ ما أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْياناً وَ كُفْراً وَ أَلْقَيْنا بَيْنَهُمُ الْعَداوَةَ وَ الْبَغْضاءَ إِلى يَوْمِ الْقِيامَةِ كُلَّما أَوْقَدُوا ناراً لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَساداً وَ اللَّهُ لا يُحِبُّ الْمُفْسِدين۔

ترجمہ؛اور یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جب کہ اصل میں انہیں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بنا پر ملعون ہیں اور خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کا انکار ان میں سے بہت سوں کے کفر اور ان کی سرکشی کو اور بڑھا دے گا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے عدوات اور بغض پیدا کر دیا ہے کہ جب بھی جنگ کی آگ بھڑکانا چاہیں گے خدا بجھا دے گا اور یہ زمیں میں فساد کی کوشش کر رہے ہیں اور خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔/مائدہ ۶۴۔

۸۶۔وَ مِنْ أَهْلِ الْكِتابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدينارٍ لا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا ما دُمْتَ عَلَيْهِ قائِماً ذلِكَ بِأَنَّهُمْ قالُوا لَيْسَ عَلَيْنا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبيلٌ وَ يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ

الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُون/ آل‌عمران،۷۵

۸۷۔فَبِما نَقْضِهِمْ ميثاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَ جَعَلْنا قُلُوبَهُمْ قاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَواضِعِهِ وَ نَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَ لا تَزالُ تَطَّلِعُ عَلى خائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلاَّ قَليلاً مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنينَ / مائدہ/۱۳۔

۸۸۔وَ لَقَدْ آتَيْنا مُوسَى الْكِتابَ وَ قَفَّيْنا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَ آتَيْنا عيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّناتِ وَ أَيَّدْناهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَ فَكُلَّما جاءَكُمْ رَسُولٌ بِما لا تَهْوى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَريقاً كَذَّبْتُمْ وَ فَريقاً تَقْتُلُون/بقرہ۔۸۷

۸۹۔ لُعِنَ الَّذينَ كَفَرُوا مِنْ بَني إِسْرائيلَ عَلى لِسانِ داوُدَ وَ عيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذلِكَ بِما عَصَوْا وَ كانُوا يَعْتَدُون/مائدہ/۷۸۔

۹۰۔يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا لا تَتَّخِذُوا بِطانَةً مِنْ دُونِكُمْ لا يَأْلُونَكُمْ خَبالاً وَدُّوا ما عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضاءُ مِنْ أَفْواهِهِمْ وَ ما تُخْفي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآياتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُون آل‌عمران،۱۱۸

۹۱۔إِنَّ الَّذينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَها ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَ الَّذينَ كَفَرُوا إِلى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ / انفال / ۳۶

۹۲. مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَديثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ يَتَّخِذَها هُزُواً أُولئِكَ لَهُمْ عَذابٌ مُهين . لقمان / ۶

۹۳. ما يَوَدُّ الَّذينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتابِ وَ لاَ الْمُشْرِكينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَ اللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشاءُ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظيم بقرہ/ ۱۰۵

۹۴۔وَدَّ كَثيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إيمانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَ اصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلى كُلِّ شَيْءٍ قَديرٌ بقرہ/ ۱۰۹

۹۵۔وَ إِذا كُنْتَ فيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلاةَ فَلْتَقُمْ طائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَ لْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرائِكُمْ وَ لْتَأْتِ طائِفَةٌ أُخْرى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَ لْيَأْخُذُوا

حِـذْرَهُمْ وَ أَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَ أَمْتِعَتِكُمْ فَيَميلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً واحِـدَةً وَ لا جُـنـاحَ عَـلَيْـكُمْ إِنْ كانَ بِكُمْ أَذىً مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَ خُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكافِرينَ عَذاباً مُهيناً ، نساء / ۱۰۲

۹۶ـلتـجـدنَّ أَشَـدَّ الـنَّـاسِ عَـداوَـةً لِلَّذينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَ الَّذينَ أَشْرَكُوا وَ لَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِـلَّـذيـنَ آمَـنُوا الَّذينَ قالُوا إِنَّا نَصارى ذلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسينَ وَ رُهْباناً وَ أَنَّهُمْ لا يَسْتَكْبِرُون(مائده ۸۲

۹۷ـ بین الاقوامی مافیا، محمد انیس الرحمٰن ص/۳۶

۹۸ـ ایضا

۹۹ـ http://www.leader.ir/

http://www.hamshahrionline.ir/news-116051.aspx

اتحاد کے علمبردار

شیخ طوسی کی نظر میں تقریب کے اسباب
پر ایک طائرانہ نظر

علی اصغر احمدی
ترجمہ: اخلاق حسین پکھناروی

خلاصہ:

شیخ طوسی: وہ سب سے پہلے اسلامی دانشور ہیں جنھوں نے سید رضی کی وفات کے بعد ۳۸۵ سے ۴۶۰ ھ ق یعنی اپنے ۷۵ سالہ دور حیات میں امت مسلمہ کے درمیان اتحاد اور یکجہتی کی کوشش کی اور شیعہ مرجعیت کے مانند درخشاں اور تابناک امر کی ذمہ داری سنبھالی نیز بغداد میں شیعہ اور سنی علماء کے لئے مشترکہ مسند درس بچھائی اور متحدہ مکتب بنیاد ڈالی اور اس کے علاوہ نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کی تاسیس کے ساتھ ساتھ ''التھذیب، الاستبصار، الفھرست، اختیار کتاب الکشی، الخلاف'' وغیرہ جیسی تالیفات کیں اور بے شمار نمایاں کام انجام دئے۔

اس مقالہ میں شیخ طوسی کی نظر میں تقریب کے اسباب میں سے صرف ۷/ مورد کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔ اہلسنت کے نظریات سے استفادہ۔
۲۔ فقہ مقارن کی ایجاد۔
۳۔ اہلسنت کے قیاس اور استحسان کی طرف توجہ۔
۴۔ فکری مکتب میں توسیع اور فکری آزادی۔

۵۔قومی اور خاندانی تعصب سے دوری۔
۶۔فکری جمود، اور ایسی فکر کے مالک افراد اور گروہ سے مبارزہ
۷۔عقل کی جانب توجہ۔
الفاظ کی تشریح: شیخ طوسیؒ، تقریب، اندیشہ تقریب اور راہ تقریب۔

اس وقت مسلمانوں کے درمیان امت مسلمہ کے اتحاد اور یکجہتی سے بہتر اور اہم کوئی چیز نہیں ہے۔ خداوند عالم کے لطف کرم سے اس وقت خالص فکری بنیادیں، صف اول کے دانشور حضرات اور مفکرین، گوناگوں فرقوں اور مذاہب میں سے مسلمانوں کے درمیان اصل اتحاد اور اسلامی افکار کے درمیان اتحاد، یکجہتی اور ہمدلی کی طرف ایک ناگزیر ضرورت کے عنوان سے توجہ دے رہے ہیں۔ اور اس کے متعلق خاص اہتمام کر رہے ہیں۔
(۱۔کارشناسی ارشد کلامی شیعی)

کیوں کہ جانتے ہیں کہ امت مسلمہ اسلام کے آغاز سے چودہ صدی سے زیادہ عرصہ تک اسلام دشمن عناصر اور بدخواہوں کی طرف سے نا جانے کیسے کیسے دشوار حالات اور جانکاہ مشکلات سے دو چار رہی ہے اور مسلمانوں کی ایک دوسرے سے دوری اور آپسی تفرقہ کی گواہ ہے۔

لیکن خوش قسمتی یہ ہے کہ اسلامی مذاہب کے صف اول کے علماء اور دانشور حضرات ابتداء ہی سے امت مسلمہ کے درمیان وسیع پیمانہ پر اختلاف اور تفرقہ کے باوجود اتحاد کو ایک ضروری اور حیات بخش عنوان سے دیکھتے رہے ہیں۔ ان کے درمیان بعض علماء اور دانشوروں کا کردار کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے۔

شیخ طوسیؒ ان ممتاز اور نمایاں علماء میں سے ایک ہیں جنھوں نے اس میدان میں حق گوئی کی اور دوسروں کے مقابلہ میں بڑی ہی مہارت اور حسن اسلوب کے ساتھ آگے بڑھ گئے ہیں اس مکتوب میں تقریب بین المذاہب الاسلامیہ کے سلسلہ میں شیخ طوسی کے علمی اور عملی کردار کی تحقیق کی جائے گی۔

شیخ طوسیؒ کی مختصر سوانح حیات اور علمی خدمات

آپ کا نام ابوجعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن ہے، لیکن آپ ''شیخ الطائفہ'' اور ''شیخ طوسی'' کے نام سے مشہور ہیں، آپ ماہ رمضان ۳۸۵ھ میں طوس کی سرزمین پر پیدا ہوئے اور ۲۲ر محرم الحرام ۴۶۰ھ کو دار فانی سے دار باقی اور جاوید کی جانب روانہ ہو گئے، اور جب ۲۳ر سال کے ہوئے تو ہجرت کر کے بغداد چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی اور سب سے پہلے شیخ مفید کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ابتدائی علوم کی تعلیم حاصل کی اور ان کی وفات کے بعد

۴۱۳ھ میں ۲۳ سال تک سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کے وجود پُر فیض سے استفادہ کیا کیوں کہ شیخ مفید کے بعد مرجع علی الاطلاق سید مرتضیٰ ہی تھے لہذا شیخ ان کی توجہ کا مرکز بنے رہے اور جب سید رضی کی وفات ہوگئی تو شیخ طوسیؒ نے شیعہ مرجعیت کی ذمہ داری سنبھال لی اور خاص وعام کی توجہ کا مرکز بن گئے، آپ کا گھر بغداد کے محلّہ کرخ میں ان لوگوں کی آمد ورفت کا مرکز تھا جو دور اور نزدیک سے اپنے مسائل اور مشکلات حل کرنے کے لئے آپ سے رجوع کرتے تھے۔

شیخ طوسی کے نمایاں صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ (خلیفہ وقت) قادر باللہ نے سنی مذہب ہونے کے باوجود بغداد میں شیخ کے لئے (اس دور کے لحاظ سے علم ودانش کا مرکز) قائم کیا اور مسند تدریس کا بندوبست کیا یہ بات اس زمانہ میں شیخ کی شیعہ اور سنی مشترکہ علمی مباحث پر دسترس اور بلند علمی مقام کی حکایت کررہی ہے۔

شیخ طوسیؒ کے ذریعہ حوزہ علمیہ نجف کی تاسیس کی کیفیت، تاریخ زندگی کے قابل ذکر لمحات، اس عظیم المرتبت انسان کی مرہون منت ہیں۔ جب ۴۴۷ھ میں متعصب سنی مذہب سلجوقیوں کا فتنہ بڑھا اور شیعہ سنی کے درمیان نزاع اور کشمکش بام عروج پر پہنچ گئی، تو سلجوقی حکام نے شیعوں کے خلاف اپنے کسی مخاصمانہ اقدام سے دریغ نہیں کیا، ان کے وحشیانہ اقدامات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے گرانقدر اور بیش بہا علمی اور ثقافتی آثار کو نیست و نابود کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ کی لائبریری کو بھی نذر آتش کردیا کہ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ۱۰ ہزار نفیس جلدیں تھیں ان لوگوں نے اتنے ہی پر اکتفاء نہیں کی بلکہ ان کے گھر کو بھی تہس نہس کر ڈالا اور سارے اسباب لوٹ لئے تو شیخ مجبوراً بغداد سے ہجرت کر کے نجف آگئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی اور حوزہ علمیہ نجف اشرف کی بنیاد ڈالی۔ ایسا حوزہ علمیہ کے جو بعد میں عالم شیعت کے عظیم مرکز کے عنوان سے دنیا میں معروف ہوا اور اس کا چار دانگ علم میں چرچا ہونے لگا۔ (مطہری، ۱۳۶۷ش، ص ۸۱، ۸۲، حسینی دشتی ۱۳۶۹ش، ج ۳، ص ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، صفا، ۱۳۶۹ش، ج ۲، ص ۱۹۷، دھخدا، ۱۳۷۷ش ذیل "شیخ طوسیؒ")

(شیخ طوسی کا مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے کلامی، تفسیری، اصولی اور فقہی اصول ومبانی پر مکمل تسلط نیز ان مذاہب اور مذہب جعفری کے طرفداروں کے درمیان مشترکہ مسند تدریس کا قیام باعث ہوا کہ تقی الدین سبکی جیسے کج فکر اور سادہ لوح انسان نے شیخ کو شافعی مذہب سمجھ لیا اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کی تیسری جلد میں لکھتا ہے: شیعہ فقیہ ابو جعفر طوسی شافعی مصنفین میں سے ایک ہیں اور انھوں نے شافعی مذہب کے مطابق پرورش پائی ہے اور میں انھیں شافعی مذہب کے عنوان سے پہچانتا ہوں۔ (طوسی، ۱۴۰۷ھ، ج ۲، ص ۱۲)

شیخ طوسی مختلف علوم وفنون میں متعدد تالیفات کے مالک ہیں کہ ان میں سے درج ذیل موارد کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ فقہ میں "النهاية" ہے کہ جو ماضی میں طلاب کی درسی کتابوں میں شمار ہوتی تھی اور یہی شیخ کا رسالہ

عملیہ بھی تھا۔

۲۔ " **المبسوط** "، کہ جس نے فقہ کو ایک جدید مرحلہ میں وارد کیا اور اپنے زمانہ میں فقہ کے موضوع پر مفصل اور مشروح ترین کتاب شمار ہوتی تھی۔

۳۔ " **الخلاف** "، کہ جس میں اہل سنت اور شیعہ دونوں فقہاء کے آراء و نظریات ہیں۔

۴۔ حدیث کی دو کتاب یا "**استبصار** " اور " **التھذیب** " نامی دو شیعہ اصل۔ [۱]

۵۔ " **الرجال** " اور " **الفھرست** " اور " **اختیار کتاب الکشی** "، رجال میں تین اصلی کتاب۔

۶۔ تفسیر التبیان، ۲۰ جلد میں۔

۷۔ "**مصباح المتھجد** " اخلاق اور سیر و سلوک وغیرہ میں۔

شیخ طوسی کی علمی حیثیت اور قدر و منزلت کچھ اتنی ہی زیادہ تھی کہ ان کے بعد زیادہ تر شیعہ علماء انھیں کے فقہی، کلامی اور تفسیری افکار اور نظریات کے تابع رہے یعنی علمی دبدبہ کچھ اتنا زیادہ تھا کہ خاص کر فقہ میں کسی فقیہ نے ان کے آراء نظریات کے سامنے اپنی رائے و نظر کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں کی۔

مشہور ہے کہ اگر ایک صدی پہلے تک فقہ میں بطور مطلق لفظ "شیخ" کا استعمال ہوتا تھا تو اس سے مراد شیخ طوسی ہی ہوتے تھے، اور جب "شیخان" کہتے تھے تو اس سے مراد "شیخ مفیدؒ اور شیخ طوسیؒ " ہوتے تھے۔

شیخ طوسیؒ اگرچہ شیعوں کی طرف سے "**شیخ الطائفہ** " کے عنوان سے جانے اور پہچانے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود علماء اہل سنت کی توجہ کا بھی مرکز تھے اور دونوں ہی گروہ سے بے شمار شاگردوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی اور زانو ادب تہہ کیا۔ (حسینی دشتی سابق، ص/۱۴۵۶، مطہری سابق، ص/۸، عقیقی، بخشائشی ۱۳۷۲ھ ش، ص/۷۰ اور ص/۸۲ روضاتی: ۱۳۶۲ھ ش، ص/۲۵۷۔۲۵۸)

شیخ طوسیؒ کی نظر میں تقریب کے اسباب

شیخ طوسیؒ شیعوں کے اعتقادی اور فقہی مرکز اور مرجع کے عنوان سے معروف ہونے کے باوجود یقینی طور

۱۔ ہر اعتقادی مذہب میں اصل سے مراد وہ کتاب ہے جو اصل روایت و حدیث سے کسی دخل و تصرف کے بغیر ماخوذ ہو اور اس مذہب کے علماء اور بزرگان کے رجوع کا مرکز ہو اور اس کے مسندات میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو مثال کے طور پر اہل سنت کے درمیان صحاح ستہؓ کی یہی حیثیت ہے اور شیعہ مذہب میں احکام کے مراجع اربعہ یا اصطلاح میں "اصول اربعہ" اور چار تراجم مرجع "اصول اربعہ رجالیۃ" کے نام سے پایا جاتا ہے کہ ان کے درمیان شیخ طوسیؒ کا حصہ قابل قدر اور نمایا ہے کیوں کہ ۸/ اصل مرجع میں پانچ اصل اور مرجع تو انھیں کا ہے۔

سے انھوں نے شیعہ اصول اوران کی آرزؤں کا دفاع کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی کوئی کسر اٹھا رکھی ہے، لیکن مکتب کا پورے عزم کے ساتھ ڈٹ کر دفاع کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ شیعہ اور سنی کے درمیان مشترکہ وجوہ کو نظر انداز کر دیا جائے اس اعتبار سے مجھے لگتا ہے کہ شیخ طوسیؒ نے ان دونوں کے درمیان مشترکہ اعتقادی اور سیاسی اصول کی تلاش میں آیات وروایات اور معقول ومنقول مکاتب کو کھنگھال ڈالا ہے اگر چہ جو اندیشہ تقریب آج موجود ہے شاید وہ شیخ طوسیؒ کے دور میں نہ رہا ہو۔لیکن بعض آثار تحقیقات اور مستندات دیکھنے کے بعد شیخ الطائفہ کے اندیشہ میں تقریب کے اسباب کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ہم نے اندیشہ شیخ طوسیؒ میں تقریب کے اسباب کو ۷/موارد میں فہرست وار بیان کیا ہے، البتہ ان میں سے بعض کو ایک عنوان کے تحت بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اہل سنت کے نظریات سے استفادہ: میری نظر میں وسیع اسلامی علم و دانش اور اندیشہ تقریب کے درمیان براہ راست ایک نوع مناسبت پائی جاتی ہے یعنی اسلامی دانشوروں کے مختلف دینی موضوعات میں جتنی معلومات بڑھتی جائے گی خود بخود تقریب بین المذاہب کی طرف ایک قسم کا رجحان پیدا ہوتا جائے گا۔شیعہ اور سنی دونوں فرقے کے صف اول کے دو ہمعصر عالم دین آیۃ اللہ العظمی بروجردیؒ اور شیخ شلتوت اس ادعا کا نمایاں نمونہ ہیں، شیخ طوسیؒ بھی اپنی وسیع علمی معلومات اور اسلامی علوم میں کافی غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچ چکے تھے۔شیخ کا ایک ابتکار اہل سنت کے نظریات سے استفادہ اوران کے فقہی، کلامی، تفسیری مسائل سے نتیجہ نکالنا ہے، یہ استفادہ اگر چہ مثبت اور منفی دو جہت کا حامل ہو سکتا ہے لیکن حق اور انصاف یہ ہے کہ اس کی مثبت جہت غالب ہے یعنی یہ کہ شیخ طوسیؒ کا ہم پلہ عالم اپنی کتابوں جائزوں اور تحلیلوں میں اہل سنت کے نظریات کو ذکر کر رہا ہے، اس سے مسلمانوں کے فکری اور علمی اتحاد کی راہ ہموار ہو سکتی ہے نیز مشترکہ اعتقادی امور میں تفاہم کا زیادہ سے زیادہ امکان ہو سکتا ہے، تفسیر تبیان میں اہل سنت کی تفسیروں سے کافی مطلب نقل کئے گئے ہیں اس طرح سے کہ مشہور ترین کچھ رجالی کہ جن سے اس تفسیر میں مطالب نقل ہوئے ہیں، ان کی تعداد ۱۰/افراد سے زیادہ ہے، حسن بصری، قتادہ بن دعاسہ، ابوعلی جبائی، ابراہیم زجاج، ضحاک بن مزاحم، ابوالقاسم، عبداللہ ابن احمد بلخی، علی ابن عیسیٰ رومانی، ابوعبید جراح، محمد ابن جریر طبری اور عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج جیسے افراد (کریمان، ج ۳/، ص/۲۲۹ اور ص/۲۳۰ ملاحظہ ہو) بعنوان مثال اس تفسیر میں آیت (اکملت لکم دینکم) کے ذیل میں ذکر ہوا ہے: ابن عباس، سدی اور اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمھارے فرائض، حدود، امر ونہی اور حلال وحرام کو اس بنیاد پر کہ جو میں نے نازل کیا ہے کامل کر دیا اس اعتبار سے نہ اس میں کوئی زیادتی پائی جا رہی ہے اور نہ کوئی کمی کہ اس دن کے بعد نسخ کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ ہو۔(حکم، سعید ابن جبیر، اور قتادہ کہتے ہیں: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے

تمھارے لئے حجت تمام کردی اور زجاج کہتا ہے کہ (اکملت لکم دینکم) کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تم کو تمھارے دشمنوں سے محفوظ کردیا اور تم کو ان پر مسلط کردیا پھر ان تمام نظریات کو نقل کرنے کے بعد امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آیت کی دلالت رسول اکرمؐ کی نص کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کے نصب پر ہے اور یہ غدیر خم کا واقعہ بیان کررہی ہے۔

شیخ کی الخلاف کہ جس میں اہل سنت کے گوناگوں مذاہب کے فقہی نظریات ہیں اور اس کتاب کی تالیف وتدوین کا اصل ہدف اور فلسفہ بھی یہی شمار ہوتا ہے، اور اہلسنت والجماعت کے گزشتہ علماء کے آراء ونظریات سے بھری پڑی ہے کہ ہم یہاں پر مثال کے طور پر صرف دو مورد کی طرف اشارہ کررہے ہیں: کتاب الحج، ج۳/ص۱۴۰/ میں اس طرح ذکر ہوا ہے " **السعی بین الصفا والمروة رکن ، لا یتم الحج الا به** " لیکن ابن مسعود، ابن عباس اور ابی ابن کعب کہتے ہیں: "**السعی سنة و لیس واجب "و قال ابو حنیفه واجب و لیس برکن و هو بمنزلة المبیت بالمزدلفة**"(سابق ۴۳۵)

نیز "**الخلاف کی چوتھی جلد** "میں کتاب النکاح کا دوسرا مسئلہ ذکر ہوا ہے "**النکاح مستحب غیر واجب للرجل والنساء ، و به قال ابوحنیفه و اصحابه و مالک و شافعی ، واللیث بن سعد والاوزاعی و کافةالعلماء . و قال داؤد النکاح واجب**"(سابق، ج۴/ص۲۴۵/۔۲۴۶)

البتہ اس بات میں بحث کی گنجائش ہے کہ کیا اہل سنت کی احادیث سے استفادہ اور شیخ طوسی جیسے علماء کے ذریعہ تجزیہ وتحلیل نے انحرافی تمدن اور ثقافت کا راستہ کھول دیا ہے یا ایسا نہیں ہے؟ جو چیز قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ شیخ طوسیؒ نے شیعہ اور سنی کے درمیان تعصب کی خاص فضا اور ماحول کے باوجود پوری جرأت کے ساتھ اہل سنت کی احادیث کا ذکر کیا ہے یہ انکے بلند افکار ہیں کہ اصول مذہب کی جانب توجہ اور اسکے اصول ضوابط کی حد درجہ پابندی کے ضمن میں انصاف اور اعتدال کی رعایت کرتے ہوئے مخالفین کے نظریات سے بھی استفادہ کیا ہے تاکہ اس طرح سے ان دونوں فکری مکاتب کو ایک دوسرے سے نزدیک کرسکیں۔

فقہ مقارن کی ایجاد

شیخ طوسی کی قریب کرنے والی مولفات کے درمیان، فقہ مقارن کی ایجاد بے نظیر اور بے سابقہ ہے۔ فقہ مقارن یعنی شیعہ فقہی مباحث کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے فقہی نظریات کا بیان، فقہی مباحث پر ایسی نظر شیعوں کے درمیان اتنی صراحت کے ساتھ شیخ طوسیؒ سے پہلے یا تھی ہی نہیں یا اگر تھی تو بہت ہی نادر اور کامیاب صورت میں۔

بغداد میں گوناگوں مذاہب، فرقوں، مختلف گروہ اور پارٹیوں کی وجہ سے جو علمی بلند پایہ بے نظیر فضا ہموار ہوئی تھی شیخ نے اس کی پاسبانی کرتے ہوئے گزشتہ امامیہ اور معتزلہ متکلمین کے ذریعہ ایک قسم کی تبدیلی ایجاد کردی اور ایک نئے کام کے لئے قدم اٹھایا یعنی اصول اور فقہ مقارن کی تاسیس کی۔

اسلام میں فقہ مقارن کا سابقہ جعفری مکتب میں تلاش کرنا چاہئے کیوں کہ سب سے پہلا فقہی مکتب کہ جو اسلام کے دامن سے نکلا وہ مکتب جعفری ہے۔

اس مکتب کے رئیس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مختلف فقہی اور کلامی صاحبان آراء نظریات سے مناظرہ کیا نیز عراق اور حجاز کے فقہاء کے آراء ونظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ہر مسئلہ میں اپنے صحیح نظریہ کا اظہار بھی کیا اس لحاظ سے فقہ مقارن کا بانی اور موسس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو جاننا چاہئے (خزائلی، ۱۳۶۲، ص۴۲۳ ملاحظہ ہو)

فقہ کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقارن کے سلسلہ میں مستقل طور پر سب سے پہلی کتاب چوتھی صدی کے دانشور ''محمد احمد بن جنید اسکافی'' نے لکھی ہے اور ''جنید اسکافی'' کی کتاب کے بعد اہم ترین کتاب شیخ طوسیؒ کی الخلاف ہے کہ جو اپنی نوعیت میں بے نظیر ہے (سابق، ص۴۲۴ ملاحظہ ہو)

فقہ مقارن کی خصوصیات کہ اسلام میں ایک نوع حقوق تطبیقی میں شمار ہوتی ہے وہ درج ذیل ہے:

۱۔ فقہ مقارن میں فائدہ یا مصلحت کے لحاظ سے قوانین کی درجہ بندی نہیں ہے بلکہ ہر فقیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ حکم الٰہی کو صرف اور صرف اس نے اور اس کے ہم خیال اور ہم عقیدہ نے دریافت کیا ہے اور بس لہذا دوسروں کے عقائد صحیح نہیں ہیں۔ اس کے باوجود بعض کا خیال ہے کہ اگر چہ مجتہد حکم واقعی کو حاصل نہ کر پائے لیکن اس نے کوشش کی ہے لہذا اجر ثواب کا حقدار ہے۔

۲۔ فقہ مقارن معالات، حدود اور جرائم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ عبادات کو بھی شامل ہے۔

۳۔ فقہ مقار کے ذریعہ ان موادر کو حاصل کریں گے جس کی نسبت فقہاء اتفاق رکھتے ہیں اور فقہی اصطلاح میں، فقہ مقارن کا ایک نتیجہ اجماع عامہ اور خاصہ یا اجماع عامہ یا اجماع خاصہ کا حاصل کرنا ہے۔ (سابق، ص۴۲۱۔۴۲۲)

شیخ طوسیؒ کی ''الخلاف'' میں بنا یہ ہے کہ تمام مخالف مذاہب کے فقہاء کے آراء اور نظریات کی جمع آوری کریں اور اگر کسی مسئلہ میں شیعہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہو تو اسے بیان کر کے ہر مسئلہ کے اختتام پر صحیح نظریہ کا اظہار کریں۔ (مقدمۃ الخلاف، ج۱، ص۴۵ ملاحظہ ہو)

اس کتاب میں ۸۷/ باب پائے جاتے ہیں۔

۱۔ پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد بعض تابعین کہ جو امامت کے قائل نہیں تھے، نے آپس میں اختلاف پیدا کیا کہ ہر گروہ اپنے خاص اصول اور روش کے مطابق ان مسائل کے بارے میں فتویٰ دیتا تھا اس کے علاوہ بعض احکام کہ جن میں محیط عنصر یا زمانہ موثر تھا مثال کے طور پر حجاز میں ایک طرح سے پیش آیا لیکن عراق یا خراسان میں اس کا دوسرا رنگ رہا۔ (خزائلی، سابق، ص۴۲۳/ ملاحظہ ہو)

۲۔ ''حقوق تطبیقی'' ایک نیا اثر ہے جس کا ۱۹/ ویں صدی سے یورپ میں چرچا ہو رہا ہے اور روز افزوں اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور علمائے حقوق اس کے موضوع اور ہدف کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں بعض کی نظر میں حقوق تطبیقی کا موضوع اقوام متحدہ کے خصوصی مسائل ہیں اس معنی میں کہ ممالک کے حقوق کو آپس میں مطابقت کرتے ہیں۔ حقوق کے ماہرین کا دوسرا گروہ کہتا ہے حقوق تطبیقی سے مراد تطبیقی روش ہے اور یہ روش کیفیت ظہور میں مطابق کے لئے اور حقوقی موسسات میں توسعہ نیز ان تبدیلیوں کے لئے جو ہر ایک کو عارض ہوتی رہتی ہیں مفید ہوگا۔ (خزائلی، سابق، ص۴۲۰/ اور ۴۲۱ ملاحظہ ہو)

فقہ مقارن ایجاد کرنے کے سارے راستے موجود ہیں اس لحاظ سے علامہ حلی جیسے اکابر فقہاء نے '' **تذکرۃ الاحکام** ''اور '' **مختلف الشیعہ** '' میں شیخ کی پیروی کرتے ہوئے فقہ مقارن کا حق ادا کر دیا ہے۔ (سابق، ۴۰۶ ملاحظہ ہو)

۳۔ فکری مکتب کی وسعت اور آزاد اندیشی کا جذبہ:

شیخ طوسیؒ کی اپنے سابق فقہاء کی نسبت وسعت نظر کہیں زیادہ ہے اس معنی میں کہ علمی مباحث میں اپنی نظر صرف شیعہ معتبر کتابوں پر مرکوز نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے برخلاف جہاں اہل سنت کی ساری احادیث کو مردود نہیں جانتے اور نہ ہی شیعہ کی منقول احادیث حتیٰ احادیث کی کچھ تعداد جو کافی میں نقل ہوئی ہے، قبول کرتے ہیں یہ شیخ طوسی کی آزادانہ فکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت کے محدود معاشرے میں ایسی روشن اور کھلی فکر رکھتے تھے جبکہ دیگر مذاہب کے پیروکار جنگ و جدال کا طبل بجا رہے تھے نیز وہ اپنی فکر کو معاشرے میں رائج کرنے کے لئے ہر جرم کرنے کو تیار تھے نیز اس سلسلہ میں ہر راستے کو اپنانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ اپنی وسیع نظر اور اعلیٰ فکر سے اثبات حق کی فکر میں تھے اور اپنے مذہب کا آنکھ بند کر کے دفاع نہیں کر رہے تھے بلکہ فکری وسعت کو ہر فکری اور اعتقادی مذہب کے وارد ہونے کے لئے کھلا رکھا تھا۔ تاکہ آراء و نظریات کے اس مجموعہ میں سے ایک واقعی جمع بندی کریں۔

باوجودیکہ شیخ تفسیر تبیان میں جہاں کسی آیت کے بارے میں خلاف نظر یہ کہتے تھے مذاہب کے نظریات

ذکر کر کے امامیہ کے نظریہ کو بھی بیان کر دیتے تھے لیکن بعض جگہوں پر صرف نقل اقوال پر ہی اکتفاء کیا ہے اور یہی امر ان کے نظریات کو قبول کرنے کا باعث ہوسکتا ہے مثال کے طور پر سورہ اعراف کی ۱۷۷ رویں آیت (من یھدی الله فھو مھتدی) کے ذیل میں مذکور ہے:" قال الجبائی : معنی الایة من یھدیه الله الی نیل الثواب فھو الـمھتدی للایمان والخیر . و قال البلخی : المھتدی ھو الذی ھداه الله فقبل الھدایة و اجاب الیھا ... و قیل معنی "من یھدی الی الله " من یھدیه الله بھدایته " فھو المھتدی "

جبائی نے کہا: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کی خداوند عالم ثواب حاصل کرنے کی طرف ہدایت کر دے وہ ہدایت یافتہ ہے یعنی ایمان اور خیر کی طرف ہدایت پانے والا ہے اور بلخی نے کہا: مھتدی وہ ہے جسے خدا ہدایت کرے تو وہ ھدایت کو قبول کرلے اور اس کا جواب دے اور ایک قول ہے: "من یھدی اللہ" کے معنی "جس کو خدا اپنی ہدایت سے ہدایت کرے وہ ہدایت یافتہ ہے"۔ (طوسیؒ، سابق، ج ۵ر ص ۳۵ ملاحظہ ہو، فاضل، سابق، ص ۵۳۷)

۴۔ اہل سنت کے قیاس اور استحسان پر نظر:

اہل سنت کے اکثر مذاہب کے فقہی امتیازات میں قیاس اور استحسان ہیں اور شیعہ فقہ میں ان اصول سے کبھی استفادہ نہیں کیا گیا ہے، اس کے باوجود شیخ طوسیؒ نے اپنی "الخلاف" نامی کتاب میں ان دونوں سے استفادہ کیا ہے اگر چہ شیخ نے شیعہ فقہ میں قیاس اور استحسان کو کسی صورت قبول نہیں کیا ہے، صرف ان دو سے اپنی کتاب "الخلاف" میں قابل قبول استفادہ دیگر اسلامی مذاہب کے فقہاء کے مقابلہ میں منطق جدل کی روش کا استعمال کرنا ہے ان سب کے باوجود اپنی کتاب میں تقرب کے سلسلہ میں غیر شیعی دو فقہی اصل کا ذکر کرنا ان کی اعلیٰ فکر کی حکایت کر رہی ہے۔ سید مرتضیٰؒ " انتصار " میں تصریح کرتے ہیں کہ شیخ طوسی اپنی مسائل خلاف میں اپنے مذہب کے اثبات کے لئے دوسروں کے مقابلہ میں قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔ (صدر، ۱۳۶۲ ش، ص ر ۴۱۳ ملاحظہ ہو)

واضح ہے کہ ایسی فکر اگر چہ بہت سارے شیعہ رجحان رکھنے والوں کے ذوق کے مطابق نہیں ہے لیکن اصلی مذہب کی حقانیت کا اثبات کرنے اور اسلام کی انوکھی فکر سے قریب ہونے کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ گونو گوں فلٹر مشین سے ضد و نقیض سلامتی کے ساتھ باہر آتے ہیں۔

۵۔ فکری، خاندانی، اور قومی تعصب سے دوری:

مذاہب کے درمیان تقریب ایجاد کرنے کی راہوں کو شمار کرنا بلا شبہ شدید تعصب بدون چون چرا اور غیر منطقی شدید طرفداری کے معنی میں بہت بڑی آفت ہے کیوں کہ ہمفکری، اتحاد اور ہمدلی کی کوئی صورت ایجاد نہیں کر رہی ہے اسی لئے تقریب بین مذاہب اسلامی کے رکن عبدالحسین منعبیہ "دعوة التقریب" نامی مجموعہ کے آغاز میں کہ

جس میں کچھ مصنفین اور دانشوروں کے مقالات درج ہیں ضرورت تقریب کے بیان کے ضمن میں جماعت التقریب کے منشورات کے لئے ۵/اہداف شمار کرتے ہیں کہ اس کا چوتھا ہدف ناپسندیدہ اور مذموم تعصب سے جنگ وجدال ہے مغنیۃ کا بیان اس طرح ہے: ''ہم مذموم اور ناپسندیدہ تعصب سے جنگ کریں گے کیوں کہ تعصب، عقلوں اور دلوں کو اندھا بنادیتا ہے قرآن اور سنت پیغبر تعصب سے ممانعت کرتے ہیں اور دینی اور مذہبی چشم پوشی اور لوگوں کے درمیان برادری اور بھائی چارگی کی دعوت دیتے ہیں۔ (جمعی از نویسندگان، بدون تاریخ، ص/۶)

حضرت امام علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اندھے تعصب کی شدت کے ساتھ مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میں نے دنیا والوں کے اعمال اور رفتار پر نظر کی تو میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ وہ کسی سبب کے بغیر کسی چیز کے بارے میں تعصب رکھتا ہو جز ان دلیلوں کے ذریعہ کہ جس کی وجہ سے بے خبر لوگوں کو فریب دیتی ہے یا کوئی ایسی دلیل و برہان پیش کرے جو بے وقوفوں کو دھوکا دیدے'' (دشتی، ۱۳۶۲ش، ص/۳۹۳)

مردان بزرگ، اندیشہ وعمل میں عقائد واعمال کی اندھی طرفداری اور تقلید کے معنی میں تعصب نہیں رکھتے شہید مطہری نے ''الہامی از شیخ الطائفہ'' ایک مقالے میں شیخ طوسیؒ کی اس خصوصیت کی طرف صراحت کے ساتھ اشارہ کیا ہے وہاں پر مذکور ہے: ''شیخ طوسیؒ سوفی صد ایک اسلامی عالم ہیں اور اسلامی رنگ کے سوا ان میں کوئی اور رنگ نہیں ہے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اسلامی برکت سے قومی، خاندانی اور قبائلی تعصب کو ختم کرنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ پارٹی بازی کی مذمت کی اور انسانی اور عالمی معیار کو محترم سمجھا۔ (مطہری، ۱۳۶۲ش ص/۳۳۹)

حضرت آیۃ اللہ جناتی عرصہ تقریب میں ایک فعال شخص کے عنوان سے ''ہم بستگی ادیان و مذاہب اسلامی'' نامی کتاب میں مثبت نتائج تعصّبات سے دور ایک دلچسپ مسئلہ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جس کی تفصیل اس طرح ہے: ''حنفی مسلک کے پیشوا ابوحنیفہ فارسی زبان میں قرآن کی قرأت کے جواز کے قائل تھے'' اکثر مذاہب کے فقہاء نے اپنی فقہ مقارن میں اس نظریہ پر تنقید کے ساتھ تحقیق بھی کی ہے اور یہی چیز باعث ہوئی کہ متاخر حنفی فقہاء تمام مذاہب کی رائے سے قریب تر ہو گئے مصر کے شیخ الازھر شیخ محمد شلتوت نے حنفی مذہب ہونے کے باوجود اپنے فقہی مذہب کے پیشوا کے نظریہ کی نسبت تعصب برتنے کے بجائے پورے خلوص کے ساتھ دیگر مذاہب کے فقہاء سے متحد اور ہم آہنگ ہو کر اعلان کیا کہ قرآن لفظ اور معنی کا نام ہے (حتی نماز کی قرات میں) لہذا سورہ حمد غیر عربی میں نہیں پڑھا جا سکتا۔ (جناتی، ۱۳۸۱، ص/۷۷۳)

۶۔ فکری جمود سے جنگ:

ایک طرف فکری جمود اور اندھے تعصب کے درمیان بہت واضح رابطہ ہے تو دوسری طرف ان دونوں کا

حقیقت دین کو نہ سمجھنا اور یہ تینوں تیسری طرف سے مذاہب کے درمیان آہنگ اتحاد کا قبول نہ کرنا پایا جاتا ہے۔ جس کی فکر کوتاہ ہوتی ہے وہ ساری چیزوں کو محدود دائرے ہی میں دیکھتا ہے اور اس کی توجیہ کرتا رہتا ہے اور اس لحاظ سے تشخیص کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اپنے مدمقابل فکر ونظر کو چاہے درست ہی کیوں نہ ہو قبول نہیں کرسکتا۔ تاریخ اسلام میں فکری جمود کا نمایاں نمونہ، خوارج ہیں وہ لوگ اس درجہ تنگ نظری اور فکری محدودیت کا شکار تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی بلند فکری کو بھی اپنے مقابلے میں قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ (چہ جائیکہ دوسرے افراد)

اس بنا پر پوری تاریخ میں صف اول کے علماء ، بے روح، خشک فکر اور بے حس اور ظاہر پر نظر رکھنے والے انسان سے سروکار رکھتے اور ہمیشہ ان سے مبارزہ کرتے رہے علماء معاصر کے درمیان حضرت امام خمینیؒ نے ایسی فکروں کی شدت کے ساتھ مذمت کی ہے اور کبھی ان فکروں سے موافقت اور سہل افگاری کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حضرت امام (رحمۃ اللہ علیہ) کے موقف کا نمایاں نمونہ ظاہر دار اور بے جا طرفداری کرنے والے علماء ہیں کہ جن کا ذکر ''منشور روحانیت'' میں ہوا ہے۔ مثال کے لئے اس منشور کے آٹھویں صفحہ پر مذکور ہے: اس وقت مذموم تقدس کی آڑ میں دین، انقلاب اور نظام کو اس طرح نقصان پہونچا رہے ہیں کہ گویا ان کا اس کے علاوہ کوئی فریضہ ہی نہیں ہے بے وقوف اور مقدس مآب افراد کا حوزہ علمیہ میں خطرہ کم نہیں ہے۔ محترم طلاب ان خوشنما سانپوں سے ایک آن غافل نہ رہیں یہ لوگ امریکی اسلام کے مروج ہیں اور رسول خداؐ کے دشمن۔ (خمینیؒ ۱۳۸۳ش)

اندیشہ تقریب پیش کرنے والوں میں سے ایک شیخ طوسیؒ بھی ہیں کہ جنھوں نے فکری جمود سے غیر محفوظ مبارزہ کیا شیخ اپنی نفیس کتاب ''المبسوط'' کے مقدمہ میں محدود فکر رکھنے والے گروہ کا گلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم سنتے چلے آرہے ہیں کہ اہل جماعت کے فقہاء ہم شیعہ امامیہ کی فقہ کے تحقیر کرتے رہے ہیں... لہذا مسلسل اس فکر میں تھا کہ ایک ایسی کتاب تالیف کروں کہ جو فروع کو شامل ہو لیکن مشغولیتیں اور مشکلات مانع بنی رہیں اور جس چیز نے میرے حاصلے کو کم کردیا وہ یہ کہ ہمارے اصحاب نے اس کام کی طرف بہت کم دلچسپی دکھائی کیوں کہ یہ لوگ اخبار کے متون اور روایات کے صریح الفاظ کے عادی ہو چکے تھے بلکہ وہ تو ایک لفظ بولنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ فکری محدودیت کا عالم یہ تھا کہ اگر ایک لفظ کسی لفظ کی جگہ رکھ دیا جاتا تھا تو انھیں بہت حیرت ہوتی تھی نیز ان کی فہم اس معنی کے درک کرنے سے قاصر تھی۔ (مطہری، ۱۳۶۲، ص ۳۵۶/۳۵۷)

شہید مطہریؒ شیخ طوسی کی حریت اور آزادانہ فکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیخ طوسیؒ کا پورا وجود اسلامی ایمان، جذبہ اور اسلام کی خدمت سے لبریز تھا وہ سراپا اس کے دلدادہ اور عاشق تھے لیکن یہ ایمانی جوش و ولولہ اور عشق ولگاؤ انھیں تنگ نظری، فکری محدودیت اور پارٹی بازی کی طرف مائل نہیں کرسکا۔ انھوں نے پارٹی بازی

اور محدود فکر لوگوں سے مبارزہ کیا...(سابق ،ص ۳۳۳)اس خشک فکری اور آزاد روح کے قید ہو جانے والے ماحول میں شیخ طوسی کی آزاد خیالی اور فکری آزادی نے اسلام کی اعلیٰ تعلیم کی ترویج کے لئے مناسب راہ ہموار کر دی۔

۷۔عقل کی طرف توجہ:

جب کہ تاریخ کے اکثر ادوار میں اہل حدیث ظاہر داروں کے درمیان عقل پر اعتماد کرنے والوں کے ساتھ مکاتب اور فکری مذاہب میں عقیدتی اہل سنت کے درمیان شدید اختلاف پایا جا رہا تھا اثنا عشری شیعوں کے درمیان ان رجحانات کے باوجود نزاع اور کشمکش پیش نہیں آئی کیوں کہ ان کے لئے عقل اور نقل دونوں منابع شناخت کے عنوان سے مذکور تھے اور عقل کی طرف توجہ کا مطلب نقل کو چھوڑ دینا اور نقل کی طرف میلان کا مطلب عقل سے کنارہ کشی نہیں تھا اور یہ شیعہ اعتقادی مکتب کا ایک امتیاز شمار ہوتا ہے عقل و نقل سے ماخوذ شیعہ مکتب میں شناختی منابع کے عنوان سے ماخوذ حاکم نتیجہ کے باوجود بعض صف اول کے دانشواروں نے نقل کی طرف اور بعض نے عقل کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔(سبحانی ، ۲۱۷۔۲۲۶)

یہ عقل کی طرف رجحان اور عقل سے دور ہونا فقہی احکام اور کلامی احتجاجات کے صدور کے لئے ذہنی فضا کو محدود کرنے کے علاوہ دیگر اسلامی مذاہب کے آمنے سامنے ایک قسم کا نامعقول تعصب پیدا کرنا ہے اس لحاظ سے قاطعیت اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ تر لوگ جو شیعہ اور سنی کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کے مخالف تھے اور آج بھی پورے وجود کے ساتھ تقریب بین مذاہب اسلامی کو ناممکن خیال کرتے ہیں وہ ظاہر دار یا اہل حدیث نقل کے دلدادہ دو طرفہ گروہ یعنی شیعہ سنی کے درمیان پایا جاتا ہے۔

شیخ طوسیؒ نظر کو واجب جانتے ہیں اور نظر سے مراد وہی فکر ہے اور تفکر بھی عقلاء سے مخصوص ہے۔ اور اس بنا پر اندھی تقلید صحیح نہیں ہے اور ہر شخص اپنی نظر اور رائے کے اظہار میں آزاد ہی نہیں بلکہ اس کے لئے تفکر اور تعقل سے کام لینا ضروری و لازم بھی ہے۔ کیوں کہ خداوند عالم کفار و مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے: جب حضرت ابراہیم اپنی قوم کو فکر و نظر اور عقل و شعور کی ترغیب دلا رہے تھے۔ تو انھوں نے اس عطیہ خداوندی کا استعمال کرنے سے انکار کیا اور کہا:'' انا وجدنا آبائنا علی هذا ''۔(فاضل ، ج ۳،ص ۵۴۴ ملاحظہ ہو)

شیخ طوسیؒ ان اکابر اور صف اول کے علماء میں سے ایک ہیں جن کا وسیع فکری مشرب کے باوجود اب کا عقل کی جانب میلان نقل کی طرف توجہ سے کہیں زیادہ قوی ہے اور یہ شہرہ آفاق اور مایہ ناز شیعہ عالم کی ممتاز اور نمایاں خصوصیات میں سے ایک ہے شیخ طوسیؒ کے عقل کی طرف میلان کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ جب شیعہ عقل گرائی کا واقعہ شیخ مفیدؒ کے بعد سید مرتضیٰ معروف بہ علم الھدیٰ تک سرایت کرتا ہے تو شیخ طوسیؒ سید مرتضیٰ کہ ایک

ممتاز اور درجہ اول کے شاگرد نے اس عقلی میلان کو کامل کر دیا اور ان کے نظریہ کو کامل ثابت کرنے نیز اپنے مذکورہ نظریہ کو وسعت دینے اور عام کرنے کے لئے "تمھید الاصول" جیسے آثار قابل قدر کردار ادا کر رہے ہیں۔

شہید مطہریؒ نے شیخ طوسیؒ کی اس خصوصیت کے بارے میں بیان کیا ہے: شیخ طوسیؒ ایک عظیم الشان محدث ہونے کے باوجود کہ ان کے مدعا پر "**تهذيب الاحكام**" اور "**الاستبصار**" جیسی کتابیں بہترین دلیل ہیں اصول دین کے مسائل کو عقل کا آزادانہ حق جانتے ہیں اس معنی میں کہ ان مسائل میں تعبد (کسی بات کو بدون چون و چرا قبول کرنا) اور تقلید جائز نہیں جانتے۔ انھوں نے (**عدة الاصول**) میں شیعوں میں کچھ محدودفکر اور تنگ نظر افراد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اوران پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں: "**اذاسئلوا عن التوحيد والعدل او صفات الائمه او صحة النبوة قالوا روينا كذا**" (مطہری،۱۳۶۲ش،ص/۳۵۶) یعنی جب ان سے توحید، عدل، نبوت، اور امامت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ عقلی دلیل پر تکیہ کرنے کے بجائے روایات ذکر کر دیتے ہیں۔

مجموعی نتیجہ

امت مسلمہ کے درمیان وحدت اور اسلامی مذاہب کے درمیان اندیشہ تقریب صرف اور صرف ان اسلامی عظیم دانشوروں کی طرف سے ترویج ہوتا ہے۔ جو حقیقت میں اس فکر کے بارے میں مولفات رکھتے ہیں صرف وحدت کی رٹ، اتحاد و اتفاق کا نعرہ لگانے، زبانی دعویٰ کرنے اور ظاہری بیان اور گفتار سے کبھی عملی ہونے والی نہیں ہے شیخ طوسیؒ انھیں اکابر اسلامی علماء میں سے ایک ہیں جو تقریب کے لئے کامل اور پورے طور سے ساری ضروری راہیں اور اسباب رکھتے ہیں عقل پر تکیہ کرنے، فکری محدودیت سے دوری، آزاد فکری، قومی اور خاندانی تعصب سے اجتناب جیسے طریقے کہ مسئلہ تقریب میں وارد ہونے کے لئے ان طریقوں کا ہونا ضروری ہے۔

شیخ طوسیؒ اپنے شیعی عقیدہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ فقہی، کلامی اور تفسیری مباحث میں جہاں بھی امت مسلمہ کے درمیان وحدت اور تقریب کی گنجائش رہی ہے وارد عمل ہو گئے ہیں اور بڑے ہی اعتماد کے ساتھ موضوع اور مسئلہ کو بیان کر دیا ہے شیخ کی اعلیٰ ترین تقریبی فکر آپ کی "**الخلاف**" کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ بغداد میں شیعہ اور سنی کے درمیان مشترکہ مسند تدریس کا قیام اور اس اقدام کا بڑے سے بڑے علماء کا قابل دید استقبال اس وقت کے معاشرے میں امت مسلمہ کے درمیان وحدت اور تقریب میں ایک عالم دین کا بے نظیر اقدام شمار ہوتا ہے کہ خوش قسمتی سے صدیوں اس فکر کی ترویج و اشاعت کے بعد آج اس کے نتائج اور ثمرات ظاہر اور نمایاں ہو رہے ہیں۔

منابع و مآخذ:

۱۔جمعی ازنویسندگان، ہزارہ شیخ طوسیؒ، امیر کبیر، تہران، دوسرا ایڈیشن ۱۳۶۲ش۔

۲۔جمعی ازنویسندگان، یادنامہ شیخ طوسیؒ، دانشگاہ مشہد، ۱۳۴۸ش۔

۳۔جمعی ازنویسندگان دعوۃ التقریب بین المذاہب الاسلامیہ، دارالجواد، بیروت بدون تاریخ۔

۴۔جناتی، محمد ابراہیم، ہمبستگی ادیان و مذاہب اسلامی، انصاریان، قم، ۱۳۸۱ش۔

۵۔حسینی دشتی، سید مصطفیٰ معارف و معاریف، اسماعیلیان قم، پہلا ایڈیشن، ج ۳/، ۱۳۶۹ش۔

۶۔خمینی روح اللہ منشور روحانیت، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ تہران، دسواں ایڈیشن، ۲۶/ ویں تک ۱۳۸۵ش۔

۷۔خزائلی، محمد اسلام اور حقوق تطبیقی، در ہزارہ، شیخ طوسیؒ امیر کبیر، تہران دوسرا ایڈیشن، ۱۳۶۲ش۔

۸۔دشتی محمد، ترجمہ نہج البلاغہ آستانہ قدس رضوی (شرکت ونشر) مشہد، تیسرا ایڈیشن، ۱۳۶۲ش۔

۹۔دہخدا علی اکبر لغت نامہ دھخدا دانشگاہ تہران، دوسرا ایڈیشن، ج ۱۰/، ۱۳۷۷ش۔

۱۰۔روضاتی سید محمد علی امتیازات شیخ الطائفہ، در ہزارہ شیخ طوسیؒ، امیر کبیر تہران، دوسرا ایڈیشن، ۱۳۲۶ش۔

۱۱۔سبحانی، محمد تقی (عقل گرائی ونص گرائی در کلام اسلامی) مجلّہ نقد ونشر پہلا سال شمارہ ۳/۔۴۔

۱۲۔صدر سید رضا مقام فقہی، شیخ طوسیؒ در ہزارہ شیخ طوسی امیر کبیر، تہران دوسرا ایڈیشن ۱۳۶۲ش۔

۱۳۔صفاء ذبیح اللہ، تاریخ ادبیات ایران، فردوس تہران دسواں ایڈیشن، ج ۲/، ۱۳۶۹ش۔

۱۴۔طوسی، محمد بن حسن، التبیان، تحقیق وتصحیح، احمد حبیب قصیر العاملی، دار الحیاء التراث العربی، بیروت، ج ۳/۔۵ بدون تاریخ۔

۱۵۔طوسی محمد بن حسن، الخلاف، تحقیق جماعۃ من المحققین، موسسہ النشر الاسلامی قم، ج ۱/، ۲، ۳، ۴، ۷، اور ۱۴، ق۔

۱۶۔عقیقی بخشائشی، عبدالرحیم فقہاء نامدار شیعہ، کتاب خانہ آیۃ اللہ مرعشی، قم دوسرا ایڈیشن، ۱۳۷۲ش۔

۱۷۔فاضل محمود، مقدمہ بر آراء ونظریات کلامی شیخ طوسیؒ، یادنامہ شیخ طوسیؒ، ج ۳/۔

۱۸۔کریمان، حسین، ''مقام شیخ ابوجعفر طوسیؒ در علم تفسیر'' یادنامہ شیخ طوسیؒ، ج ۳/۔

۱۹۔مطہری مرتضی آشنائی بعلوم اسلامی اصول فقہ اور فقہ، صدرا، قم پانچواں ایڈیشن، ۱۳۶۷۔

۲۰۔مطہری، مرتضی الہامی از شیخ الطائفہ در ہزارہ شیخ طوسی، تہران، امیر کبیر، دوسرا ایڈیشن ۱۳۶۲۔

۲۱۔موسویان۔سید محمد رضا اندیشہ سیاسی شیخ طوسیؒ، قم بوستان کتاب، پہلا ایڈیشن، ۱۳۸۰۔ش

عالم اسلام کا تعارف

بوسنیا و ہرزگوئین، سترہویں صدی سے
بیسوی صدی تک کے سیاسی نشیب و فراز

ع۔امیر دہی
ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

یاددہانی

اس مقالہ کے پچھلے حصہ میں بوسنیا و ہرزگوئین{BOSNIA & Herzgovina} کی جغرافیائی حیثیت اور وہاں اسلام آنے سے قبل تک کی تاریخ کو بیان کیا گیا، اسکے بعد اسلامی دور، بوسنیا میں اسلام قبول کرنے کے اسباب وعلل، اور اسکے سازگار ماحول، عثمانیوں کی حکومت اور ۱۵ سے سولہویں صدی تک بوسنیا کے اجتماعی نشیب و فراز اور آبادکاری میں عثمانیوں کے رول سے گفتگو ہوئی اس مقالہ میں ہم سترہ ویں صدی کے بعد کے حالات اور بوسنیا کے گوناگون مسائل کو بیان کریں گے۔

بوسنیا سترہ ویں صدی میں:

سترہویں عیسوی صدی (گیارہ ویں صدی ہجری) کی ابتدا میں اپنے قطعی شکل میں ڈھل کر سامنے آنے والا بوسنیا کا حکومتی ڈھانچہ تقریبا اس صدی کے اختتام تک اپنی اسی صورت میں باقی رہا. یہ وہ دور ہے جب صوبہ کے حاکم کو وزیر کہا جاتا تھا. ۱۶۳۹عیسوی ۱۰۴۹ھ اسی دور میں میں بانیا کا سے حکومتی مرکز سارایوو منتقل ہوگیا۔

۱۵۹۳ء سے ۱۶۰۶ء مطابق ۱۰۰۱ سے ۱۰۱۵ھ تک طولانی جنگ سلطنت عثمانی کی نفری طاقت اور ذریعہ و وسائل کے تباہ ہونے کا سبب بنی جس کے نتیجہ میں ان حملات کی زد پر رہنے کی وجہ سے بوسنیا کو بھی بھاری نقصان

اٹھانا پڑا۔

جنگ کے دوران اوراس کے ختم ہوجانے کے بعدتک ہرزگوئین کے صربوں کی متعددشورشوں نے بہت سی مشکلیں کھڑی کیں.

سلطان احمد (۱۰۱۲۔۱۰۲۶ھ) نے بوسنیائی افواج کے دباؤ کے چلتے جنکی پاشا کی جانب سے پشت پناہی بھی ہورہی تھی حکم صادر کیا جس کے بموجب ایسے نگرانی کرنے والے اداروں کا قیام عمل میں آیا جوگھریلو وراثتی حقوق کوقانونی حیثیت سے قبول کرتے تھے۔

عیسائی زراعت کاروں کی زمینوں پرلگان کے اضافہ نے انکےاورمسلمانوں کے درمیان فاصلوں کی خلیج کواورگہرا کردیا یہ چیز عیسائی کسانوں کے سرحد پار بھاگنےاور رہزن سرکشوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ کا سبب بنی.

دوبرونیک کی بندرگاہ کے رقیب کی حیثیت سے ۱۵۹۲ء مطابق ۱۰۰۰ھ میں اسپلیٹ {Split } کی بندرگاہ کا افتتاح بوسنیا کی تجارت کے لیئے بہت اہم موڑ ثابت ہوا سولہویں صدی کے نصف (دسویں ہجری صدی) اورسترہویں صدی کے نصف (گیارہویں ہجری) میں بعض شہروں کی وسعت اوراہمیت میں بالخصوص سارایوو کی ترقی میں اضافہ ہوا شہری علاقہ میں بسنے والے ثروت منداورفقیر طبقہ کے درمیان گہرا فاصلہ سارایوو کے فقیر طبقہ کے بلوے کا سبب بنا جوغالبا مسلمان تھا۔

سترہویں صدی کے نصف (گیارہویں ہجری) میں دوجنگوں کے اثرات کی بناپر بوسنیا کی سطح زندگی اور اقتصادی حالت بحرانی ہوگئی ۱۶۴۴ ء سے ۱۶۶۹ء (۱۰۵۴ھ۔۱۰۸۰ھ میں ونیز سے اور ۱۶۶۳ سے ۱۶۶۴ء تک مطابق ۱۰۷۳ھ۔۱۰۷۴ھ ہابسبورگیوں سے بوسنیا کے مضافات میں جنگ ہوئی اوراس کے بعداس علاقہ پر بارہا یلغار ہوئی۔اسی وجہ سے بہت سے عیسائیوں نے راہ فراراختیارکی اورونیز کی فوج سے ملحق ہوگئے ہرزگوئین کے لوگ بھی شورش وقیام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

جنگ چودہ سالہ صلح کے دور پرمنتہی ہوئی جسکے نتیجہ میں مجموعی طور پرسلطنت عثمانی کے پائے مضبوط ہوئے، وین پرحملہ مقدس متحدہ محاذ سے جنگ کا آغاز تھا جوایک عرصہ تک جاری رہا (یعنی ۱۶۸۳ء سے ۱۶۹۹ء مطابق ۱۰۹۴ھ سے ۱۱۱۱ھ تک.

اس بارساوا{Sava} کے جنوب میں واقع بوسنیا کا مضافاتی علاقہ جنگ کا اصلی میدان نہ تھا،لیکن بوسنیا کے ایک لشکر نے اس جنگ میں حصہ لیا جسے سرحدوں کے دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی.

۱۶۸۸ء (۱۰۹۹ھ میں یا کی افواج نے وقتی طور پرساوا کے بعض جنوبی حصوں کواپنے قبضہ میں لے لیااور

اسکے نو سال بعد شہزادہ اوژن {Eugene} نے سنتا (Senta) کی جنگ کے بعد سارایوو تک چڑھائی کی اور ۱۶۹۷ء/۱۱۰۹ھ میں اس علاقے کو جلا دیا۔

حملہ آور فوج کے ساتھ عقب نشینی کرنے والے عیسائی خاص کر واٹیکن کے پیروکاروں نے اپنے وطن کو خیر باد کہہ دیا۔

بوسنیا اٹھارہویں صدی میں:

سترہویں صدی کے نصف سے اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف تک عثمانیوں کی یورپ سے عقب نشینی، اور ۱۶۶۹ء ۱۷۱۴ء اور ۱۷۱۸ء کے معاہدے عثمانیوں کے ہاتھوں سے وسیع علاقوں جیسے مجارستان {Hungery} موجودہ کروشیا اور بعض بوسنیا و صربستان کے شمالی شہروں کے نکل جانے کا سبب بنے، یہ پسپائی اس بات کا سبب بنی کہ آسٹریا کی حکومت (ہابسبورگ) بھی بوسنیا کو لالچی نظروں سے دیکھے۔ ۱۷۳۶ء (۱۱۴۹ھ میں جب عثمانی روس سے جنگ میں مشغول تھے اور ہزاروں بوسنیائی جوانوں کو عثمانی فوج کے تعاون اور جنگ میں شرکت کے لئے بلایا گیا تھا، آسٹریائیوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ۱۷۳۷ء کی گرمیوں میں یلغار کر دی اور چھٹے شارل، شاہ آسٹریا نے یہ اعلان کر دیا کہ مسلمان بوسنیا و ہرزگوئین کو چھوڑ سکتے ہیں لیکن اگر وہ رہنا چاہیں تو کیتھولک {Catholic} عیسائی مذہب اختیار کریں، یہی اعلان اور دباؤ اس بات کا سبب بنا کہ مسلمان آسٹریائیوں کی یلغار کے مقابل جی جان سے اٹھ کھڑے ہوں۔

حملہ آور افواج کو بوسنیا و ہرزگوئین کے عیسائیوں پر تکیہ کرنے کے باوجود کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکا اور ۱۷۳۷ء (۱۱۵۰ھ میں شہر بانیا لوکا میں انہیں بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، بوسنیائی مسلمان اس کامیابی کو بوسنیا و ہرزگوئین کے اسلامی دور کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کی بقا کے علاوہ سلطنت عثمانی کے اس علاقے میں دوام کا سبب بنا۔

۱۶۹۹ء (۱۱۱۰ھ) میں ہونے والے کارلوویتس (Karlowitz) کے معاہدہ کی بنیاد پر بوسنیا نے کچھ مختصر تبدیلیوں کو چھوڑ کر اپنی بوسنیا و ہرزگوئین کی سرحدوں کو محفوظ کر لیا اس دور میں حکومت پانچ سنجقوں (بوسنیا، ہرزگوئین، کلیس، زورنیک، اور بیہاج) کو شامل ہوتی تھی لیکن کچھ ہی مدت میں بیہاج کی سنجق ختم ہوگئی اسی دور میں بوسنیا کا مرکز سارایوو سے تراونیک {Travnik} منتقل ہوگیا۔

مسلمان پناہ گزینوں نے عیسائیوں کے قبضہ میں رہنے والے مجارستان {Hungery}، اسلونی، کروشیا اور ڈالماسی {Dahlmassey} کے علاقوں سے بوسنیا کے ان علاقوں کی طرف نقل مکان کر لیا جہاں یا تو

کوئی نہیں تھا یا بہت کم آبادی تھی۔

۱۷۱۸ء (۱۱۳۰ھ) پاساروویتس {Passarowitz} صلح معاہدے کے تحت جنوب ساوا میں واقع زمین کا ایک ٹکڑا آسٹریا کے حوالے کر دیا گیا اسکے علاوہ غربی سرحدوں کا کچھ اور حصہ بھی آسٹریا اور وینز سے ملحق ہو گیا.

طاعون کی وبا سے ہونے والی تباہی اور بوسنیا کے لشکر کو اسکی وجہ سے بھاری نقصان اٹھانے کے باوجود بوسنیا کے لشکر نے حکیم اوغلو پاشا کی سپہ سالاری میں ۱۷۳۷ء (۱۱۵۰ھ) میں بانیالوکا کے مقام پر آسٹریا کی افواج کو بڑی مشکل سے شکست دی. ۱۷۳۹ء (۱۱۵۲ھ) میں بلگراد معاہدہ کے تحت آسٹریا کو قلعہ فریان {Furian } کے علاوہ تمام ان علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا جسے اس نے پاساروویتس معاہدے کے تحت حاصل کیا تھا۔

ہاتھ سے نکل جانے والے علاقوں سے ''ینی چریوں'' کی بوسنیا کی طرف بازگشت نے بعض شہروں کی ممتاز حیثیت خاص کر شہر سارایوو کی اہمیت کو اور بھی اجاگر کیا اور انہیں استحکام عطا کیا، اسی زمانہ میں ان شہروں کو عملی طور پر خودمختاری عطا کر دی گئی تھی۔

علی پاشا کے دور میں شہر کی معمر اور قدآور ہستیوں، عسکری سپہ سالاروں اور دیگر نمایاں افراد کی شراکت میں وزیر کے کاموں پر نظارت کے لئے ایک کمیٹی کا وجود عمل میں آیا۔

بوسنیا کے وزیروں کا یہ شیوہ تھا کہ وہ دولت کے حصول کی خاطر حصول منصب کے لئے دی گئی رشوتوں کی بنا پر لگان میں اضافہ کر رہے تھے اور نئے لگان کا بوجھ لوگوں پر ڈال رہے تھے یہ بات تقریبا اٹھارہویں صدی کے نصف سے (بارہویں صدی ہجری) تک دس سال تک فقیر مسلمان باشندوں اور غریب کسانوں کی شورش اور مقابلہ آرائیوں کا سبب بنی رہی، اس صورت حال نے شہروں اور دیہاتوں میں لین دین پر برا اثر ڈالا اور ملک کے اقتصاد میں تنزلی کا سبب بنی۔

سلطنت عثمانی اور آسٹریا کے درمیان ۱۷۸۸ء سے ۱۷۹۱ء (۱۲۰۲ھ-۱۲۰۵ھ) تک ہونے والی جنگ میں سرحدی حصوں کے دفاع کی ذمہ داری کو بوسنیائی لشکر کے سپرد کیا گیا، آسٹریائی افواج کو بعض سرحدی قلعوں پر تسلط کے سوا کوئی خاص کامیابی نصیب نہ ہو سکی صلح سویشتوف {Svishtow} معاہدہ کی بنیاد پر عثمانی سلطنت نے اپنی کچھ سرزمینوں کو نظر انداز کر دیا اور آسٹریا بھی مقبوضہ سرحدی قلعوں سے اپنے انخلا پر تیار ہو گیا.

بوسنیا انیسویں صدی میں:

انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں جب فرانس نے دریائے آدریاٹک کے بعض ساحلی علاقوں کو

عثمانیوں سے چھین لیا تو صربوں اور مونٹنگرو کے لوگوں نے حکومت عثمانی کے خلاف شورش بپا کی اور علم بغاوت بلند کر دیا. یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صربوں کا ۱۸۰۴ء (۱۲۱۹ھ) میں قیام بھی روس کے اکسانے پر عمل میں آیا۔

۱۸۱۳ء ۱۲۲۸ھ میں بوسنیائی افواج چند معرکوں کے بعد صربوں کی شورش کچلنے میں کامیاب ہوسکی، صربستانی باشندے مسلمانوں کو بہت اذیتیں دیتے تھے حتی ان کی مساجد کو ویران کر دیتے تھے ۱۸۱۵ء میں صرب ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے جسکے نتیجہ میں صربستان کے مسلمان بوسنیا، مقدونیہ اور کوزوو کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، یہ حوادث بوسنیا و ہرزگوئین کے لوگوں کے خوف و ہراس میں مبتلا ہوجانے کا سبب بنے۔

۱۸۱۵ء سے ۱۸۱۷ء (۱۲۳۰ھ-۱۲۳۲ھ) کے درمیان سلطان محمد دوم کے فرمان کے مطابق بوسنیا و ہرگوئین میں اصلاحات کا آغاز ہوا بوسنیا و ہرزگوئین کے اشراف اور افواج میں ینی چریوں کا رسوخ تھا اور انہوں نے بوسنیا کے سیاسی اور اقتصادی میدان میں اہم رول ادا کیا تھا لہذا جب سلطان محمد کی اصلاحات کے فرمان کے بموجب جب ینی چریوں سے انکی اشرافیت اور زمین داری کی بنا پر دی گئی رعایتوں کو سلب کرنے کی بات سامنے آئی تو انہوں نے اس فرمان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان اصلاحات کو اسلامی احکام کے منافی قرار دیا۔

اس کے ردعمل کی صورت میں علاقہ میں ایک بار پھر داخلی کشمکش، اضطراب اور شورش کی صورت حال پیدا ہوگئی، اس شورش کو خاص کر قپودانیوں یعنی بوسنیا و ہرزگوئین کے سرحدی علاقوں سے متصل یورپ کی عیسائی سرزمینوں پر رہنے والے زمیندار سپاہیوں کی حمایت حاصل تھی جو دی جانے والی رعایتوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے، لیکن سلطان محمد کے فرمان کے تحت تمام مخالفوں کو کچل دیا گیا اور ینی چریوں کے کچھ زعماء و سپہ سالار بوسنیا و ہرزگوئین میں قتل کر دیئے گئے۔

البتہ یاد رہے کہ تیسرے سلطان سلیم نے اٹھارہویں صدی کے اختتام (تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں) کچھ ایسی اصلاحات انجام دیں اور ایسے اقدامات کئے جو ینی چریوں کی قدرت کو لگام دینے کا سبب بننے کے ساتھ مسلمان اشراف و بوسنیا میں مسلمانوں کی ممتاز حیثیت سے تضاد میں تھے اور بوسنیا میں قائم اثر و رسوخ سے منافی تھے۔

جدید اصلاحات جو موجودہ عسکری ڈھانچہ میں ترمیم کا سبب بن رہی تھیں ینی چریوں اور سپاہیوں کے مفادات کے خلاف تھیں ان اصلاحات نے مسلمانوں کے غصہ کو بھی بھڑکا دیا تھا۔

صربستانیوں کی شورش کو کچلنے کے لئے بہت سے شاہزادوں و اشراف زادوں اور شہرنشینوں نے کئی مرتبہ لشکر کشی میں حصہ لیا، لیکن بوسنیا کے لشکر کو ۱۸۰۶ء مطابق ۱۲۲۱ھ میں میشار کے مقام پر کراری شکست کا سامنا کرنا پڑا اسکے کچھ ہی دن بعد بوسنیا میں صرب زراعت کاروں کی جانب سے کئی قیام ہوئے لیکن مختصر سے وقفہ میں ہی کچل

دئے گئے ۱۸۱۳ء (۱۲۲۸ھ) میں صربستان کی شورش کو کچلنے میں بوسنیا کے مسلمان بھی شامل تھے۔

جس دور میں نپولین نے اقتصادی ناکہ بندی کے لئے دریائی محاصرہ کیا خرید وفروخت کی مقامی صورت حال میں وہاں بہتری کے آثار نظر آئے اس دور میں روئی کے نقل وحمل اور مال برداری کے لئے یہودی اور صرب تاجر بوسنیا کے راستوں کا استعمال کرتے تھے اسی بنا پر ان میں بہت سے لوگ مالدار ہو گئے۔

یہی وہ دور ہے جس میں سارایوو نے قابل ملاحظہ طور پر اپنی ایک مستقل ساکھ بنالی تھی، وزیر اور شہری باشندوں کے درمیان سنگین نوعیت کے جھگڑوں کے موارد بھی سامنے آتے رہے۔

جلال الدین پاشا کے منصوب ہونے اور ۱۸۲۰ء (۱۲۳۵ھ) میں اس علاقہ میں وارد ہونے کی بنا پر بہت سی جانوں کے ضائع ہو جانے کے بدلے دوبارہ نظم ونسق قائم ہو گیا۔

۱۸۳۱ء ۱۲۴۶ھ عسکری ڈھانچہ میں ترمیم واصلاحات کے درپے، بوسنیا ومسلمان اشراف وعمائدین کی زیر سرپرستی اور حسین قپودان گرداشچوبیچ کی رہبری میں ایک بغاوت ہوئی، باغیوں نے بوسنیا وہرزگوئین کے مکمل طور پر آزاد رہنے اور اپنے وزیر کے خود ہی انتخاب کرنے کا مطالبہ رکھا ساتھ ہی اس بات کو بھی قبول کر لیا کہ بوسنیا کی جانب سے سالانہ لگان سلطان کو ادا کی جائے گی، لیکن ابتدا ہی میں علی آقا رضوان کی قیادت میں ہرزگوئین کے قپودانوں نے اس تحریک سے کنارہ کشی اختیار کی اس طرح ۱۸۳۲ء (۱۲۴۸ھ) میں اس بغاوت کو کچل دیا گیا اور پھر ہرزگوئین پاشانشینوں کی صورت میں ڈھل گیا اور علی پاشا رضوان بیگووبیچ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی (یعنی ۱۸۲۳ء ۱۲۴۹ھ)

مختلف قسم کی جدوجہد کے درمیان علی نامق پاشا مرالیا اور انکے نظریات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جنہوں نے بوسنیا کے بغاوت کرنے والے تمام اشراف اور کمانڈوروں کی جانب سے سلطان محمد کی اصلاحات کو قبول کر لینے کے سلسلہ میں بہت کوششیں کیں لیکن ان لوگوں نے اصلاحات کو یکسر مسترد کر دیا خاص کر انہوں نے بوسنیا کے مشرقی حصہ کو صربستان کے حوالے کر دینے کی شدید مخالفت کی۔

شہر توزلا میں منعقد ہونے والی کمانڈروں اور اشراف کی مجلس شوری نے سلطان محمد سے مطالبہ کیا کہ جدید لشکر کی تشکیل کو روک دے اور بوسنیا کو اتنا اختیار دیا جائے کہ وہ دیگر حاکموں کے ساتھ مل کر ایک جمہوری حکومت کو تشکیل دے سکیں اور بوسنیا کی خودمختار حکومت سالانہ ٹیکس باب عالی {thesublimeporte} کو ادا کرے گی۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا، یہ تمام مطالبات سلطان محمد دوم نے رد کر دیئے جس کے نتیجہ میں حسین کاپودان گرداشوبیچ کی رہبری میں بوسنیا کے سربرآوردہ شخصیتوں نے باب عالی کے مقابل صف آرائی کر لی اور ۲۵ ہزار پر

مشتمل لشکر تشکیل دیا یہ لشکر اگر چہ آلبانیہ کے باغیوں کے ساتھ اتحاد کا خواہاں تھا لیکن یہ کام اپنے انجام کو نہ پہنچ سکا۔

۱۲۴۷ھ صفر مطابق جولائی ۱۸۳۱ء کے مہینہ میں بوسنیا و ہرزگوئین اور عثمانی لشکر کے درمیان چھڑ جانے والی جنگ کا اختتام سلطنت عثمانی کی شکست پر ہوا، بوسنیائی اپنی سرزمینوں پر واپس پلٹ گئے اور انہوں نے بوسنیا کے علاقوں کے لئے ایک نئی عدالت کی تشکیل دی حسین کاپودان بوسنیا کے وزیر قرار دیئے گئے باب عالی ان تبدیلیوں کو رسمی طور پر قبول نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی جانب سے جدید نظام کی بساط پلٹ دینے کی کوششیں جاری تھیں، ۱۸۳۲ء میں عثمانی سلطان کی جانب سے بوسنیائیوں سے جنگ کے لئے ایک فوج بھیجی گئی، سارایوو کے نزدیک جنگ ہوئی جس میں بوسنیائیوں کو شکست ہوئی اور انکی خودمختار حکومت ختم ہوگئی حسین کاپودان نے آسٹریا میں پناہ لی، لیکن بعد میں سلطان نے حسین کاپودان کو بخش دیا اور پھر وہ استانبول چلے گئے اور کچھ ہی دنوں بعد ۳۳ر سال کی عمر (یعنی ۱۸۳۳ء میں دنیا سے گزر گئے بوسنیا کے لوگوں کی نظروں میں حسین کاپودان کو ایک قومی ہیرو کے طور پر مانا جاتا ہے۔

باب عالی سے شکست کھا جانے کے بعد بوسنیائیوں کی اپنی آزاد حکومت حاصل کرنے کی کوششیں کبھی اپنے انجام کو نہ پہنچ سکیں، ۱۸۳۱ سے لے کر ۱۸۵۰ء مطابق ۱۲۴۷ سے لے کر ۱۲۶۶ھ تک اس علاقے میں چھوٹے بڑے بیس سے زیادہ قیام ہوئے جنکی زیادہ تر علت ٹیکس میں اضافہ، اور لگان وصول کرنے والے کارندوں کے ظالمانہ اور من مانا رویہ کی بنیاد پر رعایا کی افسوس ناک صورت حال کا پیدا ہوجانا ہے۔

۱۸۵۰ء میں باب عالی کی جانب سے عمر پاشا لاتس کو جو صربوں کے مسلمان حکام میں سے تھا بوسنیا و ہرزگوئین کے والی کے طور پر بھیجا گیا گویا عمر کو یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ مخالفوں اور باغیوں سے سختی سے نپٹا جائے۔

عمر پاشا نے بوسنیا میں سلطان کی نظر کے مطابق اصلاحات کو انجام دیا اور وسیع پیمانہ پر مخالفین کے سرداروں کو گرفتار کرنے، ملک بدر کرنے اور انہیں قتل کرنے جیسے اقدامات کو انجام دیا، عمر نے سرکاری اداروں کو بوسنیائیوں کی دسترس سے باہر کردیا اور بوسنی و ہرزگوئین کو ۷ر صوبوں میں تقسیم کردیا اور بوسنیائیوں کے علاوہ دوسرے کارندوں کو منتخب کیا نیز مشرقی بوسنیا کو علیحدہ کردیا اور اسے ایک مستقل سنجاق، نوی بازار کا نام دیا۔ ان کاموں نے زیادہ سے زیادہ عمومی ناراضگی کو بڑھاوا دیا، قومی اور مذہبی دشمنیوں کا بیج بھی اسی دور میں بویا گیا۔

صرب اور کروشیائی لوگ بوسنیا کی ان شورشوں اور لوگوں کی حکومت وقت سے ناراضگی کو دیکھتے ہوئے اپنے قومی مفاد کے حصول میں لگے تھے اگر چہ اس میں دینی رنگ کے ساتھ مسلمانوں کی مخالفت کا عنصر بھی شامل تھا۔

انہیں کوششوں کے چلتے عیسائیوں کے پس پردہ مختلف دھڑے عثمانیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، خاص کر علاقہ کے عام عیسائیوں کے قائدین، جو کہ عثمانی سلطنت کی دیگر رعایا کی طرح زندگی کی ابتری

کی طرف بڑھتی ہوئی صورت حال سے ناراض تھے ان لوگوں نے جھڑپوں اور شورشوں میں بہت متحرک کردار ادا کیا، یہ لوگ چاہتے تھے کہ بوسنیا و ہرزگوئین کو عثمانیوں کے دست قدرت سے باہر نکال کر صربستان یا کروشیا سے ملحق کر دیں۔

تو پال عثمان پاشا کی حکومت میں (۱۸۶۱ء۔ سے ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۷۷ھ۔۱۲۸۶ھ) میں بوسنیائی حکومت کے سسٹم میں مزید اصلاحات نافذ ہوئیں، ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ھ) میں بانیالکا سے نوی{Novi} تک کی ریل کی پٹری کا افتتاح ہوا، ۱۸۶۰ء/۱۲۷۷ھ ولایتی پریس نے بھی اپنے کام کا آغاز کر دیا اور پھر کچھ مدارس بھی تاسیس ہوئے. ان اصلاحات کے اثر کی بنا پر تجارت اور لین دین کے معاملات میں بھی بہبودی آئی.

بہت سے شہر نشین صرب گھرانے دولت مند ہو گئے جسکے نتیجہ میں آہستہ آہستہ صربوں کا دیہاتی علاقوں میں اثر کم ہوتا گیا، لیکن ان اصلاحات کے بل پر زراعت کے شعبہ میں کوئی بڑا انقلاب نہ آسکا بلکہ من مانے طریقہ سے نافذ ہونے والا ٹیکس کسانوں کی شورش کا سبب بنا، ۱۸۴۸ء/۱۲۶۴ھ میں بوسنیائی وزیر طاہر پاشا نے زمین اور کرایہ داری سے متعلقہ ان مسائل کو حل کرنے کا بیڑا اٹھایا جو کسانوں کی ناراضگی کا سبب بن گئے تھے، (۱۲۸۴ھ) میں زمین سے متعلق زراعتی قانون کی تصویب کے بعد چند ایسے اقدام ہوئے جنکا نتیجہ ناکامی تھا یہاں تک کہ ۱۸۵۹ء۱۲۷۶ھ کے فرمان کے ذریعہ زراعت کے لئے اجارہ کے طور پر دی جانے والی زمین اور اجارہ داروں کی صورت حال واضح ہوگئی، لیکن اس فرمان میں بوسنیا و ہرزگوئین کی مالیات کے لئے یکساں قانون تجویز نہیں کیا گیا تھا لہذا ارضی مالکیت کے نظام کے بارے میں فرمان سے جڑے تمام قوانین ۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ تک اپنی جگہ بھرپور انداز میں باقی رہے۔

انیسویں صدی کے نصف تک یہ نامناسب حالات کسانوں کی جانب سے چند ایک بغاوتوں کا سبب بنے ۱۸۷۵ء/۱۲۹۲ھ کے بڑے قیام میں عیسائی کسان آغاؤں اور بیگوں کے ساتھ متحد ہو گئے شہر نشین صربوں اور مونٹنگرو کے عثمانیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے اس شورش نے ایک سیاسی رنگ پکڑ لیا، ہرزگوئین میں اگرچہ قیام ایک قومی تحریک کی صورت میں سامنے آیا لیکن بوسنیا کی سرحدوں کا ایک محدود حصہ ہی اس میں شریک ہوا یہ قیام بڑی طاقتوں کی دخل اندازیوں کی بنا پر عمل میں آیا تھا، البتہ بوسنیا و ہرزگوئین میں کسانوں کے قیام کا دائرہ تیزی کے ساتھ پھیلا اور مقدونیہ، بلغارستان اور نوی بازار کو بھی اس نے اپنے ساتھ لے لیا اور یہی بات صربستان، مونٹنگرو اور روس کی عسکری مداخلت کا سبب بنی۔

عیسائیوں نے رسمی طور پر بوسنیا و ہرزگوئین کے صربستان اور مونٹنگرو سے الحاق کا مطالبہ کیا اس مطالبہ کی بنیاد پر رونما ہونے والی جنگ میں بوسنیا و ہرزگوئین کے ایک ہزار سے زیادہ لوگ مارے گئے اور خاصی تعداد میں لوگ

آسٹریا کی طرف ہجرت کر گئے۔

۱۸۷۸ء/۱۲۹۵ھ برلین کانفرنس میں یورپیوں نے بوسنیا کے لوگوں کی خواہش کے برخلاف اس سرزمین کو آسٹریا اور مجارستان کی سلطنت کے حوالہ کر دیا کہ یہ سلطنت وہاں کے مسائل کو حل کرے، سان استفانو {Sanstefano} معاہدے کے تحت سلطنت عثمانی نے بوسنیا و ہرزگوئین کی خودمختاری سے موافقت کی تھی چنانچہ بوسنیا و ہرزگوئین پر تسلط کے بعد عثمانی حکومت کو مجبوراً وقتی طور پر یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا۔

جولائی ۱۸۷۸ء میں آسٹریائی افواج علاقہ میں داخل ہوگئیں اور مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے سامنے آگئیں جس کے نتیجہ میں علاقے میں رہنے والے کچھ ارتھوڈکس بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوگئے یہ لڑائی ۳ مہینہ تک چلی اس میں کئی جنگیں ہوئیں لیکن آخرکار آسٹریوں کو غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے مقاومت کرنے والے کچھ لیڈروں کو تختہ دار پر چڑھا دیا تو کچھ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا، بوسنیا و ہرزگوئین پر تسلط کا آغاز ۲۹ رجب/۲۹ جولائی کو شروع ہوا اور ۲۳ شوال ۱۲۹۵ھ/۲۰ اکتوبر ۱۸۷۸ء کو اپنے تکمیل کے مرحلہ میں پہنچا، کچھ علاقوں میں شدید مزاحمت ہوئی خاص کر سارایوو کے علاقہ میں شدید مزاحمت ہوئی جسے سختی کے ساتھ کچل دیا گیا۔

بوسنیا بیسویں صدی میں :

گرچہ بوسنیا اپنی گزشتہ تاریخ میں ہمیشہ نشیب و فراز کا شکار رہا اور انفعالی جھڑپوں سے جوجھتا رہا ہے لیکن بیسویں صدی میں اس سرزمین پر کچھ ایسے اہم واقعات رونما ہوئے کہ جو سیاسی اور اجتماعی نقطہ نظر سے بین الاقوامی سطح کے حامل ہیں جو یورپ کے حصہ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی اساس ہیں اس اشارہ کے بعد مناسب ہے کہ ہم بوسنیا کے بیسویں صدی کے حالات کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔

الف) مسلمانوں اور عیسائیوں کی سیاسی اور مذہبی جدوجہد:

۱۸۹۹ء/۱۳۱۷ھ میں جانچ {Dzabic} کی رہبری میں بوسنیا و ہرزگوئین کے مسلمانوں کی مذہبی و تعلیمی خودمختاری کے لئے ایک غیر متزلزل جنگ کا آغاز ہوا یہ جنگ صرب ارٹوڈکسوں کی تحریک سے جڑ گئی، جانچ زیادہ سے زیادہ رعایات کے حصول پر مصر تھے لیکن وہ اقلیت میں تھے، ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں مذہبی اور اسلامی معاشرہ کی بہبود کی غرض سے ایک تجویز بنیامین کالای {Benjamin kallay} کو سونپ دی گئی اس تجویز میں بوسنیا و ہرزگوئین پر عثمانیوں کے سلطنتی حقوق پر خاص کر تاکید کی گئی تھی یہ وہ بنیادی چیز تھی جسے آسٹریا {Austria} اور ہنگری {Hungery} کے صاحبان منصب قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔

۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں جانبیچ سلطان سے مشورہ کے لئے استانبول {Istanbul} گیا اور پھر اس کی بوسنیا و ہرزگوئین آمد ممنوع ہوگئی، ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کالائی کے انتقال کے بعد بوریان جانشین ہوا بوریان نے بعض گروہوں کو قابل قبول طور پر سیاسی فعالیت کی اجازت دی یہی امر مسلمانوں کے سیاسی ڈھانچہ میں مضبوطی کا سبب بنا۔

۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء کے صلح آمیز قوانین نے کلیسا و مدارس کو نسبی طور پر استقلال عطا کیا مدارس کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے نئے ٹیکس کا نفاذ مسلمانوں کی ناراضگی کا سبب بنا ساتھ ہی سکون کے دور کے خاتمہ کا سبب بھی قرار پایا۔

۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء سے مسلمانوں کی مقابلہ آرائی نے ایک منظّم شکل اختیار کر لی مسلمانوں کی تنظیم خلق، علی بیگ فردوس کی صدارت میں تشکیل پائی، اس تنظیم نے تبدل پذیر طبقات کے مفادات کی حمایت کے ساتھ حکومت کے ساتھ بھی مذہبی آزادی کے سلسلہ میں مذاکرات کئے لیکن ان مذاکرات کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا، البتہ آسٹریا اور سنگری سے الحاق ہو جانے کی بنا پر شہنشاہ وقت نے ایک ایسا دستوالعمل پاس کیا جسکے بموجب بوسنیا و ہرزگوئین کے مسلمانوں کو مذہبی امور (وقف۔معارف) میں استقلال حاصل ہو گیا یہ دستور العمل ۱۹۳۰ء تک اپنی جگہ قانونی طور پر باقی رہا۔

آسٹریا اور سنگری کی سلطنت کا دور :

برلن کی قرارداد کے مطابق بوسنیا و ہرزگوئین کے لوگوں کی جان اور ان کے مال کی حفاظت اور ان کی دینی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی اسی طرح حکومت باب عالی کے ہاتھوں میں باقی تھی، مسلمانوں اور آرتھوڈاکس عیسائیوں کی ریاست عالیہ بھی استانبول کے اسلامی اور عیسائی مراکز میں باقی رہی۔

آسٹریا کی حکومت نے ابتدا سے ہی ایسی روش اپنائی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بوسنیا کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتی ہے اور وہاں اپنی موجودگی کو ثبات بخشنے کے درپے ہے، چنانچہ آسٹریا نے بوسنیا و ہرزگوئین کا استانبول کے دینی اداروں سے تعلق ختم کر دیا اور خود اسلامی معاشرہ پر نظارت اور انکی رہبری کے لئے ایک نیا ادارہ قائم کیا حتی آرتھوڈاکس کلیسا کو بھی اپنے آپ سے وابستہ کر لیا اور دینی معاشروں کے رہبروں کی تعیین کو بھی اپنے دائرہ اختیار میں منحصر کر لیا ان تمام باتوں کے باوجود آسٹریائی حکومت آرتھوڈاکسوں کی اس تحریک سے خوف کھاتی تھی جسے صربوں کی حمایت حاصل تھی اور جو یہ کوشش کر رہی تھی کہ بوسنیا و ہرزگوئین کو صربستان اور مونٹنگرو سے ملحق کر لیا جائے۔

بوسنیا و ہرزگوئین کے آرتھوڈاکسوں کے اہداف جنہیں بعد میں بوسنیائی صرب کہا گیا آخر کار کسی حد تک

پورے بھی ہوئے ۱۹۰۸ء/۱۳۲۶ھ میں بوسنیا و ہرزگوئین کا قانونی الحاق آسٹریا سے ہوگیا یوں صربوں کو دینی اور ثقافتی امور میں محدود پیمانہ پر کچھ آزادی نصیب ہوئی اور یہی چیز اس بات کا سبب بھی بنی کہ اسلامی سماج کی رہبری بھی کسی حدتک استقلال پاسکے۔

عثمانیوں کی کمزور حکومت ان تمام اقدامات کے خلاف کوئی ردعمل نہیں دکھاسکتی تھی جیسا کہ اس نے مجبور ہوکر ۱۹۰۹ء میں رسمی طور پر بوسنیا و ہرزگوئین کے آسٹریا سے الحاق کو قبول کرلیا تھا، ان تمام پیش آنے والے نشیب و فراز نے بوسنیا و ہرزگوئین کے کیتھولکوں کے کروشیا سے مل جانے اور ایک مستقل ملک تاسیس کرنے کی امیدوں کو اور بھی بڑھادیا، بہت سے مسلمان جو بوسنیا کے دوبارہ عثمانی قلمرو میں پلٹ آنے کی امید کھو چکے تھے انہوں نے عثمانی قلمرو کی طرف ہجرت شروع کردی جبکہ نئی حکومت کو قبول کرلینے والے دھڑے نے اپنے دینی، شہری اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کردی۔

۱۹۰۸ء میں آسٹریا کے بادشاہ نے بوسنیا و ہرزگوئین میں موجود ادیان کے پیروکاروں کو ثقافتی اور دینی استقلال بخشا لیکن آرتھوڈاکس اتنے پر راضی نہ ہوئے اور صربستان میں بوسنیا و ہرگوئین کو ضم کی کوششوں کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اس دور میں بوسنیا و ہرزگوئین میں ایسی پارٹیاں قائم ہوئیں جو دینی یا قومی حیثیت کی حامل تھیں، مسلمانوں کا دینی اور قومی درد رکھنے والی سب سے پہلی پارٹی کی شکل میں ''تنظیم خلق مسلمان'' نام کی ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں مسلمانوں کی سب سے پہلی پارٹی بنی، آرتھوڈاکس صربوں اور کروشیائی کیتھولکوں نے بھی کچھ پارٹیاں بنائیں بوسنیا و ہرزگوئین کی سپ سے پہلی قانون ساز مجلس کا قیام ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں عمل میں آیا، اس دور میں حکومت کی نمایاں کارکردگیوں کے نمونوں کے طور پر جنہیں صنعت وٹکنالوجی سے کے میدان میں اٹھائے جانے والے شروعاتی قدم بھی کہا جاسکتا ہے، چند کارخانوں کی تاسیس اور ریل کی پٹریوں کے بچھائے جانے کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

عثمانی حکومت کو ۱۳۳۰ھ و ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء ۱۹۱۳ء کی جنگوں کے دوران بالقن کے وسیع علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا من جملہ نوی بازار کا مسلمان جمعیت والا علاقہ صربستان اور مونٹنگرو کے درمیان تقسیم ہوگیا۔ مونٹنگرو کے حکام اور فوج نے مسلمانوں کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے یا انہیں ملک بدر وقتل کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے کچل دینے کی سیاست اپنائی، لیکن صربستان میں مسلمانوں کی صورت حال بہتر تھی یہ تمام حالات اور خاص کر پہلی عالمی جنگ کا ہونا اس بات کا سبب بنا کہ مسلمان بھی عثمانی سلطنت کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوجائیں۔

فرانتس فرڈیناند آسٹریا کے ولی عہد کا ۲۸/جون ۱۹۱۴ء سارایوو میں خفیہ طور پر سرگرم عمل قوم پرست صربوں کے ''جوان بوسنیا'' نامی گروپ کے ذریعہ قتل عالمی جنگ کے مزید شعلہ ور ہونے کا سبب بنا. بوسنیا و ہرزگوئین کے بہت سے لوگ سلطنت عثمانی کی فوج میں صربستان سے روس تک محاذوں پر لڑ رہے تھے جن میں دسیوں ہزار لوگ مارے گئے. اسی طرح صربستان اور مونٹنگرو کے سپاہیوں نے مشرقی بوسنیا میں ہزاروں غیر فوجی عام لوگوں کو قتل کر دیا۔

یوگوسلاویہ کا متحدہ محاذ:

ہابسبورگ کے بادشاہ کے ولی عہد کے سارایوو میں جوان بوسنیا کے رکن صرب بوسنیائی طالب علم کے ذریعہ قتل کے بعد جب آسٹریا اور ہنگری نے صربستان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور پہلی عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو جنوبی صرب کے اسلاوں، کروشیائیوں، بوسنیا و ہرزگوئین کے لوگوں اور اسلوینیہ اور مونٹنگرو و بلغارستان کے مابین ایک متحدہ محاذ کی فکر سامنے آئی خاص کر صرب اور کروشیائی اس محاذ کی تشکیل کے حق میں تھے، لیکن بوسنیا و ہرزگوئین میں اس کے باوجود کے نئی نسل اس نظریہ کی حمایت کر رہی تھی لیکن سابقہ نسل آسٹریائی سلطنت کے ساتھ رہنے پر قائم تھی، جب پہلی عالمی جنگ میں بنیادی حیثیت رکھنے والی طاقتوں کی شکست کھل کر سامنے آ گئی تو اس محاذ کے تشکیل پانے کی فکر کو اور قوت ملی اور پھر مسلمان، صرب اور کروشیائی سیاست دانوں نے آپس میں بیٹھ کر گفت وشنید کی، انجام کار ۱۹۱۸ء کو زاگرب میں ایک قومی شوریٰ کی تشکیل عمل میں آئی جو بوسنیا و ہرزگوئین، صربوں، کروشیائی اور اسلونی باشندوں سے مل کر بنی تھی ۔ چند دنوں کے بعد بوسنیا و ہرزگوئین کی قومی حکومت نے سارایوو میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا لیکن نئے ملک کے تمام صوبوں میں چین وسکون اور نظم قائم کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود کچھ حاصل نہ ہو سکا اور مسلمانوں کی ترکی کی جانب ہجرت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

نومبر ۱۹۱۸ء میں حکومت نے اس بات کی اجازت دی کہ صربستان کی فوج نظم ونسق برقرار رکرنے کی غرض سے بوسنیا و ہرزگوئین میں داخل ہو سکتی ہے، اسی سال دسمبر کے آغاز میں صربستان کے تمام علاقوں نیز کروشیا و اسلونی و بوسنیا و ہرزگوئین کے ساتھ مل کر ایک نیا ملک تشکیل پایا اس متحدہ حکومت کو یوگوسلاویہ کا نام دیا گیا اور اسے صربستان کے بادشاہ کے حوالے کر دیا گیا اسکا پایۂ تخت بلگراد قرار پایا لیکن جدید نظام میں تمام کاموں کا سرا صربوں اور کروشیائیوں کے ہاتھوں میں تھا اور بوسنیا و ہرزگوئین کے مسلمانوں کا کوئی خاص رول نہیں تھا، لہذا انہوں نے اپنے سیاسی حقوق کو حاصل کرنے کے لئے اور دیگر اقوام کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے چند پارٹیوں کی

تاسیس کی جس میں سب سے اہم پارٹی سارایوو میں فروری ۱۹۱۹ء میں تاسیس ہونے والی مسلمانوں کی ''یوگوسلاویہ تنظیم''، تھی جس کے رہبر محمد سپا ہو تھے جنہوں نے جدید ملک میں ۱۹۲۰ء میں ہونے والے انتخابات میں کثرت سے ووٹ حاصل کئے، لیکن جدید معاشرہ دین اور قومیت کے محور پر آگے بڑھ رہا تھا. بوسنیا و ہرزگوئین کے صرب بلگراد کے محور پر ایک مرکزی حکومت کی طرفداری کر رہے تھے جبکہ کروشیائی، ملک کے تمام صوبوں کی آزادی وخودمختاری کے ساتھ زاگرب کے تابع تھے اور اسے سیاسی مرکز کے طور پر پیش کر رہے تھے، ادھر مسلم سماج میں کوئی استقلال نہ تھا اسی بنا پر دونوں دھڑوں میں مسلمانوں کو اپنی طرف رجھانے کی رسہ کشی جاری تھی یہ رسہ کشی متحدہ یوگوسلاویہ کی عمر کے آخر تک یعنی ۱۹۴۱ء تک جاری رہی ۔

ان حوادث کے درمیان بوسنیا و ہرزگوئین کی خودمختاری اور آزادی کے طالب محمد سپاہو اپنی پارٹی کے ساتھ جو جنوبی اسلاوں کے متحدہ اقوام میں شامل تھی اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے صربوں کے خلاف کروشیائیوں کے شانہ بشانہ اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن صربوں کی عسکری اور سیاسی طاقت بہت زیادہ تھی اور خاص کر اہم اقتصادی مراکز بھی انہیں کے ہاتھ میں تھے لہذا بوسنیا کے استقلال کی فکر کے مقابل پھر اور ایک فکر سامنے آئی جس میں بوسنیا ہرزگوئین کو صربستان اور کروشیا میں تقسیم کرنے کی بات لوگوں کی زبانوں پر تھی اور کچھ لوگ اسی بات کو کروشیائیوں کے ساتھ اپنے جھگڑے کے حل کے طور پر پیش کر رہے تھے۔

۱۹۲۹ء میں بحران اپنے عروج پر جا پہنچا اور الکساندر کارشرشویچ متحدہ یوگوسلاویہ کے بادشاہ نے ملک کی پارلیمنٹ کو تحلیل کر دیا اور آمریت کا طرز اپنا لیا اگرچہ اس نے کوشش کی کہ یوگوسلاویہ کے قوم پرستانہ نظریات و خصوصیات کو اکھاڑ پھینکے حتی اس نے صرب، کروشیا اور اسلوونی کے ناموں کو بھی رسمی طور پر ملک سے ختم کر دیا اور قومی پارٹیوں کی فعالیت کے سامنے بھی کافی مشکلیں کھڑی کیں لیکن پھر بھی صربوں کی قدرت اور طاقت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔

۱۹۳۴ء میں کاراثرژویچ کی موت کے بعد ایک بار پھر صربوں اور کروشیائیوں کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا اور آخر انجام ۱۹۳۴ء میں بوسنیا و ہرزگوئین کی سرزمین کی تقسیم کی بات پر منتہی ہوا۔ اسی سال اگست میں یہ علاقہ صربوں اور کروشیائیوں کے درمیان تقسیم ہو گیا، لیکن عملی طور پر اس کام پر بہت سے اعتراض ہوئے اور بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا خاص کر مسلمان اس کے خلاف مقابلہ پر اتر آئے یہ کھینچ تان چلتی رہی یہاں تک کہ دوسری عالمی جنگ کے کچھ بعد حالات کچھ ایسے ہوئے جو اس تقسیم اور بوسنیا و ہرزگوئین کی نابودی میں ایک رکاوٹ بن گئے

دوسری عالمی جنگ اور کروشیا کی حکومت کی تاسیس:

۶/اپریل ۱۹۴۱ء میں جرمنی کی فوج نے یوگوسلاویہ پر ایک چوطرفہ حملہ کا آغاز کر دیا اور چند دن کے اندر ہی اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ جرمنی فوج اپریل کے مہینہ میں سارایوو میں داخل ہوگئی کروشیائی فوراً نازیوں کے ساتھ جا ملے اور انہوں نے نازیوں کے تعاون سے کروشیا کی حکومت قائم کی۔ یوں انہوں نے جرمنوں اور اطالویوں کی حمایت وتائید سے پورے بوسنیا وہرزگوئین کو اپنے اختیار میں لے لیا۔

اس دور میں ٹیٹو کی رہبری میں جو کہ برابری اور اجتماعی واقتصای عدالت کا مروج تھا یوگوسلاویہ کے کمیونسٹوں کی خفیہ کوششیں اس بات کا سبب بنیں کہ علاقے کے بہت سارے لوگ خاص کر مسلمان اس پارٹی میں شامل ہوگئے کمیونسٹوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہم ملک پر تسلط کو قبول نہیں کریں گے اور انہوں نے تمام یوگوسلاویہ کے اقوام کو دعوت دی کہ وہ چھاپہ مار گوریلا جنگ میں حصہ لیں. بوسنیا وہرزگوئین کی جغرافیائی صورت حال نیز وہاں کے لوگوں کے آپسی کینوں، قومی اور دینی جھگڑوں نے اس علاقہ کو نازیوں سے ایک بڑی جنگ کے منظر نیز قومی قتل و غارت گری میں بدل دیا۔ خاص کر کروشیا کی حکومت واضح طور پر صربوں اور یہودیوں سے مقابلہ پر اتر آئی۔ ان میں سے بہت سے کروشیائی انتہا پسند تنظیموں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے لیکن اکثر مسلمانوں نے خود کو جھگڑوں اور سیاسی و عسکری کشمکش سے دور رکھا اور کروشیائی حکومت کے سایہ میں انہوں نے اپنے وجود کو محفوظ رکھنے کی کوششیں جاری رکھیں انہیں کوششوں کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے وہاں اپنی حفاظت کے لئے ایک مخصوص پلیس کا گروپ بھی تیار کر لیا۔

چتنیکی :

بوسنیا و ہرزگوئین کے وہ صرب باشندے جو کروشیائیوں کے حملوں کا نشانہ بنے دراژا میخائلوویچ کی رہبری میں سلطنت یوگوسلاویہ کی باقی ماندہ فوج میں داخل ہو گئے اور انہوں نے اس طرح ایک لشکر تیار کیا جسے ''چتنیکی'' کے نام سے جانا جاتا ہے اگر چہ یہ لوگ ظاہری طور پر یوگوسلاویہ کی شہنشاہیت کی تجدید حیات کے لئے آئے تھے لیکن انکا نہائی ہدف ایک ایسے بڑے صربستان کی تشکیل تھا جو بوسنیا وہرزگوئین اور بعض کروشیائی علاقوں پر مشتمل ہو، دوسری عالمی جنگ کے دوران انہوں نے وسیع پیمانہ پر حملہ کیا اور بوسنیا وہرزگوئین کے مشرق میں قومی اور دینی تطہیر وتعمیر میں حصہ لیا لیکن جرمنوں اور کروشیائیوں کے آمادہ رہنے اور مسلمان عوامی پلیس کی موجودگی کی وجہ سے یہ لوگ بوسنیا وہرزگوئین کے مرکز میں کوئی کام آگے نہ بڑھا سکے۔

دوسری طرف دفاعی تحریک جو کہ مارکسسٹی گروہ اور تمام حریت پسند صربوں اور کروشیائیوں اور مسلمانوں

پر مشتمل تھی روز بروز طاقت ور ہوتی گئی اس تحریک کے رہبر ٹیٹو کی کوشش تھی کہ قومی اور دینی اختلافات کو ختم کر کے اسکی جگہ اتحاد و برابری کی فکر کو مضبوط بنائے اسی لئے وہ تمام گروہ جو دشمنانہ رویوں سے تھک چکے تھے اگر چہ انکا تصور کائنات مارکسسٹی نہ تھا پھر بھی وہ سب اس لئے اس تحریک کا رخ کر رہے تھے کہ اس کے ذریعہ انہیں فسطائیت {Fascism} اور قوم پرستانہ نظریات رکھنے والی طاقتوں سے لڑنے کا راستہ نظر آرہا تھا ۔

نومبر ۱۹۴۳ء میں بوسنیا و ہرزگوئین کے کمیونسٹ رہبروں نے اپنی ایک نشست میں رسمی طور پر اس سر زمین کی تقسیم کی مخالفت کی اور انہوں نے اس سرزمین کو یوگوسلاویہ کی وفاقی {Federal} حکومت کی ایک جمہوری حکومت قرار دیا یہ تبدیلی یوگوسلاویہ کے کمیونسٹوں کی اعلی کمان کی جانب سے مورد تائید قرار پائی،

جنگ ابھی بھی پہلے ہی کی طرح جاری تھی ۱۹۴۴ء میں نازیوں کی افواج نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا ۱۹۴۵ء میں مقاومتی تحریک نے سارایوو کے شہر پر قبضہ کر لیا اسکے کچھ ہی عرصہ بعد بوسنیا و ہرزگوئین کی پوری سر زمین نازیوں سے خالی ہوگئی اسی دوران کمیونسٹی حکومت نے سارایوو میں اپنے وجود کا اعلان کیا اور تیزی کے ساتھ تمام کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا جدید حکومت کے سب سے فوری اہداف میں کہ جس نے جنگ کے خاص شرائط میں زمام امور کو سنبھالا تھا یہ بات تھی کہ پارلمانی انتخابات کرائے جائیں، بنیادی دستور العمل کے تصویب پانے کے لئے بوسنیا و ہرزگوئین کی قومی مجلس کی تشکیل دی جائے، شہروں کی بازآبادکاری کی جائے، اور جنگ کی بنا پر ہونے والی بربادیوں سے نپٹنے کے ساتھ بے گھر ہو جانے والے لوگوں کی رہائش کا بندوبست کیا جائے نیز لوگوں کے سخت ترین زندگی کے حالات کو بہتر بنایا جاسکے۔

بوسنیا جمہوری یوگوسلاویہ کا ایک رکن:

انتیس نومبر ۱۹۴۵ء میں یوگسلاویہ کی فیڈرل حکومت نے رسمی طور پر اپنے وجود کا اعلان کر دیا، یہ ملک چھ ملکوں پر مشتمل تھا جس میں سوشلسٹ اسلونیہ، صربستان، کروشیا، مونٹگرو، مقدونیہ اور بوسنیا و ہرزگوئین شامل تھے جغرافیائی اور تاریخی بنیادوں پر تشکیل پانے والی بوسنیا و ہرزگوئین کی جمہوریہ میں صرب اور کروشیائی اقوام بھی شامل تھے، یوگوسلاویہ کے بنیادی دستور العمل میں بوسنیائی مسلمانوں کا کوئی ذکر تک نہیں تھا اور تیتو کی رہبری میں کمیونسٹ پارٹی کی ساری کوشش یہ تھی کہ بوسنیائیوں کو کروشیایوں اور صربوں میں تحلیل کر دے، یوگسلاویہ کی کمیونسٹ حکومت کی ایک اور سیاست یہ تھی کہ وہ دین مخالف پروپگنڈہ کرتی تھی اور کیتھولک کلیسا و اسلامی سماج کے مقابل دین مخالف مہم چلاتی تھی۔

دین سے جڑے امور کے خلاف تشدد آمیز رویہ:

مارکسیسٹی فکر سے سازگار اقتصادی تغیر وتحول من جملہ بوسنیا کے مسلمانوں کی ملکیتوں کو ضبط کر لینے نے مسلمانوں کو فقیر بنا دیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں اسلامی وشرعی عدالتوں کی بساط بھی سمیٹ دی گئی ۱۹۵۰ء میں وہ مساجد جو دینی تعلیمات کے مراکز کی حیثیت سے مصروف عمل تھیں ان پر بھی تالا چڑھا دیا گیا ۱۹۵۲ء میں صوفی طریقتوں کی فعالیتوں کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔

آخر کار تمام ثقافتی، دینی اور اسلامی اداروں کو بند کر دیا گیا وقف کی ملکیتوں کو ضبط کر لیا گیا، اس دور میں صرب کمیونسٹ پارٹی میں شامل لوگ اپنے گہرے وسیع اثر ورسوخ کی بنا پر بوسنیا وہرزگوئین کے حقیقی حاکم شمار ہوتے تھے

نسبی طور پر دینی آزادی کا ملنا:

ٹیٹو کے سوویت یونین سے اختلاف اور مالی امداد کی غرض سے اس کے مغرب کی طرف جھکاؤ کی بنا پر دینی امور کے سلسلہ میں اپنایا جانے والا سخت رویہ نرم ہوتا نظر آیا، آہستہ آہستہ مسجدوں کی باز آبادکاری ہوئی، دینی آزادی کسی حد تک نظر آنے لگی، یہ تبدیلی یوگوسلاویہ کے غیر وابستہ تحریک کی تشکیل پانے اور اسلامی ممالک کے ساتھ گہرے ہوتے ہوئے تعلقات سے بے ربط نہ تھی، گرچہ دینی ادارے ابھی بھی کمیونسٹ پارٹی کی زیر نگرانی تھے.

۱۹۶۵ء میں چیف انٹلی جنس آف دی پلیس کے منصب سے صرب الکساندر الکوبچ کی کنارہ کشی کے بعد ایک آزاد فضا پیدا ہوئی، مسلمان بوسنیائی باشندے خواہ وہ کمیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں خواہ کمیونسٹ نہ ہوں سب ایک گروہ کی صورت ''عاطف پوریواترا'' جیسی شخصیت کی رہبری میں کہ جو کمیونسٹ پارٹی میں ایک اعلی عہدہ دار تھے جمع ہوئے اسی طرح انہوں نے محمد فیلپوبچ جو ایک استاد ومحقق تھے کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا اور ثقافتی وقومی فعالیتوں کو ان افراد کی سربراہی میں آگے بڑھایا۔

اسلامی بیداری کا آغاز:

۱۹۷۰ء کی آخری دہائی میں یوگوسلاویہ کے اسلامی ممالک سے مستحکم ہوتے روابط کی بنیاد پر بہت سے بوسنیا کے باشندے علوم دینی کے حصول کے لئے عربی ممالک جانے میں کامیاب رہے علی عزت بگووبچ نے اسی دوران ''اصلاح وبیداری'' نامی کتاب شائع کی۔ ۱۹۷۴ء میں یوگوسلاویہ کے بنیادی دستور العمل کی اصلاح ہوئی اور بوسنیا وہرزگوئین کی قوموں میں مسلمانوں کے نام کا بھی اندراج ہوا لیکن بوسنیا کے نام کو پھر بھی درج نہیں کیا گیا جو کہ بوسنیا کے مسلمانوں کا تاریخی نام تھا ان تبدیلیوں کے متوازی صربوں اور کروشیائیوں کی قوم پرستانہ فعالیتوں

میں بھی دوگنا اضافہ ہوگیا بوسنیا میں رہنے والے بہت سے صربوں نے صربستان کی طرف کوچ کیا. ۱۹۸۰ء میں خاص کر کوزوو میں پیدا ہونے والی بے چینی اور جھڑپوں کی وجہ سے صربوں کی قوم پرستی ایک افراطی رنگ میں ڈھل گئی اور ایک بار پھر ۱۹۶۸ء میں دبریسا چوسیچ کے ذریعہ صربوں کے لئے ایک مستقل الگ ملک کی فکر زندہ ہوگئی۔

ثقافیتی تحریکیں اور قوم پرستانہ تبدیلیاں:

۱۹۸۵ء میں چوسیچ نے اپنی فعالیتوں میں شدت اختیار کر لی اور پھر کچھ ہی دنوں بعد صرب مصنفین اور روشن فکروں نے صربستان کے علوم کی اکیڈمی کے ذریعہ چوسیچ کے حمایت اور صربستان کی تشکیل کے سلسلہ میں ایک بیان صادر کیا جو کہ صربوں کی یوگوسلاویہ کے دیگر اقوام کے ساتھ سخت اور بے لچک رویہ کی پالیسی اپنانے کی تمہید شمار ہوتا ہے، البتہ بعد میں یہی چیز یوگوسلاویہ کے کمیونسٹ اتحاد کے سقوط کی علامت کے طور پر جانی گئی۔

دوسری طرف قوم پرستانہ نظریات کے حامل کروشیائی بھی مزید قدرت حاصل کرنے کی غرض سے کھڑے ہوگئے لیکن دونوں محاذوں میں جو مشترکہ صورت نظر آئی وہ یہی تھی کہ خواہ کمیونسٹ نظریہ رکھنے والا یوگوسلاویہ کا متحدہ محاذ ہو یا کروشیا کے قوم پرست دونوں ہی بوسنیا و ہرزگوئین میں بوسنیا کے مسلمانوں کے استقلال کے مخالف تھے۔

حصول قدرت کے سلسلہ میں یہ کوششیں اقتصاد کے کمزور ہونے ، درآمد میں کمی نیز بوسنیا کے ثقافتی میدان میں پچھڑ جانے کا سبب بنیں جسکی وجہ سے بوسنیا جمہوری یوگوسلاویہ کے سب سے پچھڑے ممالک میں تبدیل ہوگیا، خاص کر ترکی کی جانب متعدد مسلمانوں کی ہجرت نے بوسنیاؤں کو ایک دینی اور قومی اقلیت میں تبدیل کر دیا تھا ،ان تمام چیزوں کے باوجود انہوں نے ۱۹۷۰ء میں ایک ثقافتی تحریک چلائی اور بوسنیائی ادب و زبان کی تجدید حیات اور تاریخی معلومات کی ترویج کے سلسلہ میں جدوجہد کا آغاز کیا، اگرچہ یہ اقدام یوگوسلاویہ کے دیگر اقوام کی مخالفت کا سبب بنا لیکن جوان روشن فکر مارکسسٹی تربیت کے برخلاف قوم پرستانہ نظریات کو لے کر آگے بڑھتے گئے اور انہوں نے فرہنگی فعالیت کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام کے لئے بھی یوگوسلاویہ کے اتحاد کے مساوی حقوق کا مطالبہ کیا۔

انتہا پسندی، داخلی جنگوں کی بنیاد:

موجودہ بیداری پر اگر توجہ کی جائے تو بوسنیا و ہرزگوئین میں دینی اور انقلابی فعالتیوں کے ظہور و بروز اور اسلامی بیداری میں ایران کے اسلامی انقلاب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۸۳ء میں متحرک کردار ادا کرنے والے اسلام پسند لوگوں کو تعزیرات کا سامنا کرنا پڑا جبکہ اسکے مقابل صربوں کی تحریک نے اپنی فعالیت میں اور بھی شدت اختیار کی۔

۱۹۸۸ء میں آہستہ آہستہ پارٹیوں کی فعالیت سے پابندی کو ختم کر دیا گیا اور ۱۹۸۹ء میں کوزوو کے مقام پر ایک بڑا اجتماع ہوا اور اسلوبدان میلوشویچ نے صرب قوم پرستانہ نظریات میں انتہا پسندی کا رویہ اپنانے کے عنوان سے اس تحریک کی رہبری کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا میلوشویچ نے ابتدا سے ہی یہ واضح کر دیا کہ وہ پورے یوگوسلاویہ پر صربوں کا مکمل تسلط چاہتا ہے۔ اگرچہ اس نظریہ کو یوگوسلاویہ کی دیگر اقوام خاص کر کروشیائیوں اور اسلونیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

فروری ۱۹۹۰ء میں اسلونی کے نمایندوں نے صربوں کے نمایندوں کے رویہ اور میلوشوویش کے عقائد و اعمال پر اعتراض کرتے ہوئے کمیونسٹ پارٹی کو چھوڑ دیا اور پارٹی کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔ کچھ ہی دنوں بعد بوسنیا و ہرزگوئین اسلونی اور کروشیا میں انتخابات ہوئے اور بوسنیا کی ڈیموکریٹک پارٹی نے علی عزت بگوویچ کی رہبری میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے۔

اس کے بعد علی الترتیب صربوں کروشیائیوں کو باقی ماندہ مجلس کی کرسیاں نصیب ہوسکیں مذکورہ پارٹی تیزی کے ساتھ صربوں اور بوسنیا کی تقسیم کے خواہاں کروشیائیوں کے سیاسی اور ثقافتی حملوں سے بوسنیاؤں کے دفاع اور انکے حقوق کے تحفظ کے اصلی مرکز میں تبدیل ہوگئی ساتھ ہی ساتھ اس پارٹی نے فوجی مڈبھیڑ نہ ہونے کے سلسلہ میں بڑی جانفشانیاں کیں. ان تمام چیزوں کے بعد صرب اور کروشیا کے انتہا پسند قوم پرست، صلح آمیز طور پر مسائل کے حل کے لئے تیار نہ ہوئے جس کے نتیجہ میں جنگ کے شعلے ایک بار پھر بھڑک اٹھے۔

بوسنیا و ہرزگوئین کے جنگ سے جڑے ہوئے مسائل کو چند سطروں یا چند صفحوں میں مختصر طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا ہم ناچار ہیں کہ بوسنیا کے سلسلہ میں باقی ماندہ اہم مطالب خاص کر ادیان و مذاہب اور ثقافت و ادب سے جڑی باتوں نیز وہاں کے آداب و رسوم اور وہاں بنیادی نشیب و فراز کے درمیان فرقوں اور طریقتوں کے رول، اور آخر کی تین دہائیوں کی خصوصیات، مسلمانوں کی جغرافیائی اور سیاسی صورت حال کو آئندہ مقالہ میں بیان کریں۔

ایک کتاب: خلاصہ و تبصرہ

کتاب ''الفرقان الحق'' تعارف، تبصرہ اور تنقید

عزالدین رضانژاد
ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

کتاب کا نام: ..... الفرقان الحق
ترجمہ: ..... المہدی
ناشر: ..... امگاوین پریس
صفحات: ۳۶۶
مجلس تحریریہ: ..... الصفی والمہدی
مقام اشاعت: .....امریکہ
سال طباعت: ۲۰۰۱ء

الف: مصنف، مترجم اور ناشر کا مختصر تعارف:

حال ہی میں ''الفرقان الحق'' {The true furqan} عنوان کے تحت عربی زبان اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ ایک کتاب امریکہ میں منظر عام پر آئی ہے.

اس کتاب کے مقدمہ میں دو لوگوں ''الصفی'' اور ''المہدی'' کو تالیف و جمع آوری، اور ترجمہ و اشاعت کی کمیٹی پر نظارت کرنے والے اراکین کے طور پر پیش کیا گیا ہے گویا کہ عربی تالیف و جمع آوری ''الصفی الہام'' نامی شخص سے منسوب ہے اور ''المہدی'' نامی دوسرے شخص نے اس کے عربی متن کو انگریزی زبان میں ڈھالا ہے۔

امگا{Omega2001} اور وین پریس {Winpress} امریکہ کی دو اشاعتی کمپنیوں نے ۳۶۶ صفحات پر

مشتمل وزیری سائز ۲۴+۵+۷ سینٹی میٹر میں اس کتاب کی اشاعت کی ہے۔

ہر صفحہ میں داہنے ہاتھ کی طرف عربی متن اور بائیں ہاتھ کی طرف اسکا انگریزی ترجمہ چھپا ہے، یہ کتاب آمازون سایٹ پر ۱۹ ڈالر اور ۹۵ سینٹ میں بیچی جارہی ہے۔

ب: کتاب الفرقان الحق کا ترجمہ:

کتاب کا آغاز خداوند متعال کے نام کا ذکر کیئے بغیر ہوتا ہے، اس کتاب میں عربی امت کے لئے (خاص طور پر) اور عالم اسلام کے لئے (عام طور پر) خداوند قادر کی ذات سے سلام و درود طلب کیا گیا ہے اور پھر اس مضمون کی عبارت درج ہے ''انسانی روح کی گہرائیوں میں خالص ایمان، درونی چین وسکون، معنوی آزادی، اور زندگی جاوید کی طرف میلان پایا جاتا ہے، ہم خدائے واحد پر عقیدہ رکھتے ہوئے یہ مانتے ہیں کہ ہمارے قارئین کرام اور سامعین اپنے درونی میلانات کو ''الفرقان الحق'' کے راستہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ خالق انسانیت نے نور کے محتاج تمام انسانوں انکی نسل، رنگ، قوم، زبان، خاندان، قبیلہ اور دین پر توجہ کیئے بغیر اپنی اس آسمانی برکت کو ان پر نازل کیا ہے، پس خداوند متعال نے اس کرہ ارض کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے بہت کچھ اہتمام کیا ہے''

کتاب کا یہ مقدمہ تالیف وجمع آوری، اور ترجمہ واشاعت کی کمیٹی پر نظارت کرنے والے اراکین کے ناموں کے کے تذکرہ پر ختم ہوجاتا ہے اور اسکے بعد خودساختہ سوروں کے عناوین کی فہرست درج کی گئی ہے۔

ج: خودساختہ جھوٹے سوروں کے عناوین:

اس کتاب میں ۷۷ رجھوٹ موٹ کے سوروں کے نام بیان کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱. الفاتحه، ۲المحبه، ۳. النور، ۴. السلام ۵. الایمان ۶. الحق،
۷. التوحید ۸. المسیح، ۹. الصلب، ۱۰. الروح ۱۱. الفرقان الحق ۱۲. الثالوث
۱۳. الموعظه ۱۴. الحواریین ۱۵. الاعجاز ۱۶. القدر، ۱۷. المارقین ۱۸. المومنین
۱۹. التوبه ۲۰. الصلاح ۲۱. الطهر ۲۲. الغرانیق ۲۳. العطار ۲۴. النساء
۲۵. الزواج ۲۶. الطلاق ۲۷. الزنا ۲۸. المائده ۲۹. المعجزات ۳۰. المنافقین
۳۱. القتل ۳۲. الجزیه ۳۳. الافک ۳۴. الضالین ۳۵. الاخاء ۳۶. الصیام
۳۷. الکنز ۳۸. الانبیاء ۳۹. الماکرین ۴۰. الامیین ۴۱. المفترین ۴۲. الصلاة
۴۳. الملوک ۴۴. الطاغوت ۴۵. النسخ ۴۶. الرعاة ۴۷. الشهادة ۴۸. الهوی

۴۹.الانجیل ۵۰.المشرکین ۵۱.الحکم ۵۲. الوعید ۵۳.الکبائر ۵۴. الاضحی
۵۵. الاساطیر ۵۶. الجنه ۵۷. المحرضین ۵۸.البهتان ۵۹. الیسر ۶۰. الفقراء
۶۱. الوحی ۶۲.المهتدین ۶۳.الطوبی ۶۴.الاولیاء ۶۵.اقرا ۶۶. الکافرین
۶۷.الخاتم ۶۸.الاصرار ۶۹. التنزیل ۷۰. التحریف ۷۱. العاملین ۷۲. الآلاء
۷۳. المحاجة ۷۴. المیزان ۷۵. القبس ۷۶. الاسماء ۷۷. الشهید

ان مذکورہ ناموں میں گیارہ نام قرآنی سوروں کے ناموں سے ماخوذ ہیں۔[1]

د: مصنفین ومولفین کا مقصد:

المہدی کی جانب سے اس کتاب کی تالیف اور اسکی اشاعت کا مقصد جو کہ اس پروجیکٹ کو عملی جامہ پہنانے والی اجرائی کمیٹی کا ایک رکن بھی ہے کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ تقریبا ایک عرب کی تعداد میں ۳۹ ممالک میں زندگی گزار رہے ہمارے مسلمان دوستوں نے انجیل مقدس کے پیغام کی حقیقت کو ابھی تک نہیں سمجھا ہے ...[2] ''الفرقان الحق'' کی اشاعت کا مقصد مسلم اقوام کے لئے ایک ایسے وسیلہ کی فراہمی ہے جو انکی مدد کر سکے اور انہیں انجیل کے تعلیمات کی بشارت دے سکے اس لئے کہ اب تک ہمیں کوئی ایسا ذریعہ فراہم نہ ہوسکا جس کے بل پر ہم مسلمانوں کے افکار تک پہنچ سکیں ۔(اسلام درنگاہ غرب، ص ۲۵)

اس کتاب کی جمع آوری اور اسے شائع کرنے والوں کا ماننا ہے کہ ''الفرقان الحق'' میں نہ صرف یہ کہ انجیل مقدس کو عربی کی کلاسیکل {Classical} زبان میں ڈھال کر بیان کیا گیا ہے بلکہ یہ کتاب اس بات کی درپے ہے کہ ۱۴۰۰ سال سے قرآن کے عیسائیت سے مقابلہ کے جواب میں مسلمانوں کے درمیان جناب عیسی کے حاضر ہونے کے لئے سازگار ماحول فراہم کر سکے۔۔

یہ کتاب عثمانی رسم الخط کی بنیاد پر لکھی گئی ہے، اسکے مولفین ومصنفین اسے ۱۲ جلدوں میں شایع کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو وہ نفرت کے شعلے بھڑکانے والی ایک ثقافتی جنگ کے وسائل فراہم کرنا چاہتے ہیں۔جیسا کہ بعض عیسائی اور یہودی انتہا پسند کتاب ورسائل میں صلیبی

۱۔۱،۳،۷،۱۶،۱۹،۲۴، ۲۶،۲۸،۳۰،۳۸،۶۶، یہ وہ نام ہیں جو قرآنی سوروں سے لئے گئے ہیں

۲۔ تمام دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک عرب ۵ کروڑ کے قریب بیان کی گئی ہے جو خاص کر ۵۰ سے زیادہ اسلامی ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جنگ کے وقوع پذیر ہونے پر تاکید کرتے ہوئے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ہمیں کھل کر قرآن اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں آگے آنا چاہیے اور اس سلسلہ میں تمام عیسائی اور یہودی بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور مردوں پر فرض ہے کہ خود کو ہر طرح سے اس جنگ کے لئے تیار رکھیں۔

اس کتاب کی نشر واشاعت:

یہ کتاب امریکہ ویورپ کے بک اسٹالوں اور انٹرنیٹ کے ذریعہ لوگوں تک پہچائی گئی ہے، اپریل ۲۰۰۵ء میں اس کتاب کی کچھ کاپیاں پیرس میں موجود اسلامی ممالک کے سفارت خانوں میں بھیجی گئیں، ان کتابوں کو لندن سے نکلنے والے جریدوں اور وہاں موجود خبر رساں ایجنسیوں اور عربی زبان میں نکلنے والے رسائل و جرائد کے دفاتر میں بھی بھیجا گیا۔ اسکے علاوہ بیت المقدس سے نکلنے والے عربی اور عبرانی زبان کے رسائل و جرائد کے دفاتر میں بھی ان کتابوں کو ارسال کیا گیا۔

کچھ غور طلب باتیں تنقید اور جائزہ :

الف: اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنے کی اوچھی حرکت:

دین مبین اسلام کی کے دن بدن بڑھتے ہوئے دائرہ کی بنا پر اسلام مخالف عناصر اسلام کے مقابل ردعمل دکھانے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ ایک بار پھر انہوں نے جعل وتحریف جیسے اپنے پرانے حیلوں کو اسلام کے خلاف آزمایا تا کہ اپنے خیال خام میں وہ اسلام کے آفتاب عالم تاب کی نورانی کرنوں کو ظلمتوں کے پردوں کی اوٹ میں چھپا دیں، اس بار صہیونزم اور عالمی سامراج واستعمار نے اسلام کا دل میں عناد رکھنے والے عیسائیوں کو آلہ کار بنا کر ایک ثقافتی شیخون کی تیاری کی اور ''''واقعی ایمان''''معنوی آزادی'' اور درونی صلح'' کے دلفریب نعروں کے آڑ میں بیٹھ گئے کہ شاید کسی اونگھتے ہوئے سرگرداں انسان کو اپنے جال میں پھنسالیں، ہر چند کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ان افراد کی کم مائگی کی روشن گواہ ہے کہ جنہوں نے جھوٹے سورے گڑھے۔ اس سے قرآن میں تو کوئی نقص پیدا نہ ہو سکا بلکہ خود جہالت ومن گڑھت کی رسوائی نے انہیں کے دامن کو داغ دار کیا جبکہ قرآن کی عظمت اور اس کی شوکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

الفرقان الحق کی طباعت کی شکل میں سازشی ذہنوں کی قرآن کی عظمت کو گھٹانے کا یہ پہلا قدم نہیں ہے اور شاید انکا یہ آخری قدم بھی نہ ہو، بہر کیف دشمن ہر دن فریب ونیرنگی چالوں کے ذریعہ سامنے ہے، اس حساس مرحلہ میں دقت عمل اور مسائل کی صحیح جان کاری اور سازشوں کی برمحل اطلاع کے ذریعہ دشمنوں کی سازشوں کو نقش برآب کیا

جاسکتا ہے۔

ب: تاریخی سابقہ

اسلام کی تاریخ میں قرآن سے مقابلہ اور قرآنی چیلنج کی جواب دہی کا آغاز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی دور سے ملتا ہے۔

مسیلمہ کذاب، پہلا وہ شخص ہے جس کے ذہن میں قرآن سے مقابلہ کا فتور آیا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد دین اسلام سے منھ موڑ لیا اور نبوت کا دعوی کر ڈالا، ساتھ ہی قرآن کے بعض سوروں کے مثل کچھ سورے بھی گڑھ ڈالے جیسے سورہ اعلی وفیل کی طرح اس نے دوسورے قرآن کے مقابلہ میں پیش کیئے (رک: سیرہ ابن ہشام ۲/۶۰۰، تاریخ طبری: ۲/۳۹۴، ۳۹۹) مسیلمہ کذاب کی یہ ناکام کوشش اس قدر مضحکہ خیز تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کے اظہار سے اسے ذلت کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا اور ہر ایک پر اسکی ذلت ورسوائی آشکار ہوگئی۔

گرچہ تحدی وقرآنی چیلنج سے مقابلہ کی فکر سامنے آتی رہی ہے لیکن عصر حاضر میں اس مسئلہ نے ایک جدید رخ اختیار کرلیا ہے، یہ اور بات ہے کہ جب بھی کسی نے قرآنی چیلنج کا جواب لانے کی کوشش کی ہے دینی دانشوروں کی علمی کاوشوں کی روشنی میں قرآنی تحدی وچیلنج کا جواب لانے والوں کو منھ کی کھانی پڑی ہے اور انکے بے بنیاد دعووں کی قلعی کھل کر سامنے آئی ہے۔

ابھی چند سال قبل ''امریکہ آن لاین'' نامی ایک امریکی کمپنی نے اپنے ایک شیطانی حربہ کے تحت قرآن کے مقابلہ کے لئے خرافاتی مضامین پر مشتمل مطالب قرآن کی تقلید کرتے ہوئے ''مسلمون'' ''تجسد'' وصایا'' اور ''ایمان'' نامی سوروں کو گڑھ کر نیٹ پر اپلوڈ کیا، امریکی کمپنی کی اس گستاخی پر اسلامی معاشروں میں شدید برہمی کا اظہار کیا گیا جس کے نتیجہ میں آخر کار اس سائٹ کو بلاک کرنا پڑا، اس کے بعد {Suralikeit.uk} نامی ایک برطانوی کمپنی نے ان ہی من گڑھت سوروں کو چار صفحوں میں شایع کیا، اور اپنے اہانت آمیز اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والے ایک بیان میں مظلوم نمائی کرتے ہوئے اپنے اس اقدام کو قرآنی تحدی وچیلنج کے جواب کے طور پر پیش کیا اور مسلمانوں کو انتہا پسند اور میانہ رو دو گروہوں میں بانٹتے ہوئے یہ دعوی کیا کہ میانہ رو اور معتدل مسلمانوں نے ان صفحوں کا استقبال کیا ہے جب کہ انتہا پسندوں نے اسکے مقابل شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔

بحمداللہ ان کاموں کے تار وپود کی علمی تنقید اور دینی معاشروں میں دانشوروں کے دیئے گئے جوابات کی بنا پر قرآن کے مقابلہ پر آنے والوں کو خود ہی پیچھے ہٹنا پڑا (ان جعلی سوروں کے بارے میں مزید معلومات اور انکی تنقید

کے لئے رجوع کریں: (مجلّہ تخصصی کلام اسلامی، سال نہم، شمارہ ۳۳، صفحات ۱۵۹۔۱۴۰)

ج: قرآن کریم کی تحدی یا چیلنج

اسلام کے جاودان دین کی یادگار اور معجزہ کی حیثیت سے قرآن اسلامی دعوت کے منکروں کو مقابلہ کے لئے للکار رہا ہے، اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں نے قرآن کی تحدی اور اس کے چیلنج کو پیش کر کے مخالفین کی عاجزی و ناتوانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام صدیوں میں پیغمبر اسلامؐ کے جاودان معجزہ نے اپنے تحرک کو باقی رکھا ہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا ہے قرآنی چیلنج کو پیش کرنے والی آیات رہ گشا ہیں۔

الف: منکروں کو قرآن جیسی کتاب لانے کا چیلنج:

﴿ فَلْيَأْتُوا بِحَديثٍ مِثْلِهِ إِنْ كانُوا صادِقين﴾

اگر یہ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو یہ بھی ایسا ہی کوئی کلام لے آئیں (طور/۳۴)

﴿ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هذَا الْقُرْآنِ لا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَ لَوْ كانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهيراً﴾

''ان سے کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ قرآن کی مثل کچھ لے آئیں تو وہ نہیں لا سکتے ہیں اگر چہ سب ایک دوسرے کے پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔''

(اسراء/۸۸)

ب: منکرین قرآن کو صرف دس سوروں کا جواب لانے کا چیلنج

﴿ اَمْ يَقُولُونَ افْتَراهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَياتٍ وَ ادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صادِقين﴾

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک بندے نے گڑھ لیا ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ اس کے جیسے دس سورہ تم بھی گڑھ کر لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جسے بھی تم چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو'' (ھود/۱۳)

ج: قرآن کے کسی ایک سورہ کا جواب لانے کا چیلنج

'' وَ إِنْ كُنْتُمْ في رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنا عَلى عَبْدِنا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَ ادْعُوا

شُهَداءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صادِقِينَ ''

'' اور اگر تمہیں اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کا جیسا ایک سورہ ہی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جتنے بھی تمہارے مددگار ہیں سب کو بلا لو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو '' (بقرہ/۲۳)

واضح سی بات ہے کہ یہاں پر قرآن کے چیلنج کا مطلب یہی ہے کہ کوئی ایسا جواب پیش کیا جائے جس میں کوئی شخص تنہا یا دوسرے کے ساتھ مل کر جدید اسلوب اور نئے انشا میں بلند مفاہیم کو اس طرح جملوں اور کلموں کے قالب میں ڈھالے کہ جو اپنی مٹھاس، کشش، اور جذابیت میں قرآن کی آیات کے مثل ہوں اور یہ شباہت اتنی ہو کہ اگر ان جملوں کو قرآنی آیات کے سامنے رکھا جائے تو یہ کہا جا سکے کہ قرآن کی نظیر پیش کر دی گئی ہے۔

کتاب فرقان الحق یا چار دیگر بیان شدہ صفحات کو قرآن کے جواب میں لانے والے اتنی بھی سمجھ کے حامل نہ تھے کہ یہ موٹی سی بات بھی سمجھ پاتے کہ اگر کوئی شاعر یا مصنف کسی کلام کے مقابل اپنا کلام پیش کرے اور کسی کلام کا مقابلہ کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسا کلام پیش کرے جو اپنے الفاظ کے استقلال اور اپنے مخصوص اسلوب بیان اور اسکی ترکیب میں کم از کم اپنے مقابل کے کلام سے کسی ایک جہت اور ایک ہدف میں یکسانیت کا حامل ہو۔

اب یہ کہ کوئی شخص کسی فصیح کلام کے مقابل اس کلام کے اسلوب اور اس کی ترکیب کی تقلید کرے اور صرف اس کے بعض کلموں کو ادھر ادھر کر کے بدل دے اور ان سے کوئی جملہ بنا لے تو اسے مقابلہ نہیں کہا جائے گا۔

قرآن کریم کے چیلنج کی قلمرو:

قرآن کریم کا چیلنج تین انواع کو شامل ہے

۱۔ فردی شمول: قرآن کریم سورہ اسراء کی اٹھائیسویں آیت میں تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کر رہا ہے اور دوٹوک لہجہ میں اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی قرآن کے مثل جواب نہیں لا سکتے۔

۲۔ زمانی شمول: یعنی قرآن کریم کی یہ دعوت اور تحدی صدر اسلام سے شروع ہوئی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی لہذا فرماتا ہے:

''فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَ لَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكافِرِين ''(بقرۃ/۲۴)

احوالی شمول: کسی بھی حالت میں تم قرآن کا مثل پیش نہیں کر سکتے ہو، یعنی کوئی عرب یا عجم، ادیب (جو عربی لٹریچر میں مہارت رکھتا ہو) یا کسی اور میدان میں مہارت کا حامل ہو، کوئی کسی بھی منزل پر ہو لیکن قرآن کا جواب نہیں لاسکتا یہ بات قرآن کریم کی آیت میں موجود اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے (ر.ک: معرفت، ۱۴۱۶ق، ص۲۲)

بیان شدہ مطالب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا چیلنج خاص افراد یا کسی خاص زمانے سے محدود نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی خاص حالت یا فضا ہے جس میں جواب لانا ممکن ہو بلکہ (دیگر زمانوں کی طرح) آج بھی قرآنی چیلنج اپنی جگہ قائم ہے۔

اعجاز قرآن کریم کے مختلف پہلو:

قرآن کے معجزہ ہونے کی بنیاد اور اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ اس آسمانی کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے، قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے اسباب وعلل اور کیفیت اعجاز کے مختلف پہلوؤں کو ذکر کیا گیا ہے جنکی طرف ایک اشارہ کرتے ہوئے انکی ایک جمع بندی کو پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ فصاحت وبلاغت

۲۔ بے نظیر جملہ بندی وترکیب اور مخصوص طرز بیان ونظم

۳۔ شیرینی وخاص قسم کی کشش اور قرآن کا مخصوص ترنم

۴۔ ایک امی شخصیت سے اس قدر بلند معارف کا سامنے آنا

۵۔ متین اور ثابت تشریعی نظام اور ٹھوس وپائدار قوانین

۶۔ بلند مرتبہ براہین کا پیش کیا جانا

۷۔ ماضی کا بیان مستقبل کی غیب کی خبریں

۸۔ اسرار خلقت کا بیان (علمی اعجاز)

۹۔ بیان کی پائداری (قرآن میں اختلاف کا نہ ہونا

۱۰۔ اجتماعی انقلاب پیدا کرنا۔

اعجاز قرآن کے سلسلہ میں بیان کئے گئے دس اسباب اور اعجازی پہلوؤں میں ہر ایک اکے لے ہی یا دیگر اسباب کے ساتھ مل کر قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی کیفیت کو ثابت کر رہا ہے۔

البتہ یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ جملوں کی ترکیبوں اور قرآن کے الفاظ کا معجزہ اس کے مطالب اور

مضامین کی بنیاد پر ہے اب اگر کوئی ایسے الفاظ اور فصیح ترکیبیں لے آئے جو قرآن سے مشابہ ہوں تو یہ قرآن کا جواب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی غیب سے متعلق کچھ ایسی خبروں کے مضامین بیان کردے جو قرآن کے عربی الفاظ اور اس کی فصیح و بلیغ ترکیبوں سے مشابہت نہ رکھتے ہوں تو یہ بھی قرآن کا مثل نہیں پیش کرسکا ہے، پس نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے فصیح و بلیغ الفاظ اور نہ اسکے مضامین کچھ بھی اکیلے ہی قرآن نہیں ہیں، ہر چند کہ ان میں سے ہر ایک قرآن کریم کے اعجازی پہلو کو بیان کررہا ہے، چوں کہ جو چیز جہاں ہے وہ اپنے اعلی درجہ پر ہے اور انسان اسکی نظیر لانے سے قاصر رہا ہے (رضائی، اصفہانی، ۱۳۸۰، ص ۷۹)

اس وضاحت کے بعد اگر کوئی سوال کرتا ہے کہ پھر چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج تک کوئی کیوں کر قرآن کا جواب نہ لاسکا کیوں کر کوئی قرآن کے چیلنج کا سامنا نہ کرسکا اور اسکے مقابل کوئی اسی کے جیسا سورہ پیش نہ کرسکا، اس عاجزی کا راز کیا ہے اس ناتوانی کی وجہ کیا ہے؟ کیا انسان عربی زبان اور اسکے قواعد سے نابلد ہیں یا اسے نہیں سیکھ سکتے ہیں، کیا بشریت کا علم ناکافی ہے؟ تو اسکے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جو مختلف پہلوؤں اور مختلف جہات سے معجزہ ہے، قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو محدود الفاظ میں بہت سے بلند معانی کو بیان کررہی ہے، قرآن ایسی کتاب ہے جو معمولی عربی الفاظ کو فصاحت و بلاغت کی بلندیوں سے اس طرح بیان کر رہی ہے کہ اسکی کوئی نظیر نہیں۔

ہر دوسری کتاب کی طرح قرآن کریم بھی ''لفظ، معنی، اور نظم'' کے تین عنصروں سے تشکیل پاتا ہے پس اگر کوئی قرآن جیسی کتاب لانا چاہے تو کم از کم اسے ان تین خصوصیتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

۱۔ تمام الفاظ، اسما اور افعال کا اسے علم ہونا چاہیے تاکہ وہ سب سے بہتر اور مناسب لفظ اسم یا فعل کو ہر جملہ میں استعمال کرسکے۔

۲۔ اس کی عقل تمام معانی، الفاظ، اور اسم و فعل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہو تاکہ گفتگو کے وقت سب سے بہتر اور مناسب الفاظ کو اپنا مقصود بیان کرنے کے لئے پیش کرسکے۔

۳۔ کلمات و معانی کے تمام پہلوؤں اور انکے نظم سے باخبر ہو تاکہ ضرورت کے وقت سب سے بہتر اور مناسب کلمہ کو اپنے کلام کے لئے منتخب کرسکے۔

اس لحاظ سے کہ جب الفاظ و معانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے نظم سب کو ساتھ میں ضرب دیا جائے تو ان سے ایک لامتناہی (ریاضیات کی اصلاح میں) مجموعہ سامنے آتا ہے، جس پر تسلط اور احاطہ اور ان کے بارے میں ذہنی حضور انسان کے بس میں نہیں ہے، اس پر یہ بھی کہ قرآن کے بلند مفاہیم اور اس کے علمی اسرار اور ان

کی دیگر جہتیں خود ان دوسرے علوم کا مطالبہ کرتی ہیں جو بشریت کی دسترس سے باہر ہیں۔

نتیجہ یہ کہ صرف خدا کی ذات ہے جو ہر چیز پر محیط ہے یہ اسی کا لامحدود علم ہے جو ان تمام مجموعوں کو ایک ساتھ ایک ہی جگہ نظر میں رکھ کر ایک ایسی کتاب وجود میں لاسکتا ہے کہ جس میں فصیح الفاظ کے صحیح معانی کو بہترین نظم و ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہو'' أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہر شئے پر قادر ہے (بقرہ/۱۰۶)

قرآن کے مثل کوئی کلام پیش کرنے میں انسان کی عاجزی کا راز علم وعقل کے محدود دائرہ اور خداوند متعال کے لامحدود علم وادراک میں نہاں ہے'' وَ ما أُوتيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَليلا'' (اسراء/۸۵)

یہی وجہ ہے کہ جس قدر بھی بشر کا علم زیادہ ہوتا جائے گا اس کی عقل اور فکر کی گہرائیوں میں اضافہ کے ساتھ پختگی آتی جائے گی، اور وہ علم وعقل وفکر کی روشنی میں قرآن کے الفاظ، معانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے نظم کو بہتر طور پر سمجھ سکے گا اور اس آسمانی کتاب کے بارے میں اسکے تعجب میں اور بھی اضافہ ہوگا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ وہ کبھی بھی قرآن کے مثل کلام پیش کرنے پر قادر نہ ہوگا (رضائی، اصفہانی، گزشتہ حوالہ، ص۸۱،۸۰)

اب تمام باتوں کی روشنی میں اب ''الفرقان الحق'' کے مصنفین سے یہ سوال کیا جانا چاہیے کہ تم نے اپنے اس نوشتہ میں اعجاز کے کون سے پہلوؤں کو پیش کیا ہے کہ جو تمہاری کتاب قرآن کے مقابل ٹک سکے اور قرآن کے مخاطبوں کو قرآن سے روگرداں کر کے تمہاری کتاب کی طرف کھینچ سکے؟

ھ۔ردعمل:

مسلمانوں نے ''الفرقان الحق'' کی طباعت کو امریکہ کی سازش جانا ہے اور وہ اسے جہان اسلام کے اہم سیاسی اور دینی امور سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ایک امریکی ہتکنڈہ کے طور پر سمجھتے ہیں، کتاب کے پبلشرز کا یہ دعوی ہے کہ وہ امریکہ کے ایک تنصیری (تعاونی وحمایتی) پروٹسٹنٹ {Protestant} گروپ سے متعلق ہیں۔

مسجد الاقصی کے امام جماعت اور بیت المقدس کے مفتی اعظم شیخ عکرمہ بن سعید صبری نے ۲۰/۱۰/۱۴۲۵ھ نماز جمعہ کے خطبہ میں امریکہ پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کرنے کی کوششوں میں لگا ہے کہ وہ حقیقی قرآن سے منھ موڑ کر فرقان الحق کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

مصر سے چھپنے والے عربی روزنامہ ''الاسبوع'' کے چیف ایڈیٹر نے دسمبر ۲۰۰۴ء میں اس بات کو برملا کیا کہ اس کتاب کا سب سے پہلا نسخہ خفیہ طور پر امریکہ اور اسرائیل میں چھپا ہے اور اسرائیلی عناصر کی شراکت سے

جارج بش کے حکم پر شایع کیا گیا ہے۔

عالمی سامراج کی جانب سے صلیبی جنگ کا شوشہ چھوڑنا اور ثقافتی جنگ کی فضا کو تیار بنانے کے لئے قرآن کریم اور مسلمانوں کے خلاف کتاب شایع کرنا یہ سب چیزیں ہر دن بڑھتی ہی جارہی ہیں اور یہ تمام مسلمان غیرت مندوں کے لئے ایک خطرہ کا اعلان ہے۔

الفرقان الحق کے مقبوضہ فلسطین کی سرزمین پر تقسیم ہوتے ہی بعض یہودیوں نے اس کی تفسیر کرنا شروع کردی تا کہ قرآن کریم سے اس کا تقابل کرتے ہوئے یہ باور کرایا جاسکے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں بلکہ بشر کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔

یہ لوگ ۱۱ر ستمبر کے دھماکوں سے ڈیوڈ بیکھم کے بچوں کے اغوا تک کو مسلمانوں سے منسوب کرتے ہیں اور گروہی طور ذرائع ابلاغ کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں رکھنے کی بنا پر خاص کر دنیا کی بڑی بڑی خبر رساں ایجنسیوں پر اپنے کنٹرول کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں اور اپنے انہیں حیلوں اور شاطرانہ چالوں کی بنا پر بعض مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی رہے ہیں۔

معاملہ کی اس سنگینی کے پیش نظر مسلمانوں کی بیداری، اور ان کے درمیان اتحاد و ہمدلی، نیز علماء کرام کی حق بیانی اور مسائل سے پردہ دری ان مسلم دشمن عناصر کی سازشوں کو نقش برآب کرنے میں ایک بڑا رول ادا کرسکتی ہے۔

د: جعلی قرآن کی تعلیمات:

کتاب ''الفرقان الحق'' نامی جعلی قرآن جسے جدید قرآن، صدی کا قرآن، اور اکیسویں صدی کے قرآن کا نام دیا جارہا ہے ایک ایسی کتاب ہے جو انجیل کی تعلیمات کی اساس پر ترتیب پائی ہے علاوہ اس کے کہ اس جعلی قرآن میں حق و باطل کا معیار انجیل کو ذکر کیا گیا ہے، یہ کتاب بعض بدیہی اور واضح امور کو بھی خارج کی دنیا میں موجود ہ حقائق سے منطبق کر کے عصر حاضر میں بشریت کی ضرورتوں کے مطابق پیش کرنے میں ناکام رہی ہے ۔

اس کتاب کی بعض تعلیمات اجمالی طور پر کچھ یوں ہیں:

۱۔ عیسائی تثلیث کو جو بعض عیسائیوں کے فرقوں خاص کر خدا کو وحدہ لاشریک ماننے والے فرقہ کے لیئے بھی قابل قبول نہیں اور موحد فرقہ اس عقیدہ کو رد کرتا رہا ہے اسی کو کتاب کے ہر حصہ میں بسم اللہ کی جگہ بیان کیا گیا ہے

۲۔ بغیر کسی عقلی اور علمی اور تاریخی دلیل کے قرآنی تعلیمات کو رد کیا گیا ہے اور کتاب کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان گمراہ ہیں۔

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو شرک بیان کیا گیا ہے گویا اس کتاب کے مصنفین کی نظر

میں جناب عیسیٰؑ کی اطاعت بھی شرک ہوگی!

۴۔اس کتاب میں جوانوں کی شادی کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی زنا کا حکم رکھتی ہے۔

۵۔اس کتاب میں طلاق کی ہر صورت میں مذمت کی گئی ہے، اور کسی بیوہ سے شادی کو زنا قرار دیا گیا ہے

۶۔اس جعلی قرآن میں جہاد کو حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ کوئی عالمی سامراج سے مقابلہ کے لئے نہ اٹھ سکے

۷۔اس کتاب میں نہ تو بشریت کی اصلاح کے لئے کوئی نئی تجویز بیان کی گئی ہے اور نہ علمی، اور غیب کے امور سے کوئی خبر دی گئی ہے نہ ہی ماضی میں گزر جانے والی شخصیتوں کی تاریخ ہے اور نہ ہی تربیتی نمونوں کو پیش کیا گیا ہے۔

۸۔کتاب ''الفرقان الحق'' کے مصنفین اس بات کے دعوے دار ہیں کہ یہ کتاب وحی مبین ہے! معلوم نہیں کہ اس میں کون سا نکتہ وحی ہے اور کس پر وحی ہوئی ہے اور وحی کی خصوصیتیں اور علامتیں کیا ہیں؟

﴿و.....یُریدُونَ لِیُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْواهِهِمْ وَ اللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ کَرِهَ الْکافِرُون﴾

یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن خدا اپنے نور کو کامل کرے گا چاہے کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔(صف/۸)

منابع و مآخذ

۱۔رضائی اصفہانی، محمد علی، پژوہشی در اعجاز علمی قرآن، انتشارات کتاب مبین، قم، چاپ اول، ۱۳۸۰، جلد ۱

۲۔معرفت، محمد ہادی، التمہید فی علوم القرآن، موسسہ النشر الاسلامی، قم، چاپ دوم، ۱۴۱۶ھ جلد ۴